

سیرۃ  
حضرت ابو بکر صدیق  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

طالب الہیاتھی

حراپبلی کیشنز  
اردو بازار، لاہور

سیرت  
حضرت ابو ہریرہ  
رضی اللہ عنہ

طالب الہاشمی

حراپبلیکیشنز  
اردو بازار لاہور

(جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں)

---

نام کتاب: — سیر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مؤلف: — طالب الهاشمی

بار اول ستمبر ۱۹۹۳ء

تعداد — ایک ہزار

مطبع: — میٹروپولیٹن پریس، لاہور

ناشر: شفیق الاسلام فاروقی - جرائی کیشنر، فضل الہی مارکیٹ

— اردو بازار لاہور

کتابت: محمد حنیف قریشی وھیدروالی دہسک، سیالکوٹ

قیمت: — ۸۴ روپے

---



# ترتیب

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۱	انتساب ————— طالب الہاشمی	①
۱۳	تعارف ————— پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی فاروق صاحب	②
۱۶	مقدمہ ————— از مؤلف	③
۳۱	نام و نسب	④
۳۱	نام	
۳۱	سلسلہ نسب	
۳۲	خاندان / قبیلہ	
۳۵	دوس کی جائے سکونت	
۳۷	کنیت ابوہریرہ کی وجہ تسمیہ	
۳۸	ولادت	
۳۸	بچپن سے جوانی تک	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۴۰	قبیلہ دوس کے اولین مسلمان	۵
۴۰	حضرت معقیب بن ابی فاطمہ الدوسی	
۴۱	حضرت اقم شریک دوسیر	
۴۲	حضرت طفیل بن عمرو دوسی	
۴۶	حضرت ابوہریرہ کا قبول اسلام	
۴۹	وطن سے ہجرت	۶
۵۰	مدینہ منورہ میں ورود	
۵۱	بارگاہ رسالت میں حاضری	
۵۲	غزوہ خیبر میں شرکت	
۵۹	خیبر سے مراجعت کے بعد	
۶۲	عہد رسالت میں حضرت ابوہریرہ کے شب و روز	۷
۶۳	اصحاب صفہ	
۶۶	حضرت ابوہریرہ کی صعوبت کشی	
۶۵	رسول اکرم کی والہانہ خدمت	
۶۶	والدہ کا قبول اسلام	
۶۹	والدہ کا ادب و احترام	
۶۹	والدہ سے تعلق خاطر	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	عمرة القضاء میں شرکت	۹۲
	بحرین کا سفر	۹۳
	حج اکبر سنہ ہجری	۱۰۲
	حجۃ الوداع میں رسول اکرم (ﷺ) کی ہمرکابی	۱۰۵
	حضرت ابوہریرہؓ میدان جہاد میں	۱۰۷
	(عہد رسالت)	۱۰۷
	غزوة وادی القری	۱۰۷
	غزوة ذات الرقاع	۱۰۸
	غزوة فتح مکہ	۱۱۰
	غزوة حنین	۱۱۰
	غزوة تبوک (جیشِ عسرة)	۱۱۱
	بعض سرایا میں شرکت	۱۱۲
	(عہد رسالت کے بعد)	
	عہد صدیقی: (فتنہ اتداد کے استیصال میں حصہ)	۱۱۳
	عہد فاروقی: (جنگ یرموک میں شرکت - آذربائیجان اور	۱۱۵
	آرمینیا کے جہاد میں شرکت -)	
	عہد عثمانی: (آذربائیجان اور آرمینیا میں جہاد)	۱۱۸
	عہد رسالت کے بعد حضرت ابوہریرہؓ کے شب و روز	۱۲۳
	حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں	۱۲۳

⑧

⑨

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۲۷	حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں	
۱۲۸	امارتِ بحرین	
۱۲۹	بحرین سے واپسی کے بعد	
۱۳۲	حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں	
۱۳۳	حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں	
۱۳۴	امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں	
۱۳۴	امارتِ مدینہ	
۱۳۵	حضرت ابوہریرہؓ بحیثیت قاضی	
۱۳۷	وادی سینا کا سفر	
	○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○	
	◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆	
	○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○	
۱۴۲	سفرِ آخرت	۱۰
۱۴۲	مرض الموت	
۱۴۳	آخری وصیت	
۱۴۵	وفات	
۱۴۵	جنازہ اور تدفین	
۱۴۵	سالِ وفات اور عمر	
۱۴۸	پسماندگان سے حسن سلوک	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۴۹	<u>مخصوص ذاتی حالات</u>	①۱
۱۴۹	علیہ	
۱۴۹	لباس	
۱۵۰	خانگی زندگی	
۱۵۲	اولاد	
۱۵۷	<u>اخلاق و عادات</u>	①۲
۱۵۷	خشیتِ الہی اور خوفِ آخرت	
۱۶۰	حُبِ رسول	
۱۶۲	اتباعِ سنت	
۱۶۴	شغفِ عبادت	
۱۶۸	فقر و عفاف	
۱۶۹	سادگی	
۱۶۹	عبرت پذیری	
۱۷۰	حق گوئی	
۱۷۱	حسن معاشرت	
۱۷۲	فیاضی اور سیرِ چشمی	
۱۷۳	خوش مزاجی (زندہ دلی)	
۱۷۳	جوشِ عقیدت	



صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۷۷	حضرت ابوہریرہؓ کی علمی زندگی	۱۳
۱۷۹	وسعت علم	
۱۸۰	مرویاتِ ابی ہریرہؓ کی تفصیل	
۱۸۲	اساتذہ	
۱۸۲	رواۃ و تلامذہ	
۱۸۵	اشتیاقِ حدیث ( واقعہ نعلین )	
۱۹۳	اشاعتِ حدیث	
۱۹۸	صیانتِ حدیث	
۲۰۰	کثرتِ روایت کا پس منظر	
۲۰۴	غیر معمولی قوتِ حافظہ	
۲۰۷	حافظہ کا امتحان	
۲۰۹	بعض احادیث کا انحاء	
۲۱۳	حدیث کی تحریر و کتابت	
۲۱۷	مرویاتِ ابی ہریرہؓ کی کتابت	
۲۲۱	صحیفہ ہمام بن منبہ	
۲۲۲	مُسندِ ابی ہریرہؓ	
۲۲۳	حضرت ابوہریرہؓ کی روایات میں اصحُّ المطرق	
۲۲۵	حضرت ابوہریرہؓ بحیثیت مفتی	
۲۲۹	حضرت ابوہریرہؓ کی فقہیت	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۳۲	حضرت ابوہریرہؓ کا مقام و مرتبہ	۱۳
۲۳۲	حضرت ابوہریرہؓ پر افترا	۱۵
۲۳۳	عظمت صحابہؓ	
۲۳۵	عدالت صحابہؓ	
۲۳۶	احادیث کی جانچ پڑتال	
۲۵۲	حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت کعب احبارؓ	
۲۶۰	کچھ اور اعتراضات اور ان کا ابطال	
۲۷۹	صحیحین سے منتخب حضرت ابوہریرہؓ کی ایک سو مروییات	۱۶
۳۱۰	حضرت ابوہریرہؓ کی چند اور مروییات	۱۷
۳۱۹	کتابیات	۱۸



# فہرست اہم حواشی

صفحہ	عنوان / مضمون	صفحہ نمبر	عنوان / مضمون	نمبر شمار
۱۲۶	حضرت حبیب بن مسلمہ فہری	۱۳	تخطائی قبائل	۱
۱۲۵	حضرت قدامہ بن مظعون جمحی	۱۴	عدناتی قبائل	۲
۱۲۶	حضرت جبارود بن عمرو عبدی	۱۵	جبال العسیر	۳
۱۳۷	حضرت کعب احباری	۱۶	جبال الیمین	۴
۱۳۹	حضرت عبداللہ بن سلام	۱۷	حضرت طفیل بن عمرو کا	۵
۱۴۲	حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن	۱۸	ذوالنور کے لقب سے مشہور ہونا	
۱۵۱	حضرت عقبہ بن غزوان	۱۹	حضرت ابان بن سعید اموی	۶
۱۵۴	حضرت سعید بن مسیب	۲۰	سانحہ بصر معونہ	۷
۲۱۳	حدیث مضطرب	۲۱	منذر بن سادی	۸
۲۱۳	حدیث موقوف	۲۲	حضرت علاء بن عبداللہ حضرمی	۹
۲۲۱	حضرت ہمام بن منبہ	۲۳	حضرت عمرو بن طفیل	۱۰
۲۲۸	حضرت فضل بن عباسی	۲۴	حضرت عبدالرحمن بن ربیعہ باہلی	۱۱
۲۵۸	حضرت بشیر بن سعد انصاری	۲۵	حضرت سعید بن عاص اموی	۱۲





## انتساب

جدیب مکرم جناب شفیق الاسلام فاروقی صاحب

کے  
نام

جنہوں نے گزشتہ چالیس سال کے دوران نام و نمود، شہرت اور کسی ذیوی نفع کی خواہش کے بغیر نہایت خاموشی کے ساتھ جس جذبے خلوص، لگن اور تندی کے ساتھ دین کی خدمت کی، دورِ حاضر میں اس کی مثال ملنا محال ہے۔ ان کی دشوار گزار راہِ عمل میں قدم قدم پر سنگلاخ گھاٹیاں اور خاردار جھاڑیاں تھیں لیکن ان کا جوش ایمان اور جذبہ صادق راہ کی کسی مشکل کو خاطر میں نہ لایا اور وہ کئی دور دراز ممالک کے قیدخانوں میں سالہا سال سے مجبوس غیر مسلم قیدیوں کو طویل خط و کتابت کے ذریعے مسلسل دعوتِ دین دیتے رہے یہاں تک کہ ان میں سے بہت سے سلیم الفطرت قیدی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور خود اسلام کے مبلغ بن گئے۔ اس کے علاوہ ان کی تبلیغی مساعی کی دولت بہت سے بے عمل مسلمان نوجوان راہِ ہدایت پر گامزن ہو گئے اور تبلیغ حق کو اپنی زندگی کا محور بنالیا۔ — جناب شفیق الاسلام فاروقی صاحب اپنی دھن کے

کے پکتے ہیں اور اپنے مشن کی تکمیل میں برابر مصروف ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے محض رضائے الہی کی خاطر اپنے وقت اور مال کی قربانی دی اور جس طرح اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں کو اس کارِ خیر میں صرف کیا وہ بڑے بڑے تبلیغی اداروں کے لیے باعثِ رشک ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر کسی مسلمان کی تبلیغ سے ایک شخص کو بھی ہدایت نصیب ہو جائے تو یہ اس تبلیغ کرنے والے مسلمان کے لیے دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔

اس حدیثِ پاک کے پیشِ نظر میری صدقِ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب شفیق الاسلام فاروقی صاحب کی تبلیغی ماساعی کو قبول فرمائے اور انہیں اُن کے لیے تو اشدِ آخرت بنا دے۔ آمین ثم آمین۔

ناچیز

طالب الہاشمی غفرلہ

۱۱-۷-۱۹۹۳





# تعارف

انرا

(پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی فاروق صاحب ایم۔ اے پی ایچ ڈی)

حَامِدًا وَ مُصَلِّيًا

محسنِ انسانیت رحمتِ عالم خاتم الانبیاء والمرسلین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ  
(فداہ امی دابی دروحی) کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ نفوسِ قدسی  
ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد چشمِ فلک نے ان کے بہتر و برتر کوئی مخلوق  
نہیں دیکھی۔ صبر و استقامت، شجاعت و شہامت، جانبازی و سرفروشی،  
فقر و عفات، زہد و اتقا، استغناء و قناعت، دیانت و امانت، صدق و  
عدالت، ایثار و مروت، انکسار و تواضع، علم و تحمل، علم و عمل، ایمان و  
اخلاص اور تفقہ فی الدین غرض اخلاقِ فاضلہ کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا  
جو ان میں پوری شان کے ساتھ موجود نہ ہو۔ قرآنِ پاک میں ان مقدس  
ہستیوں کے اوصاف جا بجا بیان کیے گئے ہیں اور ان کو کھلے لفظوں میں جنت  
کی بشارت دی گئی ہے۔ فی الحقیقت ان کے نقوشِ سیرت، قوتِ ایمانی  
اور دینی جذبہ کے ایسے قوی سرچشمے ہیں جن کی بدولت یہ اُمتِ فوز و فلاح  
کے راستے پر گامزن ہو سکتی ہے۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ  
انہی نفوسِ قدسی کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہے۔ مبارک ہیں وہ اہلِ علم جن کو

ان مقدس ہستیوں کی سیرت نگاری کی توفیق نصیب ہوئی — ہمارے  
 محترم بزرگ جناب طالب الہاشمی بھی ان سیرت نگاروں میں شامل ہیں۔ علمی  
 اور دینی حلقوں میں ان کا نام اور کام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ  
 نے ان کو سیرت نگاری کا خاص ملکہ عطا فرمایا ہے۔ پھر ان کی دینی فکر اور  
 خیر پسندی نور علی نور — وہ اب تک تقریباً ایک ہزار صحابہ کرامؓ  
 اور صحابیاتؓ کے سیر و سوانح قلمبند کر چکے ہیں، جو کئی ہزار صفحات پر محیط ہیں۔  
 ان کے علاوہ وہ تاریخ اسلام کی بیسیوں دوسری اہم شخصیتوں پر بھی قلم اٹھا  
 چکے ہیں اور تاریخ و سیرت کے موضوع پر ان کی پچاس سے زیادہ تالیفات  
 اب تک منصفہ شہود پر اچکی ہیں۔ اگر کہا جائے کہ اس معاملے میں کم از کم  
 اردو زبان میں ان کا کوئی شریک و سہم نہیں تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔  
 اس میں کوئی شک نہیں کہ عربی زبان میں سیر الصحابہ کے موضوع پر لکھی  
 گئی کتابوں میں سے کچھ کا ترجمہ اردو زبان میں ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ  
 دار المصنفین اعظم گڑھ اور ندوۃ المصنفین دہلی جیسے وسیع ادارے سیر الصحابہ  
 اور اسلامی تاریخ کے موضوع پر کئی فاضل بزرگوں کی گرانقدر تالیفات شائع  
 کر چکے ہیں۔ لیکن اس موضوع پر جناب طالب الہاشمی کی تالیفات اسلوب  
 نگارش، تفصیل و تاثر اور تعداد صحابہ و صحابیات کے اعتبار سے اپنا ایک  
 الگ مقام رکھتی ہیں اور پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کام جناب طالب الہاشمی  
 نے اپنی گونا گوں مصروفیات اور ہجوم مصائب و آلام میں گھرے ہونے  
 کے باوجود حکومت یا کسی ادارے کی مدد کے بغیر تنہا سرانجام دیا ہے تو  
 بے اختیار ان کے لیے عمقِ قلب سے دعائیں نکلتی ہیں۔ بلاشبہ وہ اپنی ذات  
 میں ایک انجمن یا ادارہ ہیں۔

زیر نظر کتاب ان کے لکھے ہوئے سلسلہ سیر الصحابہ و صحابیات کی  
 تازہ ترین کڑی ہے۔ اس میں انہوں نے حدیث کے سب سے بڑے حافظ

اور راوی سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات زندگی نہایت تحقیق و تفتیح کے ساتھ قلمبند کیے ہیں۔ ان میں انہوں نے صاحب سیرت کی زندگی کے ہر گوشے کو نمایاں کیا ہے اور سیرت نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کی زبان شستہ اور رواں، طرز نگارش سادہ مگر دلکش اور سلجھا ہوا ہے۔ انہوں نے جہاں اطناب کی ضرورت ہے اطناب سے اور جہاں ایجاز کی ضرورت ہے وہاں ایجاز سے کام لیا ہے۔ کوئی بات بغیر حوالے کے بیان نہیں کی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بعض بر خود غلط لوگوں کے لایعنی اعتراضات کا ابطال بھی بڑے مدلل اور چمکے تلے انداز میں کیا ہے۔ کتاب کے آخر میں انہوں نے صحیحین اور بعض دوسری کتب حدیث سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریباً ڈیڑھ سو روایات بھی منتخب کر کے شامل کر دی ہیں۔ اس طرح یہ کتاب ایک چھوٹا سا گلدستہ حدیث بھی بن گئی ہے اور اس کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

میں اس بلند پایہ کتاب کی تالیف پر جناب طالب الہاشمی کو مدنیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس علمی کاوش کو قبول فرما کر خواجہ عوام کو اس سے استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

عبد الغنی فاروق

۱۹۹۳ء - ۱۰ - ۷





## مقدمہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ  
عَلَى رَسُولِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَآحِبَائِهِ  
أَجْمَعِينَ

اس ذات بے ہمتا کا کما حقہ شکر ادا کرنے سے زبان عاجز سے جس نے اپنے فضلِ خاص سے مجھ جیسے پچھوان کو ان نفوسِ قدسی کی سیر نگاری کی توفیق بخشی جن سے انبیاء علیہم السلام کے بعد بہتر کسی انسان پر اقیاب طلوع نہیں ہوا۔ اس سلسلے میں اب تک اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حقیر بندے کو مندرجہ ذیل کتابیں تالیف کرنے کی سعادت نصیب فرمائی ہے:

- ۱۔ تیس پروائے شمع رسالت کے۔
- ۲۔ نغیر البشر کے چالیس جاں نثار۔
- ۳۔ سرور کائنات کے پچاس صحابہؓ
- ۴۔ آسمان ہدایت کے ستر ستارےؓ
- ۵۔ رحمتِ دارین کے سو شیدائیؓ
- ۶۔ فوز و سعادت کے ایک سو پچاس چراغؓ
- ۷۔ حبیبِ کبریا کے تین سو اصحابؓ
- ۸۔ یہ تیرے پورا ہمارا بندے۔
- ۹۔ سیرت خلیفۃ الرسول سیدنا صدیق اکبرؓ

۱۰۔ سیرت حضرت ابوالیوب انصاریؓ

۱۱۔ سیرت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

۱۲۔ سیرت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

۱۳۔ سیرت حضرت فاطمہ الزہراءؓ

۱۴۔ تذکار صحابیاتؓ

۱۵۔ وفودِ عرب بارگاہِ نبویؐ میں (اس میں بھی بہت سے صحابہ کے حالات لکھے ہیں)

زیر نظر کتاب ”سیرت حضرت ابوہریرہؓ“ اس سلسلہ الذمہب کی سولھویں کڑی ہے۔ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہماری تاریخ کی نہایت قدآور شخصیت ہیں۔ ان کے شرف و مجد کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ محسن انسانیت، رحمت دارین، دانائے کونین، خاتم الانبیاء و المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام و ضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت کے ایک معزز رکن تھے۔ ان کی شخصیت اس اعتبار سے امتیازی شان کی حامل ہے کہ وہ اُمتِ مسلمہ کے سب سے بڑے راوی حدیث ہیں۔ ان سے پانچ ہزار تین سو چونتالیس (۵۳۴۳) احادیث مروی ہیں۔ یہ تعداد دوسرے کسی بھی صاحبِ رسولؐ یا صحابہؓ سے مروی احادیث کی تعداد سے زیادہ ہے۔ اکثر اربابِ سیر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالتِ قدر کا ذکر ان کی روایتِ حدیث ہی کے حوالے سے کیا ہے تاہم ان کی کتابِ سیرت کے دوسرے پہلو بھی کچھ کم روشن نہیں مثلاً حبِ رسولؐ، خشیتِ الہی، عبادت و ریاضت، شوقِ جہاد، اتباعِ سنت، انکسار، مہمان نوازی، خوش مزاجی وغیرہ۔۔۔ میں نے اس کتاب میں امرکان بھر تحقیق و تفحص کے بعد ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

جب میں نے یہ کتاب لکھنے کا ارادہ کیا اور اس سلسلے میں اپنے

بعض صاحب علم احباب سے مشورہ کیا تو ان میں سے کچھ نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اس کتاب کو صرف انہی حلقوں میں پذیرائی حاصل ہوگی جو حدیث کی اہمیت اور حجیت پر ایمان رکھتے ہیں۔ حدیث کے منکرین یا اس کو مناسب اہمیت نہ دینے والے حلقوں میں یہ بار نہ پاسکے گی۔ انہیں صورت کسی دوسرے موضوع پر قلم اٹھاؤں تو مناسب ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ میرے لیے یہ بات بھی باعثِ صبر و سعادت ہوگی کہ اس کتاب کو حجیت حدیث پر ایمان رکھنے والے حلقوں میں پذیرائی نصیب ہو جائے۔ اگر دوسرے حلقے اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے تو میرے نزدیک یہ بات چنداں اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن پاک کے بارے میں بھی فرمایا ہے کہ یہ تمثال من اللہ کتاب ان لوگوں کے لیے (سرمایہ) ہدایت ہے۔ جو اہل تقویٰ ہیں (هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ)۔ اسی طرح سورہ احزاب میں ارشاد ہوا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔ (آیہ - ۲۱)

(ترجمہ) درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ اور یومِ آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

اب جو لوگ صحابہ کرامؓ کی عظمت، عدالت اور مقام و مرتبہ سے

لے یعنی اللہ سے غافل آدمی کے لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ اطہر نمونہ نہیں ہے مگر اس شخص کے لیے ضرور نمونہ ہے جو اللہ کے فضل اور عنایات کا امیدوار ہو اور اس بات پر ایمان رکھتا ہو کہ آخرت آنے والی ہے جہاں اس کی سجدائی کا سارا انحصار اس بات پر ہوگا کہ دنیا میں اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ محسنہ پر کس حد تک عمل کیا۔

آگاہ ہیں نہ حدیث کی اہمیت اور حجیت کے قائل، اُن سے (ان ارشاد اللہ  
 الہی کی روشنی میں) یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ وہ اس کتاب کی پذیرائی  
 کریں گے یا اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ ہاں اگر یہ کتاب  
 صحیح الفکر مسلمانوں کے کسی بھی حلقے میں قدر و قیمت کی نگاہ سے  
 دیکھی گئی تو میں سمجھوں گا کہ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی۔  
 ان معروضات کے سننے کے بعد میرے دوستوں نے میرا نقطہ نظر  
 بخوبی سمجھ لیا اور پھر وہ اس کتاب کی تکمیل تک برابر میری حوصلہ افزائی فرماتے  
 رہے۔ الحمد للہ کہ کتاب، طباعت وغیرہ کے تمام مراحل طے کرنے کے  
 بعد اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ قارئین کرام سے مؤدبانہ  
 درخواست ہے کہ اس میں انہیں کوئی خامی یا سقم نظر آئے تو اس سے  
 مجھے آگاہ فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ ان شاء اللہ ائذہ ایڈیشن میں  
 مناسب ترمیم و تصحیح کر دی جائے گی۔

اس سے پہلے کہ سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے  
 تذکرے کا آغاز کیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حدیث کی  
 اہمیت اور حجیت کے بارے میں چند ضروری باتیں بیان کر دی جائیں۔  
 حدیث کے لغوی معنی ہیں۔ بات، حال (حالات) بیان، ذکر،  
 نئی چیز، قصہ، بات چیت، گفتگو، خبر۔

قرآن پاک میں حدیث کا لفظ بہت سے مقامات پر آتا ہے۔  
 ان میں سے چند آیات جن میں حدیث کا لفظ استعمال ہوا ہے ملاحظہ ہو:

○ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ (البروج آیت ۱۷)

(بھلا تم کو شکروں کا حال معلوم ہوا)

○ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى (الشعرت آیت ۱۵)

(کیا تم کو موسیٰ کے قصے کی خبر پہنچی ہے)

○ هَلْ أَتَكَ حَدِيثَ الْغَاشِيَةِ (الغاشية آیت ۱)  
(بھلا تم کو ڈھانپ لینے والی (یعنی قیامت) کا حال معلوم ہوا ہے)

— یا —

(کیا تمہیں اس چھا جانے والی آفت کی خبر پہنچی ہے؟)

○ فَيَأْتِي حَدِيثٌ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ - (الْمُرْسَلَاتِ آیت ۵۰)

(اب اس کے بعد یہ کونسی بات پر ایمان لائیں گے؟)

○ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِي (الزُّمَرِ آیت ۲۳)

(اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی

آیات باہم) ملتی جلتی ہیں اور بار بار دہرائی جاتی ہیں)

اصطلاح میں حدیث سے مراد رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا کوئی قول، فعل یا تقریر ہے۔ گویا بنیادی طور پر حدیث کی تین قسمیں ہیں۔ قولی، فعلی اور تقریری۔

قولی وہ احادیث ہیں جن میں حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے اقوال و

ارشادات کا ذکر ہے۔

فعلی احادیث وہ ہیں جن میں حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے افعال مبارکہ

کا بیان ہے۔

تقریری احادیث وہ ہیں جس میں آپ نے صحابہؓ کے اعمال کو قائم رکھا۔ "تقریر" دراصل محدثین کی ایک اصطلاح ہے اس

سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے آپ کے سامنے کوئی بات کہی یا کسی خاص فعل کو اختیار کیا اور آپ نے واضح الفاظ میں اس کو درست قرار

دیا یا ناپسندیدگی کا اظہار نہ کیا اور خاموش رہے (ان میں ایسے واقعات

بھی شامل ہیں جن میں کسی شخص نے آپ کی غیر موجودگی میں کوئی بات کہی

یا کوئی کام کیا اور وہ آپ کے علم میں آیا تو آپ نے اس کی صریحاً توثیق

فرمائی یا سکوت اختیار فرمایا ( ایسی تمام احادیث تقریری کہلاتی ہیں۔  
اسی طرح صحابہؓ کے قول، فعل اور تقریر پر بھی مجازاً حدیث کا

لفظ بولا جاتا ہے مگر بہت کم۔  
ان تینوں یعنی رسول اللہ ﷺ کے ارشاد، فعل اور تقریر  
کے مجموعے کا نام سُنَّت ہے۔ کبھی مجازاً سُنَّت کو حدیث اور حدیث  
کو سُنَّت کے نام سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

تاثیرِ حکم کے اعتبار سے ان میں پہلا درجہ حدیثِ قولی کا ہے کہ  
وہ اصل ہے اور حکم کے درجے میں سے۔

دوسرا درجہ حدیثِ فعلی کا ہے کہ اَسْمُ خُضْرٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا کوئی  
فعل خلافِ شریعت نہیں ہو سکتا تھا۔

تیسرا درجہ حدیثِ تقریری کا ہے۔ کسی دوسرے شخص کی کسی بات  
یا اس کے کسی فعل پر آپ کے سکوت کو آپ کی معنوی رضامندی سے  
تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیثِ یا سُنَّتِ رسول اللہ ﷺ کی اہمیت یہ ہے کہ  
قرآن حکیم کے بعد اس کو اسلامی قانون کا دوسرا اہم ترین ماخذ تسلیم  
کیا گیا ہے۔ اس پر صحابہ کرامؓ کے دور سے لے کر آج تک اُمرت کا  
اجماع ہے۔

قرآن حکیم میں جا بجا صاف اور صریح الفاظ میں رسول اللہ ﷺ  
کو اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا معلم، مربی، پیشوا، رہنما، سرکشی، شارح،  
شارح، کتاب اللہ، قاضی اور حاکم و فرمانروا قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ  
نے جہاں اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہاں رسول کی اطاعت کا حکم  
بھی دیا ہے بلکہ بعض مقامات پر رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت  
قرار دیا ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں :

○ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ (آل عمران آیت ۱۳۲)

(اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی)

○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ (الأنفال آیت ۲۰)

(اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو)

○ وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (البقرة آیت ۸۰)

(اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی)

○ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَبَ

بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا

قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (البقرة آیت ۶۵)

(اے نبی) پس قسم ہے آپ کے رب کی وہ لوگ ہرگز مؤمن نہ ہوں

گے جب تک اپنے باہمی جھگڑوں میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں

پھر آپ کے فیصلے سے دلوں میں کوئی تشکی محسوس نہ کریں بلکہ اسے

بسر و چشم قبول کریں۔

○ إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ

أَيْدِيهِمْ (الفتح آیت ۱۰)

(یعنی جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کی بیعت کرتے

ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔)

○ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ

فَانْتَهُوا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ -

(الحشر آیت ۷)

(جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کر دے

اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔)

○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا

أَعْمَانَكُمْ - ( مُحَمَّدٌ آيَةٌ ۳۳ )

( اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو )

اس قسم کی آیات کثیر تعداد میں قرآن پاک میں ملتی ہیں۔ ان سے اطاعت رسول کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اطاعت رسول پر اس قدر زور دینے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت، رسول کی اطاعت کے بغیر عملاً ممکن ہی نہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک رسول کی اطاعت اس کی تمام تر جزئیات کے ساتھ اختیار نہ کر لی جائے۔ اس سلسلے میں قرآن کریم کی دوسری اصطلاح ”اتباع“ ہے۔ اس کا مطلب ہے پیروی کرنا۔ قرآن کریم میں اتباع رسول کا بھی جگہ جگہ حکم دیا گیا ہے۔ اتباع رسول یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہِ حسنہ کی پیروی کی جائے یا اسے اپنے پیش نظر رکھا جائے۔ (یعنی اگر مکمل طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اطہر کی پیروی کرنا ممکن نہ ہو تو جس حد تک ممکن ہو اس کا اتباع کیا جائے) مختصر یہ کہ اطاعت یا اتباع رسول سے مراد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل یا اس کی اطاعت، پیروی یا اتباع ہے۔ سنت کے لغوی معنی راستہ اور طریقہ کے ہیں۔ بشرعیت میں سنت اس کام کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو یا اس سے منع کیا ہو یا قولاً وفعلاً اس کی ترغیب دلائی ہو۔ جب شرعی دلائل کا ذکر کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کتاب و سنت یعنی قرآن و حدیث۔ اصول فقہ کے علماء سنت کا لفظ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ارشادات، افعال اور تقریرات پر بولتے ہیں جن سے کسی شرعی حکم کا



اثبات ہوتا ہو لیکن محدثین سنت کا اطلاق ہر اس شے پر کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وابستہ ہو مثلاً آپ کی سیرت، اخلاق و معمولات، اخبار و ارشادات وغیرہ۔ ان کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ سنت کا لفظ اسی جگہ بولا جائے جہاں کسی شرعی حکم کا اثبات ہوتا ہو۔

تمام علماء اہل سنت کے نزدیک قرآن حکیم اسلامی قانون کا پہلا اور بنیادی سرچشمہ ہے۔ یہ تمام علوم و معارف پر محیط ہے لیکن اس میں بہت سے احکام مجمل ہیں اور ان کی تفصیل صرف حدیث یا سنت رسول اللہ ﷺ سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ حدیث یا سنت رسول اللہ ﷺ سے احکام قرآنی احکام کی شارح ہے اور وہ قرآن کے خلاف دین کے احکام یا اصول ہرگز تجویز نہیں کرتی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

○ قرآن کریم میں "اقامتِ صلوٰۃ" کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ صلوٰۃ سے کیا مراد ہے، اس کی اقامت کا کیا مطلب ہے۔ شرائط کیا ہیں، آداب کیا ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں سنت رسول اللہ ﷺ سے بتائی جاتی ہیں۔ اسی نے مساجد کی تعمیر، بخوفا اذان اور نماز باجماعت کا طریقہ۔ نماز کے اوقات، نماز کی ہیئت، اس کی رکعتیں، جمعہ اور عیدین کی مخصوص نمازیں ان کی عملی صورت اور دوسری بہت سی تفصیلات ہم کو بتائی ہیں۔

○ قرآن پاک میں حج کا حکم تو دیا گیا ہے لیکن مناسک حج، طواف سعی وغیرہ کی تفصیل نہیں بتائی گئی۔ یہ تفصیل ہمیں سنت رسول اللہ ﷺ سے ملتی ہے۔

○ قرآن مجید میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم جا بجا دیا گیا ہے لیکن اس کی مقدار، اس کی شرائط، وجوب کی مدت اور دوسری تفصیلات نہیں بتائی

گئیں۔ یہ صرف سُنَّتِ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔  
قرآن کریم نے طہارت کا حکم تو دیا لیکن لباس، جسم وغیرہ کی صفائی  
اور وضو کا طریقہ۔ ان سب کی تفصیل بیان نہیں کی۔ یہ ہیں سُنَّتِ رسول اللہ  
صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ میں ملتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ قرآن پاک نے کہیں صراحتاً، کہیں اشارتاً کہیں  
نہایت اختصار سے اور کہیں قدرے تفصیل سے مہماتِ دین اور اصولِ حیات  
انسانی کو بیان کیا ہے۔ باقی تفصیل و توضیح، ان کو نافذ کرنے اور عملی جامہ  
پہنانے بلکہ خود عملاً بار بار کر کے دکھانے کے لیے رسول پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ  
کو بھیجا اور ساتھ ہی حکم دیا کہ جو تم کو رسول دے اُسے لو اور جس چیز سے  
روکے اس سے رک جاؤ۔

گویا سُنَّتِ یا حدیثِ رسول کے بغیر اسلامی زندگی کا تصور بھی  
نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہیں بتایا ہے کہ رسول اللہ  
صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ عمل ہے  
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یہ احادیث  
ہی ہیں جو ہمیں اس نمونہ عمل کی تفصیلات بتاتی ہیں مثلاً آپ کے  
صبح سے شام تک کے معمولات، اخلاق، عبادات، معمولاتِ جہاد،  
معمولاتِ سفر، معمولاتِ نماز وغیرہ۔

احادیث میں بیان کی گئی، اخلاقِ نبوی کی تفصیلی جزئیات کے  
عنوانات ملاحظہ ہوں: —

حَسَنِ خُلُقٍ، حَسَنِ مَعَالِمَةٍ، رَاسِتِ كِفْتَارِي، عَدْلٍ وَاِنصَافٍ،  
جُودٍ وَاِسْحَابِ، اِيْتَارِ، شَرْمٍ وَاِحْيَا، عِلْمٍ وَاَتَحَمُّلِ، مَسَاوَاتِ،  
اِنكسَارِ وَاَوَاصِيحِ، زَهْدٍ وَاَقْنَاعَتِ، اِيْفَالِ عَهْدِ، اللّٰهِ بِرِكْبَرِ سَا،  
شَجَاعَتِ، عَزْمِ وَاِسْتِقْلَالِ، عِيَادَتِ، تَعَزُّبِيَّتِ، مَهَانِ نَوَازِي

غریبوں کی مدد، یتیموں اور یتیموں کی سرپرستی، نرم مزاجی، شیریں زبانی، بچوں پر شفقت، مستورات کے ساتھ برتاؤ، رحمت و محبت عام، لطف طبع، سادگی اور بے تکلفی، کفار اور مشرکین سے برتاؤ، دشمنوں کے حق میں دعائے خیر، عفو و درگزر اور بدترین دشمنوں سے حسن سلوک، اپنے ہاتھ سے کام کرنا، گداگری سے نفرت، صدقہ و خیرات سے پرہیز، دکھاوے سے اجتناب، رقیق القلبی، اولاد سے محبت، استقامت عمل، اہل خانہ سے حسن سلوک، یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، امانت و دیانت، صلہ رحمی، قناعت، استغناء ہمسایوں سے حسن سلوک، برائی کا بدلہ بھلائی، خدمتِ خلق،

خشیتِ الہی، غصے پر قابو پانا وغیرہ  
 صرف اخلاقِ نبوی ہی کی نہیں احادیث میں ان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی حالات اور معمولات کی بھی ذرا ذرا سی تفصیل بیان کی گئی ہے

چند عنوانات ملاحظہ ہوں: —

آپ کے کھانے پینے کا طریقہ، آپ کے سونے جاگنے کا طریقہ، آپ کے معاملات اور خرید و فروخت کا طریقہ، آپ کا انداز گفتگو، آپ کی خاموشی، آپ کا تبسم اور خندہ فرمانا، آپ کا گریہ، وضو کا طریقہ، تیمم کا طریقہ، موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ، حوائج ضروریہ کے آداب، طہارت اور غسل کا طریقہ، آپ کے نماز ادا کرنے کا طریقہ۔ آپ کا سجدہ سہوا ادا کرنے کا طریقہ، آپ کا نماز میں سلام پھرنے کا طریقہ، سفر و حضر، مسجد اور گھر میں آپ کے سنن و نوافل پڑھنے کا طریقہ، آپ کے تہجد پڑھنے کا طریقہ، رات کی نماز اور وتر پڑھنے کا طریقہ،

آپ کے قرآن پڑھنے کی کیفیت، آپ کے سجدہ شکر بجالانے  
 کا طریقہ، آپ کے سجدہ قرآن ادا کرنے کا طریقہ، آپ کے  
 قرآن پڑھنے اور سننے کا طریقہ، آپ کے جمعہ کے معمولات،  
 آپ کے جمعہ کے دن کی عبادت کا طریقہ، آپ کے خطبہ  
 دینے کا طریقہ، عیدین کی نماز میں آپ کا طریقہ، آپ کے  
 سفر کا طریقہ، سفر میں آپ کے نماز اور نوافل پڑھنے کا طریقہ،  
 آپ کے دو نمازوں کو اکٹھی پڑھنے کا طریقہ، بیماروں کی عبادت  
 کرنے میں آپ کا طریقہ، آپ کے تعزیت کرنے کا طریقہ، جنازہ  
 کے ساتھ آپ کے جانے کا طریقہ، جنازے کی نماز میں آپ کا  
 طریقہ، چھوٹے بچوں پر نماز جنازہ پڑھنے میں آپ کا معمول،  
 زیارت قبور میں آپ کا طریقہ، صلوٰۃ خوف میں آپ کا طریقہ،  
 عید الاضحیٰ میں آپ کے قربانی کرنے کا طریقہ، عقیقہ میں آپ  
 کا طریقہ۔ نومولود بچے کے کان میں آپ کے اذان دینے، اس  
 کا نام رکھنے اور اس کا ختنہ کرنے میں آپ کا طریقہ۔ گھر میں  
 داخلہ کے وقت آپ کا طریقہ، آپ کے کپڑا پہننے کا طریقہ،  
 آداب سفر میں آپ کے طریقے اور سفر میں دعاؤں کے پڑھنے  
 کا طریقہ۔ آداب طعام میں آپ کا طریقہ۔ کھانے سے پہلے  
 اور کھانے کے بعد آپ کے دعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ۔ غزوات  
 اور جہاد میں آپ کا طریقہ۔ قیدیوں کے ساتھ آپ کا سلوک،  
 آداب سلام میں آپ کا طریقہ، زکوٰۃ اور صدقات میں آپ کا  
 طریقہ، نیا چاند دیکھنے کے وقت آپ کے دعا فرمانے کا طریقہ،  
 روزہ میں آپ کا طریقہ۔ آپ کا رمضان المبارک میں زیادہ  
 عبادت کرنے کا طریقہ۔ سفر میں روزہ کے افطار کے بارے

میں آپ کا طریقہ۔ آپ کے اعتکاف کا طریقہ۔ آپ کے حج کی کیفیت اور آپ کا حج میں اپنے دست مبارک سے قربانی کرنے کا طریقہ۔ آپ کا حج میں سر منڈانے کا طریقہ۔ ایام حج میں آپ کے خطبوں کا طریقہ۔ اصلاح اور خط بنوانے میں آپ کا طریقہ، مونچھوں کے رکھنے اور ترشولنے میں آپ کا طریقہ۔ آپ کی چاشت کی نماز کا طریقہ۔ بیت الخلاء جلنے اور وہاں سے واپس آنے کا طریقہ۔ نکاح کی دعاؤں کے متعلق آپ کا طریقہ۔ صلح کرنے، امان دینے، جزیہ مقرر کرنے، کفار، منافقین اور اہل کتاب کے ساتھ معاملات کرنے میں آپ کا طریقہ وغیرہ وغیرہ۔

حدیث کی تین بنیادی اقسام (قولی، فعلی، اور تقریری) کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول یا فعل منشاء الہی کے تابع ہوتا تھا اور لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے زبان رسالت سے ادا ہونے والا ہر لفظ وحی الہی کے مطابق ہوتا تھا جیسا کہ سورہ النجم میں ارشاد ہوا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ  
یعنی وہ (نبی) اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا۔ یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

قرآن کریم اور احادیث نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی دو قسم کی تھی۔ پہلی قسم کی وحی کو وحی متلو (یعنی تلاوت کی جانے والی وحی) کہا جاتا ہے۔ یہ وحی قرآن حکیم کی صورت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی اور صرف قرآن کریم کی آیات پر مشتمل ہے۔ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ اسی وحی کے ذریعے نازل ہوا۔ یہ اللہ جل شانہ کے الفاظ اور معانی

دونوں کا مجموعہ ہے۔

وحی کی دوسری قسم کو وحی غیر متلو (تلاوت نہ کی جانے والی وحی) کہا جاتا ہے۔ یہ وحی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر روزِ مَرہ پیش آنے والے واقعات کے بارے میں رضائے الہی کے تعین کے لیے نازل ہوتی تھی۔ اس کے ذریعے قرآن حکیم میں بیان کردہ اصول و احکام کی تفصیل ان کی صحیح تشریح اور تعبیر بھی سمجھائی جاتی تھی۔ یہ وحی لوگوں تک لفظ بہ لفظ نہیں پہنچانی گئی بلکہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و افعال کے ذریعے ظاہر کیا گیا۔ اسی کا نام حدیث یا سُنَّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کی حجیت ہر اعتبار سے ثابت ہے۔ اس لیے اس کا اتباع بھی ہر مسلمان پر لازم ہے۔

یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو حدیث صحیح اور حدیث ضعیف کہا جاتا ہے اس سے سند صحیح اور سند ضعیف مراد ہوتی ہے۔ ورنہ کوئی حدیث بحیثیت حدیث ضعیف ہو ہی نہیں سکتی۔ احادیث کی جانچ پڑتال اور ان کی اقسام اور درجے متعین کرنے کے لیے اسماء الرجال اور حرج و تعدیل کے فن معروض وجود میں آئے۔ ان کی تفصیل آئندہ صفحات میں مناسب مقام پر آئے گی۔

جس طرح رحمت عالم خیر البشر خاتم الانبیاء والمرسلین جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمام کمالات و صفات کی جامع اور ہر اعتبار سے انسانیت کی محسن، ہادی اور رہنما ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سیرت و کردار میں آپ ہی کے انوارِ سیرت کا پرتو نظر آتا ہے۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آسمان ہدایت کے درخشندہ ستاروں میں سے ایک ہیں اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے سب سے بڑے راوی ہیں۔ ان کے مقام و مرتبہ کے تفصیلی ذکر کے لیے کتاب میں ایک الگ باب مخصوص کیا گیا ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ بعض بر خود غلط لوگ اُمّتِ مسلمہ کی اس جلیل القدر شخصیت پر طرح طرح کے اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب اعتراضات لایعنی اور بلا جواز ہیں۔ تاہم میں نے چند بڑے بڑے اعتراضات کا جواب کتاب میں دے دیے اور باقی کو نظر انداز کر دیا ہے کہ ان کا جواب دینا محض تضييع اوقات کے مترادف ہے۔

اگر اس کتاب کی تالیف کسی درجے میں بھی نیکی ہے تو قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ بارگاہِ رب العزت بصد عجز و الحاح دعا کریں کہ وہ اس کا ثواب نہ صرف مؤلف کے نامہ اعمال میں بلکہ اس کے والدین اور دنیا سے رخصت ہو جانے والے دوسرے لواحقین کے نامہ ہائے اعمال میں بھی ثبت فرمائے۔ آمین ثم آمین

راجی غفران و شفاعت  
احقر العباد طالب الہاشمی

۱۱۸۔ ڈی/ رصوان بلاک  
اعوان ٹاؤن، ملتان روڈ لاہور



## نام و نسب

**نام** | زمانہ جاہلیت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصل نام کیا تھا؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ کسی روایت میں ان کا نام عبد شمس (عبد شمس) آیا ہے، کسی میں عبد نہم کسی میں عبد غنم، کسی میں عبد اللہ اور کسی میں عمیر آیا ہے۔ بعض نے کچھ اور نام بھی لیے ہیں لیکن قول راجح کے مطابق ان کا خاندانی نام عبد شمس (عبد شمس) تھا۔ قبول اسلام کے چند سال بعد جب وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جاہلی نام بدل کر اسلامی نام عبد الرحمن رکھا۔ بعض روایتوں میں ان کا اسلامی نام عمیر اور عبد اللہ بھی بتایا گیا ہے، لیکن انہوں نے اپنی کنیت ”ابوہریرہ“ سے شہرت پائی اور ان کا اصل نام نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ کنیت ”ابوہریرہ“ پر سب کا اتفاق ہے۔

**سلسلہ نسب** | طبقات ابن سعد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

ابوہریرہ عبد الرحمن (عمیر - عبد اللہ) بن عامر بن عبد ذی الشریٰ بن طریف بن غیاث بن ہنیہ بن سعد بن ثعلبہ بن سلیم بن نہم بن غنم بن دوس۔ (طبقات ابن سعد ج ۴ ق ۲ - ص ۵۲)

ابن اثیر نے خلیفہ بن خیاط اور ہشام بن کلبی کے حوالے سے ان کا شجرہ نسب یوں بیان کیا ہے :

عمیر بن عامر بن عبد ذی الشریٰ بن طریف بن عتاب بن ابو ضعب بن منبہ بن سعد بن ثعلبہ بن سلیم بن نہم بن غنم



بن دؤس۔ (اُسد الغابہ ترجمہ حضرت ابوہریرہ)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض ناموں میں تصحیف ہو گئی ہے۔

ایک روایت میں ان کے والد کا نام عبد عمرو بن عبد غنم آیا ہے اور ایک میں صخر۔ ایک اور روایت میں عبد عمرو بن غنم بھی بیان کیا گیا ہے۔ لیکن جمہور ارباب سیر نے عامر بن عبد ذی الشریٰ کو ترجیح دی ہے۔

والدہ کا نام امیمہ یا میمونہ بنت صبح بن حارث تھا۔ طبقات ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی والدہ کا نام امیمہ بتایا ہے۔ یہ روایت اس طرح ہے :

و ایک دفعہ (امیر المؤمنین) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

(اپنے عہدِ خلافت میں) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (کسی جگہ کا) امیر بنانا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، آپ امارت کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ یوسف علیہ السلام نے جو آپ سے بہتر تھے، اس کے لیے اپنی خواہش ظاہر کی تھی۔

یہ سن کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، یوسف

علیہ السلام نبی ابن نبی تھے اور میں امیمہ کا بیٹا ابوہریرہ ہوں۔ میں پانچ باتوں کی وجہ سے امیر بننا پسند نہیں کرنا اور عہدہ امارت سے ڈرتا ہوں، وہ پانچ باتیں یہ ہیں :

- (۱) میں علم کے بغیر کوئی بات نہیں کہنا چاہتا۔
- (۲) عقل و دانش کے بغیر فیصلہ صادر نہیں کر سکتا۔
- (۳) میں ڈرتا ہوں کہ مجھے پیٹا جائے گا۔
- (۴) مجھے ڈر ہے کہ مجھ سے مال چھینا جائے گا۔
- (۵) مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ مجھے برا بھلا کہیں گے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۱)

حافظ ابن کثیر نے ”البدایہ والنہایہ“ میں حضرت ابوہریرہؓ کا انکار اور اس کی توجیہ کو یوں بیان کیا ہے : —————

” حضرت یوسف علیہ السلام تو خود نبی تھے اور نبی کے بیٹے تھے۔ میں اُمیئمہ کا بیٹا ابوہریرہ ہوں۔ میں یہ عہدہ قبول نہیں کر سکتا..... میں دو اور تین سے ڈرتا ہوں“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : —————

” دو اور تین کا کیا مطلب ہے پانچ کیوں نہیں کہا؟“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا :

” دو چیزیں یہ ہیں کہ ہمیں لاعلمی اور نادانانہ اقصیت کی بنا پر کوئی بات کروں یا بغیر غور و فکر کے کوئی فیصلہ کروں، تین چیزیں یہ ہیں کہ میری پیٹھ پر کوڑے پڑیں، میرا مال ضبط کر لیا جائے یا مجھے رسوا کیا جائے۔“

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۱)

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہد فاروقی میں کم و بیش ایک سال تک بحرین کے امیر (گورنر) رہے۔ انکار کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو دوبارہ بحرین کی امارت پر فائز کرنا چاہا۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں مناسب مقام پر آئے گی۔

حافظ ابن حجر نے حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کا نام میمونہ بتایا ہے (الاصابہ ج ۴ ص ۴۱۴) لیکن جب وہ خود اپنی والدہ کا نام اُمیئمہ بتاتے ہیں تو پھر اسی کو صحیح سمجھنا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسبی تعلق  
خاندان / قبیلہ | قبیلہ دوس سے تھا۔

مشہور عرب مؤرخ علامہ محمد احمد باشمیل کے قول کے مطابق دوس

کا نام متعدد قحطانی اور عدنانی قبائل پر بولا جاتا ہے۔ (غزوة تبوک از محمد شہید)  
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق جس دوس سے تھا۔ وہ مشہور  
عرب قبیلے ”ازد“ کی ایک شاخ تھا اور اس نے اپنے مورث اعلیٰ دوس  
کے نام کی نسبت سے شہرت پائی۔ علامہ ابن اثیر نے اس دوس کا سلسلہ  
نسب اس طرح بیان کیا ہے:

» دوس بن عدنان بن عبد اللہ بن زہران بن کعب بن حارث بن

کعب بن مالک بن نصر بن ازد۔ (أسد الغابہ ترجمہ حضرت ابوہریرہ)

عام طور پر مؤرخین نے قبیلہ ازد کو قحطانی بتایا ہے لیکن علامہ سید سلیمان ندوی  
نے ارض القرآن (جلد دوم) اور مولانا سعید انصاری مرحوم نے سیر النصار (جلد اول)  
میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ”ازد“ عدنانی یا اسمعیلی قبیلہ تھا جو کسی نامعلوم زمانے

۱۔ سام بن نوح کے دو سر بیٹے ارفخشذ تھے۔ ان کی نسل سے قحطان ہوئے۔ قحطان کے  
بیٹے یعرب، یعرب کے بیٹے یثجب اور یثجب کے بیٹے سبائے۔ یہی سبائے قحطانی  
قبائل کے مورث اعلیٰ ہیں۔ ان قبائل کو ”عرب عاربة“ کہا جاتا ہے۔ عرب باندہ، جنہوں  
نے طوفان نوح کے بعد عرب پر حکومت کی، جب اپنے کفر و شرک اور بدکرداری کی وجہ سے  
تباہ ہو گئے تو عرب عاربة یا قحطانی قبائل نے عرب پر حکومت کی۔

یہ قبائل یمن اور اس کے قریب جوار میں آباد تھے۔ یمن کے مشہور بند ”سد مارب“ کے  
ٹوٹنے کے بعد ان میں سے بعض قبائل یمن سے نکل کر جزیرہ العرب کے دوسرے حصوں  
میں بھی آباد ہو گئے۔ علامہ عدنانی قبائل کے مورث اعلیٰ عدنان ہیں جو حضرت اسمعیل علیہ السلام  
بن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ ان قبائل کو ”عرب مستعربہ“ کہا جاتا ہے۔ عدنانی  
اور قحطانی سبھی قبائل کا سلسلہ نسب ارفخشذ بن سام بن نوح پر جا کر مل جاتا ہے۔ عدنانی قبیلے  
حجاز، نجد اور شمالی عرب کے علاقوں میں آباد ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ  
قریش بھی عدنانی قبیلہ تھا۔

میں یمن جا کر آباد ہو گیا تھا۔ یمن میں جب وہ مشہور سیلاب آیا جسے قرآن حکیم میں ”سبیلِ عرم“ کہا گیا ہے، اس سے کچھ پہلے یا کچھ عرصہ بعد قبیلہ ازد اور اس کے بہت سے بطن یمن سے نکل کر شام، عراق، نجد، عمان، بحرین اور عرب کے دوسرے مختلف مقامات پر آباد ہو گئے۔“ دونوں حضرات نے اپنے موقف کے حق میں بہت سے دلائل دیے ہیں۔ اگر قبیلہ ازد کو عدنانی یا اسمعیلی تسلیم کیا جائے تو پھر قبیلہ دوس کو بھی عدنانی یا اسمعیلی ماننا پڑے گا۔

عام روایات کے مطابق بنو دوس یمن کے ایک گوشے میں آباد تھے۔ یہ گوشہ ایک پہاڑ کے دامن میں تھا۔ علامہ محمد احمد باشمیل کا بیان ہے کہ بنو دوس کے مساکن تہامہ یمن کے نزدیک جبال السراة میں تھے۔ جبال السراة اس پہاڑی سلسلے کو کہتے ہیں جو جزیرہ نما عرب کے مغربی رخ پر شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ سلسلہ کوہ جزیرہ نما کو شمال سے جنوب تک اور کچھ جنوب مشرق سے گھیرے ہوئے ہے۔ شمال میں اس کا رشتہ شام و فلسطین کے پہاڑوں سے جا ملتا ہے اس میں منتہائے شمال سے وسط کے بعد تک کے حصے کو جبال الحجاز اور اس کے جنوب کے حصوں کو جبال العسیر اور جبال الیمین کہتے ہیں۔ جبال السراة

لہ جزیرہ نما عرب میں مکہ کے جنوب سے تہامہ حجاز (یعنی وہ میدانی علاقہ جو حجاز کے کوہستانی خطے کے مغربی جانب ساحل سمندر تک پھیلا ہوا ہے) بہت تنگ ہو گیا ہے اور سراة کے پہاڑ سمندر کے بہت قریب آگئے ہیں۔ یہاں حجاز کا منطقہ ختم ہو جاتا ہے اور عسیر کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ علاقہ سعودی مملکت کا جنوب مغربی صوبہ ہے۔ اسی صوبے کے نام کی نسبت سے اس کے ساحلی پہاڑوں کو جبال العسیر کہا جاتا ہے۔

لہ عسیر کے جنوب میں جبال السراة کے منطقہ کو یمن کہا جاتا ہے۔ یہ بڑا شاداب (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے جو جنوبی حصے جبال الیمین کہلاتے ہیں وہ نصف شمالی حصے میں زیادہ بلند اور نصف جنوبی حصے میں نسبتاً کم بلند ہیں۔ یہ پہاڑ جو جزیرہ نما کے عرب کے جنوب مغربی گوشے تک چلے گئے ہیں، ان کے مغربی جانب ایک تنگ ساحل ہے جو تہامہ یمن کہلاتا ہے۔ اسی تہامہ یمن کے قریب سلسلہ ”جبال الیمین“ کے کسی پہاڑ کے دامن میں بنو دوس کی سکونت تھی۔

بعض علماء نے یہ قیاس ظاہر کیا ہے کہ قبیلہ دوس کی سکونت ”تبالہ“ کے قریب جوار میں تھی۔ اس قیاس کی بنیاد صحیح بخاری کی یہ روایت ہے کہ ”ذوالمخلفہ“ قبیلہ دوس کا ایک بت تھا اور مستدر احمد کی روایت کے مطابق یہ بت ”تبالہ“ میں نصب تھا۔

”تبالہ“ مکہ مکرمہ سے طائف جانے والے راستہ پر ایک بستی تھی جو طائف کے جنوب میں واقع تھی۔ اگر بنو دوس کے مسکن تبالہ کے قریب و جوار میں تسلیم کیے جائیں تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ حدود حجاز کے اندر آباد تھے جبکہ جمہور مؤرخین کے قول کے مطابق وہ یمن کے ایک گوشے میں آباد تھے۔ اس سلسلے میں یہ امور بھی پیش نظر رکھنے ہوں گے۔

(۱) بنو دوس کے خاص بت ذوالشری اور ذوالکفین تھے۔ (ابن القوام جلد ۱۰م)  
 (۲) ”ذوالمخلفہ“ جس کا حقیقی (وہ رقبہ جو کسی دیوتا کے لیے مخصوص ہو) تبالہ میں تھا، قبائل خثعم اور بجیلہ کا خاص بت تھا۔ ان دونوں قبائل کے بیشتر مسکن یمن میں تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی قبیلے کا اپنے بت کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

علاقہ ہے اور اب ایک آنا د مملکت ہے۔ یہاں جبال الشراۃ کے پہاڑ جبال الیمین کہلاتے ہیں۔ یہ پہاڑ اپنے تمام علاقوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ بلند ہیں۔ ان میں سے بعض پہاڑوں کی چوٹیاں تیرہ چودہ ہزار فٹ تک بلند ہیں۔

حجی کے قرب و جوار میں آباد ہونا ضروری نہیں تھا۔ (ارض القرآن جلد دوم)  
 (۳) ہو سکتا ہے کہ دوس نام کا کوئی قبیلہ ذوالمخلصہ کو بھی پوجتا ہو (جیسا  
 کہ علامہ محمد احمد باشمیل نے لکھا ہے کہ دوس کا نام متعدد قحطانی اور عدنانی  
 قبائل پر بولا جاتا تھا) اور یہ بھی بعید از قیاس نہیں کہ بنو دوس کا کوئی  
 بطن یا اس نام کا کوئی قبیلہ تبالہ کے قرب و جوار میں بھی آباد ہو لیکن امام بخاری  
 یا کسی دوسرے محدث / مؤرخ نے اس کی تصریح نہیں کی اس لیے لامحالہ  
 جمہور مؤرخین کے اسی بیان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جس "دوس" سے حضرت  
 ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق تھا وہ بن کے ایک گوشے میں آباد تھا۔

(واللہ اعلم بالصواب)

حضرت "ابوہریرہ" کی کنیت | **کنیت "ابوہریرہ" کی وجہ تسمیہ**  
 پر جمہور ارباب سیر کا اتفاق

ہے۔ اس کا مطلب ہے "بلی والا" اس کنیت کی وجہ تسمیہ کے بارے میں  
 مختلف روایات ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں : —

حضرت عبداللہ بن رافعؓ نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 سے پوچھا کہ آپ کو ابوہریرہ کیوں کہا جاتا ہے ؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں  
 نے ایک بلی پال رکھی تھی۔ بات کو میں اس بلی کو ایک درخت کی کھوہ میں رکھ  
 دیتا تھا۔ دن کو جب میں بکریاں چرانے جاتا تو اس کو ساتھ لے لیتا اور فرصت  
 کے وقت اس سے کھیلا کرتا تھا۔ لوگوں نے بلی سے میرا غیر معمولی لگاؤ دیکھ کر  
 مجھ کو ابوہریرہ کہنا شروع کر دیا۔

(جامع ترمذی مناقب ابوہریرہؓ و طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۵۵۱۔ الأصابہ جلد ۲ ص ۲۰۲)  
 حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھے جنگلی بلی کا ایک بچہ ملا، میں اس کو اپنی  
 آستین (یا گود) میں رکھ کر گھر لایا، میرے گھر کے افراد (بروایت دیگر میرے والد)  
 نے پوچھا، تمہاری آستین (یا گود) میں کیا ہے ؟ میں نے کہا، یہ بلی کا بچہ

ہے جو مجھے ملا ہے۔ انہوں نے کہا، تم ابوہریرہ ہو۔ اس کے بعد میرا یہ نام پڑ گیا۔

(دفاع عن ابی ہریرہ بحوالہ مستدرک حاکم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا کہ آپ کی یہ کنیت کس نے تجویز کی؟ کہنے لگے ایک دفعہ مجھے ایک بتی مل گئی تھی جس کو میں نے اپنی آستین میں رکھ لیا۔ اسی وقت سے مجھے ابوہریرہ کہا جانے لگا۔

(حضرت ابوہریرہ از محمد عجاج الخطیب)

اسی طرح کی روایتیں اور بھی بہت سی کتابوں میں ملتی ہیں (الاستیعاب، جمہرة انساب العرب، تاریخ ابن خلدون، نہایت الارب وغیرہ) ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچپن ہی میں (قبول اسلام سے پہلے) اپنی کنیت سے مشہور ہو گئے تھے۔ یہ کنیت زندگی بھر ان کے نام پر غالب رہی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو ابوہریرا ابوہریرہ کہا کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابوہریرہ کہلانا زیادہ پسند تھا کیونکہ ”ہر“ کا مطلب پلا ہوتا ہے اور وہ کہتے تھے کہ نر مادہ سے افضل ہوتا ہے اور مجھے نر کی نسبت سے اپنی کنیت زیادہ عزیز ہے۔ تاہم زبانِ خلق پر وہ ”ابوہریرہ“ ہی سے مشہور رہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت نبویؐ سے تقریباً چوبیس برس پہلے اپنے وطن میں پیدا ہوئے۔

## ولادت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے وطن ہی میں پلے بٹھے اور اپنی زندگی کا پہلا

## بچپن سے جوانی تک

تیس سالہ دور وہیں گزارا۔ وہ بچپن ہی میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے اور ان کی والدہ نے نہایت عسرت و افلاس کے عالم میں ان کی پرورش کی۔ اہل سیرنے

ان کے بچپن کے حالات بہت کم بیان کیے ہیں۔ صرف یہ معلوم ہے کہ وہ اپنے وطن میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ روزانہ بکریاں جنگل میں لے جاتے اور شام تک انہیں چراتے رہتے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانے میں انہوں نے لکھنے پڑھنے میں کچھ شد بد پیدا کر لی تھی اور کبھی کوئی شعر بھی موزوں کر لیتے تھے۔ اگرچہ وطن میں ان کی زندگی کا بیشتر حصہ افلاس کی حالت میں گزرا لیکن سلسلہ ہجری کے اواخر میں جب انہوں نے اپنے قبیلے کے ہمراہ وطن سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ ایک غلام رکھ سکیں۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔





# قبیلہ ذوس کے اولین مسلمان

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کے دوسرے قبائل کی طرح بنو ذوس بھی کفر و شرک کی دلدل میں گلے گلے تک دھنسنے ہوئے تھے مختلف روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذوالشترامی، ذوالکفین اور ذوالمخلصہ نام کے بتوں کی پرستش کرتے تھے، ان کے سامنے نذریں پیش کرتے تھے اور ان سے مرادیں مانگتے تھے۔ زمین کی شادابی اور پانی کی فراوانی کی وجہ سے وہ بالعموم آسودہ حال تھے تاہم ان میں غریب لوگ بھی موجود تھے جن کا ذریعہ معاش بکریاں پالنا اور چرانا تھا۔ کفر و شرک کے علاوہ ان میں بہت سی اخلاقی برائیاں بھی پائی جاتی تھیں۔ ان میں سے بدکاری و حرام خوری، کم تولنے اور کم ناپنے جیسی برائیاں بہت نمایاں تھیں۔ سیاسی اعتبار سے ذوس ایک طاقتور قبیلہ تھا اور اس کے پاس ایک مضبوط قلعہ تھا جس کے ارد گرد بلند پہاڑ تھے۔ کسی دشمن کا اس پر حملہ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔

## حضرت معقیب بن ابی فاطمہ الذوسی

بنو ذوس کے اولین مسلمانوں میں سب سے پہلا نام حضرت معقیب بن ابی فاطمہ الذوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ وہ زمانہ مجاہدیت ہی میں اپنے وطن سے مکہ آگئے تھے اور قریش کی شاخ بنی عبد شمس کے حلیف بن کر مکہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد وہ اپنے وطن واپس چلے گئے تھے اور دوسری روایت کے مطابق دوسری ہجرتِ حبشہ (سنہ بعد بعثت)

میں یہ بھی شامل تھے۔ (الإصابہ والاستیعاب ترجمہ حضرت معقیبؓ)  
 غزوہ خیبر (محرم ۶۲۷ ہجری) کے بعد مدینہ واپس آئے اور پھر تمام  
 غزوات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ عہد نبوی میں خاتم  
 رسالت انہی کے پاس رہا کرتی تھی۔ شیخینؒ کے عہد میں صیفہ مالیات کے افسر  
 اور بیت المال کے خازن رہے۔ وہ جذام کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ حضرت  
 عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اچھے اچھے طبیبوں سے ان کا علاج کرایا۔ اس  
 سے مرض زائل تو نہ ہوا البتہ ہلکے بڑھنے سے رک گیا۔  
 حضرت معقیبؓ نے حضرت عثمان ذوالنورین کے عہد خلافت کے  
 آخر میں وفات پائی۔ ان سے متعدد احادیث مروی ہیں۔

## حضرت اُمّ شریک دوسیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کا شمار جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ نام و نسب کسی نے بیان  
 نہیں کیا، صرف اتنا معلوم ہے کہ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتی تھیں اور بعثت  
 نبوی کے وقت اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ مستقلاً مکہ میں مقیم تھیں۔ اللہ تعالیٰ  
 نے انہیں فطرت سعید سے نوازا تھا۔ دعوت توحید کے آغاز ہی میں مشرف بہ اسلام  
 ہو گئیں۔ ان کے مشرک اہل خاندان کو معلوم ہوا تو وہ سخت غضبناک ہوئے اور  
 انہوں نے اُمّ شریکؓ کو دھوپ میں کھڑا کر دیا۔ وہ اس حالت میں ان کو روٹی  
 کے ساتھ شہد کھلاتے تھے لیکن پانی نہیں پلاتے تھے۔ تین دن تک وہ ان سے  
 یہی سلوک کرتے رہے۔ اس کے بعد مشرکین نے حضرت اُمّ شریکؓ سے کہا  
 کہ جو دین تم نے اختیار کیا ہے اس کو چھوڑ دو۔

انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ مشرکین نے تنگ آکر انہیں چھوڑ دیا اب  
 وہ قریش کی عورتوں میں بھی پوشیدہ طور پر اسلام کی تبلیغ کرنے لگیں مشرکین قریش  
 کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو اپنے قبیلے میں بھیج دیا۔ حضرت اُمّ شریکؓ

کو رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے بے حد عقیدت تھی۔ ہجرت نبوی کے کچھ عرصہ بعد وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔ "سُننِ نَسائی" میں ہے کہ وہ بڑی متمول اور فیاض خاتون تھیں اور ان کا دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ انہوں نے اپنے مکان کو مہمان خانہ نام بنا دیا تھا۔ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے پاس باہر سے جو مہمان آتے تھے بسا اوقات وہ حضرت اُمّ شریک رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے مکان میں قیام کرتے تھے (ایک روایت کے مطابق وہ مکہ میں خاصی آسودہ حال تھیں اور دعوتِ توحید کے ابتدائی پُر آشوب زمانے میں نو مسلموں کی کفالت کیا کرتی تھیں)۔

وہ طبقات ابن سعد میں ہے کہ سلسلہ ہجری میں حضرت فاطمہ بنت قیس کو ان کے شوہر حضرت ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ نے طلاق دی تو رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے انہیں حکم دیا کہ عدت کا زمانہ اُمّ شریک کے ہاں گزارو لیکن پھر آپ نے فرمایا کہ اُمّ شریک کے گھر اکثر مہانوں کی آمد و رفت رہتی ہے اور ان کے اعزہ و اقارب بھی ان کے ساتھ رہتے ہیں اس لیے وہاں پردہ کا اہتمام نہ ہو سکے گا لہذا تم عدت کا زمانہ اپنے نابینا چچا زاد بھائی ابن اُمّ مکتوم کے ہاں گزارو۔

حضرت اُمّ شریک کے مزید حالات کُتُبِ سیر میں نہیں ملتے۔

## حضرت طفیل بن عمرو دوسی

حضرت طفیل بن عمرو رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بنو دوس کے وہ فرزند سعید بن جن کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں قبیلہ دوس حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ وہ اپنے قبیلے کے رؤسا اور اشراف میں سے تھے اور ایک خوش گو شاعر بھی تھے۔ امام ابن اسحاق اور علامہ ابن سعد نے ان کے اسلام لانے کا قصہ خود ان کی روایت سے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ دوسرے سیرت نگاروں نے بھی یہ قصہ کچھ اضافوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ :  
 دو میں قبیلہ دوس کا ایک شاعر تھا۔ اپنے کسی کام سے مکہ گیا۔ جو وہی میں  
 نے مکہ میں قدم رکھا، قریش کے آدمی آ کر مجھ سے ملنے لگے۔ جو آتا مجھے  
 یہ بتاتا کہ تم ہمارے شہر میں مہمان بن کر آئے ہو اس لیے ہم تمہیں آگاہ  
 کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں ہم میں سے ایک شخص محمد بن عبد اللہ نے ایک  
 نیا دین نکالا ہے۔ اس نے ہماری جمعیت پر اگندہ کر دی ہے۔ اس کی  
 باتیں جادو کا اثر رکھتی ہیں۔ ان باتوں نے بھائی کو بھائی سے، والدین  
 کو اولاد سے اور شوہر کو بیوی سے جدا کر دیا ہے۔ غرض اس شخص نے ہمارا  
 قومی شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ ہمارا دوستانہ مشورہ ہے کہ اس شخص سے  
 ہرگز نہ ملنا اور نہ اس کی باتیں سننا۔ میں ان لوگوں کی باتیں سن سن کر  
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت بدگمان ہو گیا اور میں نے پختہ ارادہ کر  
 لیا کہ آپ سے بچ کر رہوں گا۔ پھر میں نے اپنے کانوں میں روٹی ٹھونس  
 لی تاکہ اگر اتفاقاً کہیں آپ سے ملاقات ہو جائے تو آپ کی کوئی بات  
 نہ سن سکوں۔

دوسرے دن میں نے حرم میں حاضری دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 کو کعبہ کے نزدیک نماز پڑھتے دیکھا۔ میرے کانوں میں چند جملے جو پڑھے

۱۔ اس نے میں شاعر ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ فادرا کلام شعرا اپنے قبیلوں میں بہت اثر و رسوخ  
 رکھتے تھے اور جبر چاہتے تھے، اپنے قبیلوں کو اپنی مطلق تسلط سے ماٹل کر لیتے تھے۔  
 بعض ارباب میر نے لکھا ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرب کے فحول شعراء  
 میں شمار ہوتے تھے۔

۲۔ ظاہر ہے یہ جملے قرآن حکیم کی آیات تھیں۔ اگرچہ حضرت طفیل نے اپنے کانوں میں روٹی  
 ٹھونس رکھی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کو انہیں یہ آیات سنانا منظور تھا اس لیے ہو سکتا ہے کہ وہ اس  
 (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ تو بڑا اچھا کلام ہے — میں شاعر ہوں، جوان مرد ہوں، صاحبِ فہم و ذکاؤں ہوں، نیک و بد میں بخوبی تمیز کر سکتا ہوں آخر کیوں نہ اس شخص سے مل کر اس کی باتیں سنوں کہ یہ کیا کہتا ہے۔ چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو میں آپ کے پیچھے ہو گیا۔ آپ کے مکان پر پہنچ کر میں نے عرض کیا، اے محمد! آپ کی قوم نے مجھے آپ سے اس قدر بدگمان کر دیا تھا کہ میں نے اپنے کانوں میں روٹی ٹھونس لی تھی تاکہ آپ کی کوئی بات میرے کانوں میں نہ پڑنے پائے لیکن تھوڑی دیر پہلے میں نے جو چند جملے آپ کی زبان سے سنے وہ مجھے اچھے معلوم ہوئے۔ آپ مجھے ذرا کھول کر بتائیے کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کا ایک حصہ پڑھ کر سنایا۔ یہ میں اس سے اس قدر متاثر ہوا کہ اسی وقت ایمان لے آیا۔

قبولِ اسلام کے بعد میں گھر واپس گیا تو میرے بوڑھے والد مجھ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وقت کانوں میں پنبہ رکھنا بھول گئے ہوں یا پنبہ اتفاقاً ان کے کانوں سے نکل گیا ہو گیا

ظہر تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ

ابو الفرج اصفہانی نے ابنِ کلبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر سورہٴ اخلاص اور معوذتین کی تلاوت فرمائی۔ دوسرے اربابِ سیر نے اس کے بارے میں کچھ نہیں لکھا اس لیے وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ پاک کے کون سے حصے کی تلاوت فرمائی۔

۱۰ ایک روایت میں ہے کہ مکہ سے چلتے وقت حضرت طفیل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ملنے آئے تو میں نے ان سے کہا کہ میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہوں نے پوچھا، بیٹے کیا ہوا؟ میں نے کہا، میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ انہوں نے کہا، بیٹا جو تیرا دین وہی میرا دین۔ میں نے کہا، آپ غسل کر کے پاک کپڑے پہنیے، پھر میرے پاس آئیے تاکہ میں آپ کو اس

### (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ مجھے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینے کی اجازت دیں۔ آپ نے اجازت دے دی تو حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کوئی ایسی نشانی عطا فرمائے کہ دعوت کا کام میرے لیے آسان ہو جائے۔ اس پر حضور نے دعا کی، الہی اس کو کوئی نشانی عطا فرما۔ اس کے بعد حضرت طفیل اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ طویل سفر کے بعد جب اپنی بستی کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور ساری وادی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ راستہ دو پہاڑوں کے بیچوں بیچ بلندی سے نشیب کی طرف بستی میں جاتا تھا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ناہموار پہاڑی راستے پر اونٹ کو نیچے کی طرف لے جانا بڑا کٹھن کام تھا۔ اس وقت یکایک حضرت طفیل کا چہرہ مایہ نایاب کی طرح روشن ہو گیا جس سے ارد گرد کی فضا منور ہو گئی۔ اب حضرت طفیل نے بڑے تضرع کے ساتھ دعا کی، الہی چہرے پر نہیں کسی اور جگہ اس نشانی کو منتقل فرما دے۔ ان کی دعا فوراً دراجابت پہنچ گئی اور روشنی اس کوڑے میں منتقل ہو گئی جو ان کے ہاتھ میں تھا۔ اب راستہ اترتے وقت ان کا کوڑا مشعل کا کام دے رہا تھا۔ اس کی روشنی میں وہ آسانی کے ساتھ اپنی بستی میں اتر آئے اور پھر اپنے گھر پہنچ گئے۔ اسی واقعہ کی بناء پر بعض سیرت نگاروں نے انہیں "ذوالنور" کے لقب سے یاد کیا ہے۔ (الاشیاع، الاصابہ، تاریخ ابن عساکر، کنز العمال، حیاة الصحابہ)

دین کی تعلیم دوں جو میں سیکھ کر آیا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔

پھر میری بیوی آئی، میں نے اس سے بھی وہی بات کہی جو اپنے والد سے کہی تھی، اس نے کہا میں قربان جاؤں، یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا، اسلام نے میرے اور تمہارے درمیان افتراق کی خلیج حائل کر دی ہے اور میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا پیرو ہو گیا ہوں۔ بیوی نے کہا، میں بھی تمہارا دین اختیار کرنا چاہتی ہوں تم مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔ میں نے کہا، ذوالشہری (قبیلہ دوس کا بت) کے رجمی میں جا، وہاں پہاڑ سے گرنے والے پانی سے غسل کر اور پاک کپڑے پہن۔ میری بیوی نے کہا، ذوالشہری سے ہمارے بچوں کو تو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی؟ میں نے کہا، نہیں میں اس کا ذمہ لیتا ہوں وہ گئی اور غسل کر کے آگئی میں نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا تو وہ مسلمان ہو گئیں۔ پھر میں نے اپنے قبیلے کو حق کی طرف بلانا شروع کیا مگر دوس کے لوگوں نے دعوتِ حق قبول کرنے سے گریز کیا۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پھر مکہ واپس گیا اور عرض کیا کہ بنو دوس غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، ان کی یہ غفلت میری تبلیغ کے راستے میں حائل ہو رہی ہے۔ آپ ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا فرمائی:

لے ایک روایت میں ہے کہ حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ بھی اسی موقع پر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئی تھیں لیکن ایک اور روایت میں ہے کہ وہ کافر ہی رہیں۔ واللہ اعلم بالصواب لے ایک روایت میں ہے کہ حضرت طفیل نے درخواست کی کہ میری ماں ہجرتِ قوم کے لیے بددعا کریں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحیمی نے بددعا دینا پسند نہ کیا اس کے بجائے آپ نے ان کے لیے ہدایت کی دعا کی۔

اللَّهُمَّ اهْدِ دَوْسًا (اے اللہ دوس کو ہدایت دے) اور مجھے نصیحت فرمائی کہ جا کر ان میں پھر تبلیغ کرو اور ان سے نرمی اور آشتی کا برتاؤ کرو۔ چنانچہ میں دوس کو برابر اسلام کی طرف بلاتا رہا یہاں تک کہ غزوہ خیبر کے موقع پر دوس کے ستر اُستی (مسلمان) گھرانوں کو ستر لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔“

## حضرت ابوہریرہ کا قبولِ اسلام

جمہور علماء سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرتِ نبوی سے پہلے (اپنے وطن میں) حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جب حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہو کر مکہ سے واپس آئے اور دعوتِ توحید کا آغاز کیا تو پہلی دفعہ ان کے اہل خانہ کے علاوہ قبیلہ دوس کے صرف ایک اور آدمی نے اسلام قبول کیا۔ قیاسِ غالب کے مطابق یہ شخص حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تو وضاحت کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لیا ہے۔ (الأصابہ ج ۲ ص ۲۶۶)

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت مسلمان ہوئے جب حضرت طفیل نے مکہ سے دوسری مرتبہ واپس آ کر اپنے قبیلے میں تبلیغ شروع کی۔ یہ روایت یہ واقعہ ہجرتِ نبوی سے پہلے کا ہے۔ کچھ روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ خیبر (محرم ۸ھ ہجری) کے موقع پر یا صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ ہجری) اور غزوہ خیبر (محرم ۸ھ ہجری) کے درمیانی عرصے میں مسلمان ہوئے لیکن جمہور علماء سیر نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے کہ وہ ہجرتِ نبوی سے پہلے اپنے وطن ہی میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے۔ غزوہ خیبر کے موقع پر انہوں نے ہجرت اور



آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور بیعت کی سعادت حاصل کی (اس کی تفصیل آگے آئے گی)۔

بعثت نبوی کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر گیارہ بارہ سال کی تھی (یعنی وہ نابالغ تھے) قیاس یہ ہے کہ انہوں نے حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغ سے اس وقت اسلام قبول کیا جب وہ باشعور (بالغ) ہو چکے تھے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کب مکہ جا کر اسلام قبول کیا اور پھر وطن واپس آکر اپنے قبیلے میں تبلیغ کا آغاز کیا۔ ارباب سیر نے اس کا کوئی واضح جواب نہیں دیا اور صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ واقعہ بعثت نبوی کے ابتدائی زمانے کا ہے۔ ابتدائی زمانے سے مراد ستمہ نبوت اور اس کے بعد کے دو تین سال ہیں۔ ستمہ نبوت ہی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاصدع بما تو مروا عرض عن المشکین کے حکم الہی کے مطابق کھلے عام لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا جس پر مشرکین آپ کے دشمن بن گئے اور باہر سے مکہ آنے والے لوگوں کو بھی آپ کے خلاف بہکانا شروع کر دیا۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی زمانے میں اسلام قبول کیا۔ اس وقت ان کا عنفوان شباب تھا۔



## وطن سے ہجرت

جب حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسلسل تبلیغی مساعی کے نتیجے میں بنو دوس کی معتد بہ تعداد حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی تو ان کے دل میں خیال آیا کہ مکہ جا کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی جائے کہ آپ بنو دوس کے پاس تشریف لے آئیں۔ یہاں آپ تک مشرکین قریش کا دستِ تعدی نہیں پہنچ سکے گا کیونکہ بنو دوس نہ صرف خود جنگ آزما لوگ تھے بلکہ ان کے پاس ایک نہایت مضبوط قلعہ بھی تھا جو پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا اور اس پر حملہ کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ چنانچہ وہ مکہ جا کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی کہ یا رسول اللہ! آپ ہمارے قلعے میں تشریف لے آئیے، دوس کا بچہ بچہ کٹ مرے گا لیکن آپ پر کوئی آماج نہیں آنے دے گا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ اُس زمانے میں سخت مشکلات سے دوچار تھے اور کفارِ مکہ اہل حق پر ایسے ظلم ڈھا رہے تھے کہ انسانیت سرپٹ کر رہ گئی تھی جُصُور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشکش کو منظرِ استحسان دیکھا لیکن آپ نے اس وقت بوجہ مکہ چھوڑنا مناسب نہ سمجھا اس لیے حضرت طفیلؓ کی دعوت قبول نہ فرمائی۔ دراصل کلک قدرت نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف انصارِ مدینہ کے مقدر میں لکھ رکھا تھا۔ اسی لیے آپ بنو دوس کے مہمان نہ بنے۔

(صحیح مسلم جلد ۱ ص ۵۸)

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکے سے وطن واپس آ کر حسبِ سابق

پھر تبلیغ حق میں مشغول ہو گئے۔ اس طرح کئی سال گزر گئے، اس اثنا میں رسول اکرم ﷺ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے اور بدر، احد، اُخزاب وغیرہ کے معرکے گزر چکے اور صلح حدیبیہ بھی ہو چکی۔ سلسلہ ہجرت کے اواخر یا سلسلہ کے آغاز میں حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ کیا کہ اب وطن سے سوئے مدینہ ہجرت کا شرف حاصل کیا جائے۔ انہوں نے دوس کے دوسرے مسلمانوں کو بھی ہجرت کی ترغیب دی تو قبیلے کے ستر اسی مسلمان گھرنے (جن کے افراد کی تعداد بقول بعض چار سو تھی) ہجرت کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سب کو ساتھ لے کر گھر بار اور وطن کو خیر باد کہا اور عازم مدینہ ہو گئے۔ ان ہجرت کرنے والوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے ایک غلام کے ساتھ شریک تھے۔ ان کی والدہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن وہ ان کو وطن میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتے تھے اس لیے ان کو بھی ساتھ لیا۔

### مدینہ منورہ میں ورود

دوس کے مہاجرین کا یہ قافلہ منزلوں پر منزلیں مارتا مدینہ منورہ پہنچا۔ تو رسول اکرم ﷺ اس وقت غزوہ خیبر کے لیے تشریف لے گئے تھے اور وہیں تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ورود مدینہ کا حال اس طرح بیان کیا ہے:

وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ اس زمانے میں مدینہ آیا۔ فجر کی نماز سب سے پہلے عرفہ کی اقتدار میں پڑھی جن کو رسول اللہ ﷺ (مدینہ میں) اپنا نائب بنا کر چھوڑ گئے تھے۔ سب سے پہلی رکعت میں سورہ مریم اور دوسری میں ”دیل“ **لِلْمُطَفِّفِينَ** ”رکم تو نے داؤں کے لیے خرابی ہے“ پڑھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا، فلاں از دی شخص کے لیے

ہلاکت ہو اس نے دو پیانے بنا رکھے تھے۔ یہ ایک کے ساتھ کم تول  
 کر دوسروں کو دیتا (فروخت کرتا) اور دوسرے کے ساتھ لوگوں  
 سے زیادہ لیا کرتا (خریدتا) تھا۔ (دوسری روایت میں یہ الفاظ  
 ہیں کہ قبیلہ ازد کے ہر شخص نے اس مقصد کے لیے دو پیانے  
 بنا رکھے تھے)۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۰۴، سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۲۵)

دوسری مہاجرین کو جب معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر  
 کے لیے تشریف لے گئے ہیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی مراجعت کا انتظار کرنے کے بجائے خیبر پہنچ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جائے ان  
 مہاجرین کے خیبر پہنچنے کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں سرسری طور پر بیان کیا گیا ہے  
 کہ سب کے سب اہل قافلہ مدینہ سے خیبر کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ وضاحت نہیں  
 کی گئی کہ بچے عورتیں اور کبیر السن حضرات بھی خیبر گئے یا انہیں مدینہ میں چھوڑ دیا گیا اور  
 وہی مرد خیبر گئے جو لڑنے کے قابل تھے۔ بعض روایات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے  
 کہ پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عازم خیبر ہوئے اور دوسرے دوسری مہاجرین  
 ان کے بعد خیبر پہنچے۔ لیکن کچھ روایات سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت  
 ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے مہاجرین کے ساتھ ہی خیبر پہنچے۔

## بارگاہ رسالت میں حاضری

مدینہ منورہ سے خیبر تک کے سفر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے قبیلہ دوسس، قبیلہ ازد ہی ایک شاخ تھا اس لیے دوسری اپنے آپ  
 کو ازدی بھی کہتے تھے۔

بڑے ذوق و شوق سے یہ شعر پڑھتے رہے :

يَا لَيْلَةَ مِنْ طَوْلِهَا وَعَنَابِهَا  
عَلَىٰ أَنفَاسِ دَارِ الْكُفْرِ نَجَّتْ

(ہائے رات کی طوالت اور مشقت گنتی بڑی ہے تاہم (شکر ہے)

اس نے مجھے دارالکفر سے چھٹکارا دلایا)

اثنائے سفر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام گم ہو گیا (برائیت دیگر بارگاہ رسالت میں حاضری والے دن سے پہلی شب کو کہیں چلا گیا)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیبر پہنچ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ حسن اتفاق سے ان کا غلام بھی اس وقت وہاں پہنچ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

” ابوہریرہ ! تمہارا غلام آ گیا ہے“

حضرت ابوہریرہ نے عرض کیا :

” یا رسول اللہ ! میں اسے اللہ کی راہ میں آزاد کرتا ہوں“

خیبر پہنچنے والے دوسرے تمام دوسری بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شاد کام ہوئے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت اسلام کا شرف حاصل کیا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ سمیت ان حضرات نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا لیکن (جیسا کہ پچھلے صفحات میں وضاحت کی جا چکی ہے) بظاہر خیبر پہنچنے والے بیشتر دوسری مہاجرین پہلے ہی شرف اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ اس موقع پر انہوں نے حضور کے دست مبارک پر (اسلام کی) بیعت کی (نہ کہ اسلام قبول کیا) اس بات کا امکان ہو سکتا ہے کہ ان گھرانوں کے بعض افراد اسلام کے حلقہ اثر میں تو آگئے ہوں لیکن انہوں نے یا قاعدہ قبول اسلام کا شرف بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر حاصل کیا ہو۔

## غزوہ خیبر میں شرکت

دوسری مہاجرین کے دُرودِ خیبر کے وقت ”نظاۃ“ کا قلعہ فتح ہو چکا تھا اور الکتیبہ کے قلعے کا محاصرہ جاری تھا۔ علامہ ابن سعد اور حافظ ابن عبد البر کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مجاہدین کو اسلامی فوج کے مہمنہ پر مقرر فرمایا۔ اس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی غزوہ خیبر میں شرکت کی سعادت نصیب ہو گئی اگرچہ یہ سعادت لڑائی کے آخری مراحل میں نصیب ہوئی کیونکہ دو تین دن کے اندر یہودیوں کے سارے قلعے فتح ہو گئے اور مسلمانوں کو کامل فتح حاصل ہو گئی۔

بعض لوگوں نے غزوہ خیبر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت کے بارے میں شک کا اظہار کیا ہے لیکن صحیح بخاری میں خود حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم غزوہ خیبر میں حاضر رہے یہ اس کے علاوہ بعض دوسری روایتوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ خیبر میں شریک تھے البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ خیبر کے مالِ غنیمت میں سے دوسری مجاہدین کو حصہ دیا گیا یا نہیں۔ علامہ ابن سعد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بیان منسوب کیا ہے کہ میں جن جن لڑائیوں میں شریک ہوا، غزوہ خیبر کے علاوہ ان سب میں مالِ غنیمت ملا کیونکہ اس کا مال حدیبیہ والوں (یعنی ذیقعدہ سلمہ ہجری میں

لہ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں :

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيْبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ  
قَالَ شَهِدْنَا خَيْبَرَ - (امام زہری نے حضرت سعید بن مسیب

کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ ہم خیبر میں حاضر تھے) صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۸

بیعتِ رضوان کرنے والوں) کے لیے مخصوص تھا۔

(طبقات ابن سعد جز ۴م ق ص ۵۴)

لیکن صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت بھی ملتی ہے۔

فَتَحْنَا خَيْبَرَ قَلَمٌ نَعْمٌ فَهَبًا وَلَا فِئْصَةً إِنَّمَا غَنِمْنَا الْبَقَرِ

وَالْإِبِلَ وَالْمَتَاعَ وَالْحَوَائِطَ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۵)

یعنی ہم نے جس وقت خیبر فتح کیا تو ہمیں غنیمت میں سونا چاندی نہیں

ملا بلکہ گائے اونٹ دوسرا سامان اور باغات ملے۔

سنن ابی داؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کے مالِ غنیمت

کی تقسیم کے معاملے میں مشہور صحابی حضرت ابان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہو گئی۔ واقعہ یہ تھا

کہ غزوہ خیبر سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابان بن سعید

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مہم کا امیر بنا کر نجد کی طرف بھیجا تھا۔ جب خیبر فتح

ہو چکا تو حضرت ابان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نجد کی مہم سے فارغ ہو کر

خیبر پہنچ گئے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: —

”یا رسول اللہ! ہمیں بھی خیبر کے مالِ غنیمت سے حصہ عطا فرمائیے!“

اُس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بارگاہ نبوی میں حاضر

تھے۔ انہوں نے عرض کیا: —

”یا رسول اللہ! ان لوگوں کو نہ دیجئے (کیونکہ وہ غزوہ خیبر میں شریک

نہیں تھے)۔“

۱۔ سیدنا حضرت ابان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق قریش کی شاخ بنی امیہ

سے تھا سلسلہ نسب یہ ہے:

ابان بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سن کر حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آگیا اور انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے مخاطب ہو کر کہا : —  
 ” اے دیر جو ابھی پہاڑ سے اتر کر آیا ہے تو یہ بات کہتا ہے ؟“

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤئی قرشی۔

حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا والد ابو محجمہ سعید بن عاص بڑے دبدبہ و شکوہ کار نہیں تھا۔ اس کا لقب ”ذو التاج“ تھا۔ وہ جس رنگ کا عمامہ باندھتا تھا مکہ میں کوئی دوسرا شخص اس رنگ کا عمامہ نہ باندھ سکتا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت ابانؓ کے دو بھائیوں حضرت خالدؓ اور حضرت عمروؓ نے تو اس دعوت پر لبیک کہا لیکن حضرت ابانؓ اور ان کے دوسرے اہل خاندان نے اسلام کی شدید مخالفت کی۔ ابانؓ شاعر بھی تھے انہوں نے اپنے مسلمان ہونے والے بھائیوں کی ہجو میں کئی اشعار کہے بغزوہ بدر اور غزوہ احد میں وہ مشرکین مکہ کے لشکر میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے لگے۔ صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶۱۰ھ ہجری) کے بعد حضرت ابان کا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور وہ مدینہ منورہ جا کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سابقہ غلطیوں اور لغزشوں کو معاف فرما دیا۔ محرم ۶۱۰ھ ہجری کے آغاز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک مہم کا امیر بنا کر نجد کی طرف بھیجا۔ اس سے فارغ ہو کر وہ خیبر پہنچے جہاں حضور خیبر کی تسخیر کے بعد تشریف فرما تھے۔ اس کے بعد حضور نے انہیں بعض اور سرتوں پر بھی امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ فتح مکہ کے کچھ عرصہ بعد آنحضرت نے انہیں مکہ کا محصلِ زکوٰۃ و جزیہ (بروایت دیگر حاکم) مقرر فرمایا۔ ۶۱۰ھ میں حضور نے رحلت فرمائی تو حضرت ابانؓ اپنے عہدے سے دست کش ہو کر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



دوہرے ایک جنگلی جانور کو کہتے ہیں جو قد و قامت میں بلی کے مشابہ ہوتا ہے۔ بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ تم ایک جنگلی پہاڑی آدمی ہو تم ان امور کو کیا سمجھ سکتے ہو اور ایسی باتوں میں کیوں مشورہ دیتے ہو۔

بعض علماء نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جو کہا ہے کہ ”ایک بلا جو پہاڑ سے اتر کر آیا ہے“ اس میں حضرت ابو ہریرہؓ کی کنیت سے لطیفہ پیدا کیا۔ ابو ہریرہؓ کا لفظی ترجمہ ہے ”بلی کے بچے کا باپ“ اس لیے مزاحاً ان کو بلا کہا۔ جب کسی شخص کو کسی چیز یا کسی وصف سے خصوصی تعلق ہو تو عربی محاورے میں اس شخص کو اس چیز کا باپ یا بھائی یا بیٹا کہہ دیا جاتا ہے۔ بہر صورت حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی حضرت ابانؓ کو کوئی تلخ جواب دیا۔ اس طرح دونوں بزرگوں کی گفتگو میں تلخی پیدا ہو گئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

### (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

انہیں اس عہدے پر واپس بھیجا چاہا لیکن انہوں نے بوجہ دوبارہ یہ عہدہ قبول نہ کیا۔ سلطنتِ روم سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلامی لشکر میں شامل ہو کر شام کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔ ان کے زمانہ وفات کے بارے میں ادبائے سیر میں بہت اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ جنگِ اجنادین میں شہید ہوئے بعض ان کی شہادت محاصرہ دمشق کے دوران میں بتاتے ہیں اور بعض جنگِ مرج الصفر میں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ شام میں رومیوں کے خلاف کئی لڑائیوں میں دادِ شجاعت دینے کے بعد وہ صحیح سلامت مدینہ منورہ واپس آگئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں کسی وقت وفات پائی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کے تمام خونِ معاف کر دیئے ہیں۔ (أسد الغابہ)

دونوں کو سمجھا بٹھا کر خاموش کیا۔

صحیح بخاری میں یہ واقعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی

اس طرح نقل ہوا ہے :

وہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب خیبر کی فتح کے بعد آپ ابھی خیبر میں تشریف فرما تھے اور مالِ غنیمت تقسیم ہو رہا تھا۔ پس میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے بھی حصہ دلائیے۔ سعید بن عاص کے بیٹوں میں سے کسی نے کہا، یا رسول اللہ! اس کو نہ دیکھئے۔ میں نے کہا، یہ ابنِ قوئل کا قاتل ہے (یہ غزوہ اُحد میں بقول بعض حضرت ابان بن سعید بن عاص کے ہاتھ سے شہید ہوئے تھے۔ نام ان کا نعمان تھا اور قبیلہ خزرج سے تھے۔ ابان اس وقت کفارِ مکہ کی فوج میں تھے۔ بعد ازاں مسلمان ہو گئے) اس پر سعید بن عاص کے بیٹے نے کہا، اس پہاڑی بٹے پر تعجب ہے جو ہمارے پاس ضان کی چوٹی سے اتر کر یہاں آیا ہے۔ یہ وہ مجھ پر ایک مردِ مسلم کے قتل کا عیب دھرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں (مرتبہ شہادت کی) عزت بخشی اور مجھے اس کے ہاتھوں قتل نہیں ہونے دیا۔“

(یعنی اگر معاملہ اس کے الٹ ہوتا کہ میں کفر کی حالت میں اس کے ہاتھوں قتل ہو جاتا تو ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں جاتا۔)

(ذیل القوۃ از منہج محمد شام سندھی بحوالہ صحیح بخاری)

(بخاری جلد ۲ کتاب المغازی غزوہ خیبر)

لہ ضان قبیلہ دوس کے علاقے میں ایک پہاڑی کا نام ہے۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے خیبر کے مالِ غنیمت سے حصے کی درخواست کی تھی۔ حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی مخالفت کی۔ اس وجہ سے دونوں کی گفتگو میں تلخی آگئی۔ اس کے ساتھ سنن ابی داؤد کی روایت کو ملا کر پڑھا جائے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ دونوں بزرگوں نے مالِ غنیمت سے حصہ مانگا۔ پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ کیا اس پر دونوں راضی ہو گئے۔

علامہ ابن اثیر نے "اسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر کی غنیمت سے حصہ نہیں دیا۔ بقول بعض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر کی غنیمت سے باقاعدہ حصہ نہیں دیا البتہ بطور عطیہ کچھ مرحمت فرمایا (بذل القوتہ) جہاں تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے دوسے مجاہدین کا تعلق ہے تو صحیح بخاری سے ان کی جو دوسری روایت اوپر نقل کی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان حضرات کو مالِ غنیمت سے سونے چاندی کی صورت میں تو کوئی چیز نہیں دی گئی البتہ انہیں اونٹ گائیں اور کچھ دوسری اشیاء مرحمت کی گئیں نیز بعض باغات کی پیداوار میں سے بھی کچھ حصہ دیا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب) اگر اس روایت کو طبقات ابن سعد کی اس روایت سے ملا کر پڑھا جائے جس میں حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا ہے کہ خیبر کے مالِ غنیمت سے انہیں کچھ نہیں ملا تو پھر ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ اس موقع پر انہیں جو کچھ عطا ہوا وہ بطور عطیہ یا انعام تھا اور اس کی تعداد یا مقدار بھی بہت کم تھی کیونکہ مدینہ منورہ میں انہوں نے اپنی زندگی کا آغاز بڑی تنگدستی کی حالت میں کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر سے مدینہ منورہ کو معاودت فرمائی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے تمام دوسے اصحاب بھی آپ کے ساتھ مدینہ منورہ آ گئے۔

## خیبر سے مراجعت کے بعد

اربابِ سیر نے یہ وضاحت نہیں کی کہ بنو دوس کے مہاجرین غزوہ خیبر سے فارغ ہو کر واپس مدینہ منورہ پہنچے تو ان میں سے کتنے مستقل طور پر مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے اور کتنے واپس وطن چلے گئے البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باقی حالاتِ زندگی بھی بیان کر دیئے جائیں۔ وہ بنو دوس کی اہم ترین شخصیت تھے کیونکہ انہی کی تبلیغی ماسعی کے نتیجے میں بنو دوس میں اسلام پھیلا تھا اور وہی بنو دوس کے ستر اسی گھرانوں کو اپنے ساتھ مدینہ منورہ لائے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ھ ہجری) تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ فتح مکہ کے بعد وہ چند دوسوں کو ساتھ لے کر اپنے وطن گئے اور مشرکین بنی دوس کے بت ذوالکفین اور اس کے حمی کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ کا نامہ سرانجام دے کر واپس آنے لگے تو بنو دوس کے چار سو آدمی مع ساز و سامان ان کے ساتھ ہو لیے۔ ان دنوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ حضرت طفیل نے

ابن سعد نے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضرت طفیل بن عمرو نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے قبیلے میں ابھی تک ایک بت خانہ موجود ہے جس میں ذوالکفین نام کا ایک بت نصب ہے

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہو کر ذوالکفین کی بربادی کا حال سنایا تو آپ بہت مسرور ہوئے۔ حضرت طفیلؓ اور ان کے ساتھیوں نے غزوہ طائف میں شریک ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ان سے پوچھا، تمہارا علم کون اٹھائے گا؟

حضرت طفیلؓ نے عرض کیا:

” نعمان بن بازہ، یہ مدتوں سے بنو دوس کے علمبردار ہیں۔ اس موقع پر بھی وہی اٹھائیں گے۔“ لہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بنو دوس کے جو لوگ ابھی تک ایمان نہیں لائے وہ بڑے ذوق و شوق سے اس بُت کی پرستش کرتے ہیں اگر اجازت دیں تو اس بُت خلعے کو مسمار کر دوں۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا، ”ہاں اس کو برباد کر دو۔“

چنانچہ حضرت طفیلؓ اپنے قبیلے کے چند مسلمانوں کو ساتھ لے گئے اور بُت خلعے کو منہدم کر کے بُت کو آگ لگا دی۔ اس وقت وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

يَا ذَا الْكُفْيَيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَ  
اِنِّي نَحَسْتُ النَّارِي فَوَادِكَ

(یعنی اے ذوالکفین میں تیری پرستش کرنے والوں میں نہیں ہوں۔ میری پیدائش تیری ولادت سے پہلے کی ہے۔ میں نے تیرے دل میں آگ بھردی ہے)

(طبقات ابن سعد ج ۴ ق ۱ ص ۱۷۱، سیر الصحابہ (مہاجرین حصہ دوم)

لہ حضرت نعمان بن بازہ (بروایت دیگر راذیہ) کو شرف صحابیت حاصل ہے۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ ”میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت میں راتوں کے پچھلے پہر سفر کرتے۔ اب جبکہ اللہ کے فضل سے ہم مسلمان ہیں، ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا، اسلام میں بھی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضور صَلَّی اللہ علیہ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ان کی رائے پسند فرمائی۔ پھر یہ سب لوگ ایک ایک دستے کی صورت میں غزوہ طائف میں شریک ہوئے۔

آنحضور صَلَّی اللہ علیہ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی رحلت کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آغازِ خلافت میں فتنہ ارتداد (الردۃ) نے زور پکڑا تو حضرت طفیل بن عمرو نے اس کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا۔ آخر میں اسی سلسلے میں سلیمہ کذاب کے خلاف جنگِ یمامہ میں شریک ہوئے اور نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے جاہِ شہادت نوش کیا۔ ان کے فرزند حضرت عمروؓ بھی اس لڑائی میں ان کے ساتھ تھے وہ شدید زخمی ہو گئے لیکن جان بچ گئی۔ بعد میں انہوں نے جنگِ یرموک میں شہادت پائی۔

(طبقات ابن سعد حصہ معازی مستدرک حاکم، الاستیعاب، اسد الغابہ)



(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یہ عمل پسندیدہ ہے اس لیے تمہیں چاہیے کہ کسی کو بھی ایسے سفر سے منع نہ کرنا۔  
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ (شام کی فتح کے بعد) حضرت  
نعمان بن باز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمص میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

(اسد الغابہ)

## عہد رسالت میں

# حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شب و روز

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے سے لے کر آپ کے دنیا سے رخصت ہونے تک کا زمانہ (محرم شعبہ ہجری تا ربیع الاول سالہ ہجری) حضرت ابو ہریرہ کی تمام زندگی کا حاصل تھا۔ انہوں نے اس زمانے کا تین چوتھائی حصہ محسن انسانیت رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت میں گزارا (ایک چوتھائی حصہ بحرن میں گزارا جس کی تفصیل الگ بیان کی گئی ہے۔)

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن اقدس سے ان کی وابستگی کی عجیب کیفیت تھی۔ سفر ہو یا حضر، خلوت ہو یا جلوت، رات ہو یا دن، حج ہو یا کوئی غزوہ، وہ ہر موقع پر بارگاہ رسالت میں حاضر رہنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ فیضان نبوی سے زیادہ سے زیادہ بہریاب ہو سکیں۔ عہد رسالت میں ان کی زندگی کے شب و روز پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ اس دوران میں صرف تین چیزیں ان کی زندگی کا محور تھیں۔ پہلی یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کرتے رہیں۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ جمال میری روح کی تسکین و راحت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ (مسند احمد) دوسری یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بھی اور جتنی بھی خدمت کر سکیں، کریں۔ (اس کی تفصیل آگے آئے گی) تیسری یہ کہ نبوت کے سرچشمہ علوم و معارف سے خوب خوب سیراب ہوتے رہیں۔

انہی مقاصد کے حصول کی خاطر عہد رسالت میں نہ انہوں نے شادی کی اور نہ کسبِ معاش کے لیے کوئی پیشہ اختیار کیا بلکہ اصحابِ صفہ کی مقدر جماعت میں شامل ہو گئے اور ایک درویش طالبِ علم کی حیثیت سے فقر و فاقہ کی زندگی گزاری۔ اس سے پہلے کہ ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذاتی حالات بیان کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ”اصحابِ صفہ“ کے مشاغل اور ان کے مقام و مرتبہ کے بارے میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں:

## اصحابِ صفہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپ نے اپنے جان نثاروں کے ساتھ مل کر مسجد نبوی کی تعمیر کا آغاز فرمایا۔ جب یہ کام مکمل ہو گیا تو آپ نے صحابہ کی تعلیم کے لیے مسجد نبوی میں اسلام کی پہلی درسگاہ قائم فرمائی۔ اس میں تعلیم پانے والے دو طرح کے اصحاب تھے۔ ایک تو وہ مہاجرین اور انصار جو گھر بار والے تھے اور کھیتی باڑی، تجارت اور کئی دوسرے مختلف النوع کام کرتے تھے۔ یہ اصحاب اپنے فرصت کے وقت میں قرآن مجید اور حدیث و سنت کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ دوسرے وہ اصحاب تھے جن کا نہ گھر بار تھا اور نہ کوئی ذریعہ معاش۔ اگر گھر بار تھا بھی تو انہوں نے اس کو چھوڑ کر اپنے آپ کو قرآن و سنت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے وقت کر دیا تھا۔ ان میں زیادہ تر اصحابِ غریب الوطن ہوتے تھے۔ وہ محض رضائے الہی کی خاطر اپنا وطن اور گھر بار چھوڑ کر طویل سفر کے بعد مدینہ منورہ پہنچتے تھے اور فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کر کے حصولِ علم میں مشغول ہو جاتے تھے۔ جب ان غریب الدیار و رویشانِ اسلام کی تعداد



میں روز بروز اضافہ ہونے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مستقل قیام کے لیے مسجد نبوی سے جانب مشرق ایک چبوترے پر مسقف دالان بنا دیا۔

عربی میں سائبان یا مسقف دالان کو صُفۃ کہتے ہیں، اس لیے یہ مردان حق آگاہ بھی اصحاب صُفۃ کہلانے لگے۔ پہلے تو یہ اصحاب دن بھر مسجد نبوی میں تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے اور رات کو قریبی کھلے چبوترے پر سو رہتے تھے۔ اب ان کو ایک چھت میسر آ گئی اور ان میں مدینہ منورہ کے مسکین صحابہ بھی شامل ہو گئے۔

اصحاب صُفۃ کو اصنیاف الاسلام (اسلام کے مہمان) یا اصنیاف اللہ (اللہ کے مہمان) یا قراء (قرآن پڑھنے والے) بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی تعداد مقرر نہ تھی اور اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ایک وقت میں ان کی کم از کم تعداد ستر تھی جو بعض اوقات بڑھ کر چار سو تک پہنچ جاتی تھی۔ (ایک روایت یہ بھی ہے کہ اصحاب صُفۃ کی کل تعداد چار سو تک پہنچتی ہے لیکن ایک وقت میں یہ اصحاب کبھی اتنی تعداد میں جمع نہیں ہوئے۔ واللہ اعلم) جس نو وارد مسلمان کا مدینہ منورہ میں کوئی شناسا نہ ہوتا وہ اہل صُفۃ ہی کے پاس آ کر قیام کرتا تھا۔

ان بزرگوں میں سے جو صاحب شادی کر لیتے اور اہل و عیال کے فرائض و حقوق پورا کرنے کے پابند ہو جاتے یا کسب معاش کے لیے کسی خاص پیشے یا کاروبار سے منسلک ہو جاتے وہ خود بخود ہی اصحاب صُفۃ کے حلقے سے نکل جاتے تھے۔

اصحاب صُفۃ حالت امن میں اللہ کے مسکین ترین بندے تھے اور میدان جہاد میں شیرانِ غابہ سے بڑھ کر تھے۔ ان میں سے ۵۷ مشہور صحابہؓ کے اسمائے گرامی یہ ہیں: —

- (۱) حضرت ابو ہریرہؓ (۲) حضرت برادر بن مالک انصاریؓ  
 (۳) حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ (۴) حضرت حبیب بن زید بن عامر انصاریؓ  
 (۵) حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتومؓ (۶) حضرت ابو سعید ثابت بن ولیدہ دوسیؓ  
 (۷) حضرت ابو ثعلبہ انصاریؓ (۸) حضرت اوس بن اوس ثقفیؓ  
 (۹) حضرت ثابت بن ضحاک انصاریؓ (۱۰) حضرت ابو بشر بشیر بن معبد اسلمیؓ  
 (۱۱) حضرت ابو ہریرہ فضلہ بن عبید اسلمیؓ (۱۲) حضرت حکم بن عمرو ثمالیؓ  
 (۱۳) حضرت عائشہ بن خمیر اشجعیؓ (۱۴) حضرت جمال بن جعیل بن سراقہ غفاری (یا ضمری)  
 (۱۵) حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاری (غیل الملائکہ) -  
 (۱۶) حضرت ابو ریحانہؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 (۱۷) حضرت سفینہؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 (۱۸) حضرت ابو کبشہؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 (۱۹) حضرت حبیب بن اساف انصاریؓ (۲۰) حضرت حذیفہ بن اسید غفاریؓ  
 (۲۱) حضرت حرملہ بن ایاس عنبریؓ (۲۲) حضرت دکین بن سعید خشعیؓ  
 (۲۳) حضرت شداد بن اسید اسلمیؓ (۲۴) حضرت سعد بن مالک انصاریؓ  
 (۲۵) حضرت خالد بن زید بن حارثہ انصاریؓ (۲۶) حضرت ابو سعید خدریؓ  
 (۲۷) حضرت سالم بن عبید اشجعیؓ (۲۸) حضرت سالم بن عمیر بن ثابت انصاریؓ  
 (۲۹) حضرت شقرانؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 (۳۰) حضرت مویہ بن مہبہؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 (۳۱) حضرت ابو عبیدہؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 (۳۲) حضرت یسار داعیؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 (۳۳) حضرت وائلہ بن اسقع کنانیؓ  
 (۳۴) حضرت مسطح بن اثاثہ بن عبد بن مطلب قرشیؓ -  
 (۳۵) حضرت دابضہ بن معبد اسدی -

- (۳۶) حضرت عکاشہؓ بن محصنؓ اسدی
- (۳۷) حضرت عبداللہؓ بن بدر جہنی
- (۳۸) حضرت عبداللہؓ بن خالد عفاری -
- (۳۹) حضرت عولمؓ بن ساعدہ انصاری
- (۴۰) حضرت عیاضؓ بن حمار مجاشعی
- (۴۱) حضرت صفوانؓ بن بیضاء فہری
- (۴۲) حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام سلمی انصاری
- (۴۳) حضرت عمروؓ بن عوف
- (۴۴) حضرت فضالہؓ بن عبید انصاری
- (۴۵) حضرت قرۃؓ بن ایاس مزیفی
- (۴۶) حضرت عمروؓ بن طلق بن زید انصاری
- (۴۷) حضرت مسعودؓ بن ربیع قاری
- (۴۸) حضرت عبداللہؓ بن اثنیس جہنی ثم انصاری
- (۴۹) حضرت ابو نجیحؓ عرباضؓ بن ساریہ سلمی
- (۵۰) حضرت معاویہؓ بن حکم سلمی
- (۵۱) حضرت عبادہؓ بن قرص الیشی
- (۵۲) حضرت عبداللہؓ بن اسود سدوسی
- (۵۳) حضرت سائبؓ بن خلاد انصاری
- (۵۴) حضرت طلحہؓ بن عمرو نضری
- (۵۵) حضرت ہلالؓ بن مویٰ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ
- (۵۶) حضرت عبداللہؓ بن حبشی خشعی
- (۵۷) حضرت عمروؓ بن ثعلبہ بن وہب ابو حکیمہ انصاری
- اصحابِ صفحہ کے نقرہ استغناء کی عجیب کیفیت تھی۔ ان پر کسی کئی

وقت کے فاقے گزر جاتے تھے لیکن زبان پر حرف شکایت نہ لاتے تھے جب رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی اقتداء میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ان میں سے بعض نحیف الجثہ اصحاب صنعت اور گرسنگی کے سبب عین حالت نماز میں گر پڑتے اور بے ہوش ہو جاتے۔ حضور نماز سے فارغ ہو کر انہیں اٹھاتے اور فرماتے، اے صحابیک المہاجرین! اگر تمہیں معلوم ہو جاتا کہ بارگاہِ الہی میں تمہارا کیا درجہ ہے تو تم ضرور یہ تمنا کرتے کہ تمہارا یہ فقر و فاقہ اور بڑھ جاتا۔

آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ان درویشانِ راہِ حق کو بے حد محبوب رکھتے تھے اور ہر معاملے میں ان کا خیال رکھتے تھے جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو حضورؐ یہ تمام کھانا اصحابِ صُفَّہ کو بھیج دیتے تھے۔ کبھی انہیں مہاجرین اور انصار پر تقسیم کر دیتے کہ وہ ان کے کھانے کا بندوبست کریں۔ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق ایک ایک دو دو تین تین چار چار اپنے ساتھ لے جاتا اور کھانا کھلاتا۔ رئیس خزر ج حضرت سعد بن عبادہ انصاری رَضِيَ اللہُ تَعَالَى عَنْہُ اکثر شام کو اسی اصحابِ صُفَّہ کو ساتھ لے جاتے اور انہیں کھانا کھلاتے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رَضِيَ اللہُ تَعَالَى عَنْہُ بھی اصحابِ صُفَّہ کو اکثر مدعو کرتے رہتے تھے۔ اسی بنا پر آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے انہیں ابوالمساکین کا لقب دے رکھا تھا۔ دوسرے صحابہ (بالخصوص انصار) بھی اصحابِ صُفَّہ کی دل کھول کر مدد کیا کرتے تھے۔ انصار اپنے باغوں سے کھجور کے خوشے لاتے اور مسجدِ نبوی میں لٹکا دیتے تاکہ اصحابِ صُفَّہ کھجوروں سے اپنی شکم پیری کر سکیں۔ (جامع ترمذی ابواب تفسیر القرآن)

ایک دفعہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جس گھر میں دو آدمیوں کا کھانا پکتا ہو وہ اصحابِ صُفَّہ میں سے تیسرے آدمی کو اور جس

کے ہاں چار کا کھانا پکنا ہو وہ ان میں سے پانچویں آدمی کو ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تین آدمیوں کو ساتھ لیا لیکن آپؓ دس آدمیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ (صحیح مسلم)۔ (علیہ الاولیاء)

ایک مرتبہ کسی نے ایک پیالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ یہ ایک بڑی دیگ کے برابر تھا اور چار آدمی اس کو مل کر اٹھاتے تھے۔ جب دوپہر ہوتی تو وہ پیالہ آتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ کو ساتھ لے کر اس کے گرد بیٹھ جاتے اور اس میں سے کھانا تناول فرماتے بعض اوقات کھانے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی کہ آپ کو اگر دن بیٹھنا پڑتا تاکہ لوگوں کے لیے جگہ نکل آئے۔ (سنن ابی داؤد)

اگر کبھی کوئی صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دیتے تو آپ اصحاب صفہ کو ساتھ لے جاتے اور ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ اللہ تعالیٰ تھوڑے کھانے میں بھی برکت دیتا تھا۔

حضورؐ کو اصحاب صفہ کا کس قدر خیال تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک دفعہ آپ کی لخت جگر سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں اور شدید محنت و مشقت نے نجف و نزار کر دیا ہے۔ آپ مجھے ایک کینز مرحمت فرمائیں۔

حضورؐ نے اپنی پیاری بیٹی کی درخواست کے جواب میں فرمایا، بیٹی مجھے سب سے پہلے اصحاب صفہ کی خورد و نوش کا انتظام کرنا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اصحاب صفہ تو بھوکے رہیں اور میں اپنی بیٹی کے آرام کے لیے اسے کینز دوں۔ بیٹی صبر و شکر سے اپنا وقت گزار دے۔

لہ علامہ شبلی نعمانی نے اس واقعہ کو یوں نظم کیا ہے: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اصحابِ صفحہ میں سے ایک بزرگ حضرت طلحہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی باہر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (مدینہ منورہ) آتا، اگر اس کا مدینہ منورہ میں کوئی جاننے والا ہوتا تو وہ اس کے پاس ٹھہرتا، اگر کوئی اس کا جاننے والا نہ ہوتا تو وہ صفحہ میں قیام کرتا۔ میں جب مدینہ منورہ آیا تو میرا کوئی جاننے والا نہ تھا اس لیے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

انلاس سے تھاسیدہ پاک کا یہ حال!  
گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا!  
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں تھیلیاں  
چلتی کے پینے کا جو دن رات کام تھا  
سینہ پہ مشک بھر کے جولا تی تھیں بار بار  
گو نور سے بھرا تھا مگر نیسل فام تھا  
اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے  
جھاڑو کا مشعلہ بھی ہر صبح و شام تھا  
آخر گئیں جناب رسول خدا کے پاس  
یہ بھی کچھ اتفاق دہاں اذن عام تھا  
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عشر من  
واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا  
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضور نے  
کل کس لیے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا؟  
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں  
حیدر نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا  
(باقی اگلے صفحہ پر)

اہل صفہ کے پاس ٹھہرا۔ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہر روز ایک مد (تقریباً نو چھٹا تک کے برابر) کھجوریں آتی تھیں جو دو آدمیوں کے لیے ہوتی تھیں۔ ایک روز نماز کے بعد ہم میں سے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! کھجوریں کھاتے کھاتے ہمارے پیٹ جل گئے اور ہماری چادریں پھٹ گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتیں سنتے رہے۔ جب انہوں نے اپنی گفتگو ختم کی تو آپ منبر پر تشریف لائے۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد آپ نے ان تکلیفوں کا ذکر کیا جو آپ کو (اور آپ کے رفقاء کو) آپ کی قوم کی طرف سے پہنچی تھیں۔ پھر فرمایا کہ مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر دس راتیں ایسی گزریں کہ ہمارے پاس سوائے پیلو کے درخت کے پھل کے اور کچھ نہیں تھا۔ پس ہم نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور اپنے ان انصار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ارشاد یہ ہوا کہ غریبان بے وطن  
جن کا کہ صفحہ نبوی میں قسیم تھا  
میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز  
ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا  
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گزرتی ہیں  
میں اس کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا!!  
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم تھا ان کا حق  
جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا  
خاموش ہو کے سیدہ پاک رہ گئیں  
جرات نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا

بھائیوں کے پاس آئے جن کا بہترین کھانا کھجور ہے۔ انہوں نے ہمارے ہاتھ  
 کھجور سے کی۔ (اور کھجور ہی سے ہم تمہاری مدد کرتے ہیں) خدا کی قسم اگر  
 مجھے روٹی اور گوشت میسر ہوتا تو تم کو ضرور کھلاتا لیکن سر دست یہ  
 میسر نہیں ہے تاہم وہ زمانہ جلد آنے والا ہے جب تم کعبے کے پردے  
 جیسے (خوبصورت) کپڑے پہنو گے اور صبح و شام طشت میں کھاؤ گے۔  
 (حلیۃ الاولیاء ج-۱ ص ۳۸۲)

”مسند احمد“ اور ”مسند زک حاکم“ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ  
 جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب صفہ کو بتایا کہ وہ زمانہ جلد  
 آنے والا ہے۔ جب تم لوگ آسودگی اور مرفہ الحالی کی زندگی بسر کرو گے تو  
 انہوں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! ہمارے لیے موجودہ زمانہ اچھا ہے یا آسودگی  
 اور مرفہ الحالی کا دور اچھا ہوگا۔“  
 آپ نے فرمایا:

”موجودہ زمانہ ہی خیر و برکت کا عہد ہے جس میں تم باہم انس و  
 محبت سے رہتے ہو۔“

اصحاب صفہ کے لباس کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا  
 نہ تھا جس کے پاس تہبند اور چادر دونوں چیزیں ہوں۔ ایک چادر یا گلیم  
 کے سوا ان کے پاس کوئی کپڑا نہ ہوتا تھا۔ وہ اس چادر کو اپنے گلے میں اس  
 طرح باندھ لیتے تھے کہ بعض کے نصف ساق تک لٹک آتی تھی اور بعض  
 کے ٹخنوں تک پہنچ جاتی تھی۔ جب نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کرتے تو  
 اس چادر کو سمیٹ لیتے تاکہ ستر کی جگہ نہ کھلے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ کو خود بھی نہایت  
 محبت اور شفقت سے تعلیم دیتے تھے اور دوسرے معلموں سے بھی



دلاتے تھے۔ ان مُعَلِّمِیْن میں حضرت عبادہ بن صامت انصاری اور حضرت  
 اَبی بن کعب انصاری کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن  
 بزرگوں کو بعض دوسرے کاموں کی وجہ سے دن کے وقت تعلیم حاصل کرنے  
 کا موقع نہ ملتا تھا وہ رات کو ایک استاد کے پاس جاتے تھے اور صبح تک  
 پڑھتے تھے۔ (مُسْنَدِ اَحْمَد جلد ۳ ص ۱۳۷)

اصحابِ صُفَّة جس انہماک اور ذوق و شوق سے تعلیم حاصل کرتے تھے  
 اس کی بدولت ان کو علومِ قرآن، حدیثِ نبوی اور قرأت میں امتیازی  
 درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ حفظِ قرآن سے بھی انہیں خاص شغف تھا اور وہ  
 قرآن کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

صُفَّة کے ایک معلم حضرت عبادہ بن صامت انصاری بیان کرتے  
 ہیں کہ میں نے صُفَّة کے بعض طالب علموں کو قرآن حکیم کی تعلیم دی اور  
 لکھنا بھی سکھایا۔ ان میں سے ایک طالب علم نے مجھے ایک کمان ہدیہ  
 بھیجی۔ (ابوداؤد کتاب البیوع)

مُسْنَدِ اَحْمَد بن حنبل میں یہ روایت اور انداز سے بیان کی گئی ہے۔ وہ  
 یہ کہ اصحابِ صُفَّة میں سے ایک صاحب تحصیل علم کے لیے حضرت عبادہ  
 بن صامت کے گھر میں رہتے تھے اور شام کا کھانا بھی ان کے ساتھ  
 کھاتے تھے۔ جب انہوں نے اپنے مکان پر جانے کا قصد کیا (یعنی  
 حضرت عبادہ بن صامت سے رخصت ہوتے وقت) ایک عمدہ کمان  
 استاد کی نذر کی۔ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے ان کو یہ کمان  
 قبول کرنے سے منع فرمایا۔ (مُسْنَدِ اَحْمَد جلد ۵ ص ۳۲۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ  
 میں غریب مہاجرین (اصحابِ صُفَّة کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا

تھا اور وہ سب کپڑے نہ ہونے کی وجہ سے مل کر بیٹھے ہوئے تھے (تاکہ بدن کے ان حصوں کو چھپا سکیں جن کا چھپانا ضروری ہے) اور ایک صاحب ہم کو قرآن مجید پڑھ کر سنا ہے تھے کہ اتنے میں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وہاں تشریف لائے جو صاحب قرآن مجید پڑھ کر سنا ہے تھے وہ آپ کو تشریف لاتے دیکھ کر خاموش ہو گئے ہم نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو ادب سے سلام کیا۔ آپ نے پوچھا، تم کیا کر رہے ہو؟ سب نے عرض کیا، ہم قرآن مجید سن رہے ہیں۔

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کیے جن کے ساتھ مجھے صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

پھر آپ ہمارے درمیان بیٹھ گئے تاکہ آپس میں چھوٹائی اور بڑائی کا فرق باقی نہ رہے۔ ساتھ ہی آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور سب لوگوں نے اس طرح حلقہ بنا لیا کہ ہر ایک کو آپ کا چہرہ مبارک نظر آنے لگا۔ پھر رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، اسے عزیز مہاجرین! تم کو قیامت کے دن ایک کھل نور کی بشارت ہو اس لیے کہ تم مالِ ابدوں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب فضائل القرآن بحوالہ ابوداؤد)

بلاشبہ اصحابِ صفہ کی زندگی درویشانہ تھی لیکن اس کو راہبانہ نہیں کہا جاسکتا۔ (یعنی یہ نہیں کہ وہ ساری دنیا سے منہ موڑ کر ایک گوشے میں بیٹھ گئے تھے) فی الحقیقت انہیں محتاج محض ہو کر بیٹھ رہنا گوارا نہ تھا۔ وہ لوگوں کا پانی بھرتے، جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے اور انہیں بیچ کر جو پیسے ملتے ان کو اپنے کھانے پینے میں خرچ کرتے۔ جس دن کچھ نہ ملتا، صبر شکر کر کے پڑھتے تحصیل علم کے ساتھ مدینہ کے قیام اور سفر و حضر میں رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت و اطاعت

بھی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ جب جہاد کا موقع آتا تو یہی مسکین طبع اصحاب مجاہدین اولوالعزم بن جاتے اور شمشیر بکف ہو کر راہِ حق میں اپنی جانوں کی بازی لگا دیتے۔ سلسلہ ہجری میں غزوة بئر معونہ میں جو صحابہ شہید ہوئے ان میں بیشتر اصحابِ صفہ تھے۔

محسنِ انسانیت رحمتِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہی بزرگ (اصحابِ صفہ) جن کا لباس پھٹے پرانے

بئر معونہ کی تفصیل یہ ہے کہ صفر ۳؎ ہجری میں بنو کلاب کا ایک رئیس ابو برد عامر بن مالک نجد سے مدینہ منورہ آیا اور رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ اپنے کچھ آدمیوں کو میرے ساتھ بھیجیں جو میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضورؐ نے اس کی درخواست قبول کرنے میں تامل فرمایا کیونکہ چند دن پہلے بنو عامر کا سردار عامر بن طفیل جو ابو برد کا بھتیجا تھا، آپ کو یہ پیغام بھیج چکا تھا کہ محمدؐ مجھے اپنا جانشین بنائیں یا نرم زمین والوں پر وہ حکومت کریں اور سخت زمین والوں پر میں درندہ میں ہزاروں جنگجوؤں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کروں گا۔ لیکن ابو برد نے بار بار یقین دلایا کہ جو مسلمان اس کے ساتھ جائیں گے وہ ان کی حفاظت اور سلامتی کا ضامن ہوگا۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے اس کی یقین دہانی پر ستر (بروایت دیگر چالیس) صحابہ کرامؓ کو حضرت منذر بن عمرو انصاری (بروایت دیگر حرام بن بلحان انصاری) کی قیادت میں نجد کی طرف بھیجا۔ ان میں زیادہ تعداد اصحابِ صفہ اور انصار کی تھی۔

آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے عامر بن طفیل کے نام ایک خط بھی اس جماعت کے ہاتھ بھیجا۔ یہ اصحاب مدینہ سے چل کر بئر معونہ کے مقام پر ٹھہر گئے۔ یہ مقام مکہ معظمہ اور عسفان کے درمیان واقع تھا۔ (بقول اقدی - بنو سلیم (باقی عاشرہ اگلے صفحہ پر)

چلتے پھرتے ہوتا تھا اور جنہیں روٹی کا ایک ٹکڑا بھی مشکل سے میسر ہوتا تھا، مستقبل میں تاریخ اسلام کی نامور شخصیتیں بنے۔ ایک وقت تھا کہ اہل مدینہ

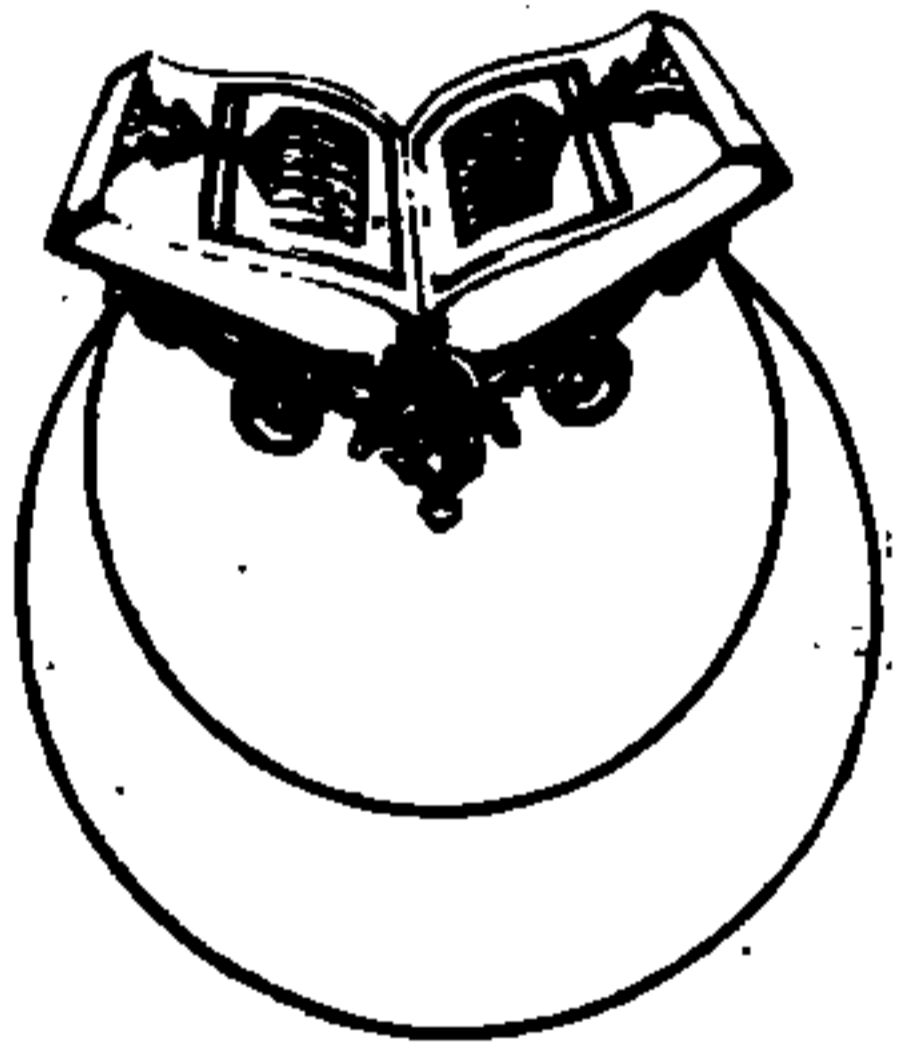
(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کا ایک چشمہ تھا جو بنو عامر اور بنو سلیم کے علاقوں کے درمیان واقع تھا) حضرت حرام بن ملحان حضورؐ کا مکتوب مبارک لے کر عامر بن طفیل کے پاس گئے تو اس بد بخت نے اسے پڑھنا تک گوارا نہ کیا اور اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا جس نے نیزہ مار کر حضرت حرامؓ کو شہید کر ڈالا۔ اس کے بعد عامر بن طفیل نے اپنے قبیلے بنو عامر سے کہا کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی اسی طرح قتل کر ڈالو۔ لیکن بنو عامر نے ابو براء کی پناہ کی وجہ سے اس میں عذر کیا۔ اس پر عامر نے اردگرد کے بعض قبائل، بنو سلیم، رعل اور ذکوان وغیرہ کے مشرکین کو جمع کر کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے ان غداروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن ان کی تعداد مشرکین کے مقابلے میں بہت کم تھی، اور ان کے پاس کافی ہتھیار بھی نہیں تھے۔ دو کے سوا باقی سب ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ بچنے والے دو بزرگ حضرت کعب بن زید انصاری اور عمرو بن امیہ ضمیری تھے۔ حضرت کعبؓ شدید زخمی ہو گئے تھے اور کفار نے انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ حضرت عمرو بن امیہ کو مشرکین نے گرفتار کر لیا لیکن عامر نے اپنی ماں کی ایک مننت پوری کرنے کے لیے انہیں رہا کر دیا۔ (بروایت دیگر وہ خود موقع پا کر بھاگ نکلے) حضرت عمروؓ نے مدینہ منورہ پہنچ کر حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دردناک واقعہ کی اطلاع دی تو آپؐ کو سخت صدمہ ہوا۔ آپؐ بالعموم کسی کے لیے بددعا نہیں کرتے تھے لیکن بے معونہ میں مسلمانوں کی مظلومانہ شہادت سے آپؐ کو اس قدر دکھ پہنچا کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپؐ مسلسل ایک ماہ تک بد بخت قاتلوں کے لیے بددعا کرتے رہے۔

(صحیح بخاری۔ سیرۃ ابن ہشام۔ البدایہ والنہایہ وغیرہ)

بھی ان میں سے بہت کم کے ناموں سے آشنا تھے۔ پھر وہ وقت آیا کہ انہوں نے وسیع و عریض علاقوں پر نہایت حسن و خوبی سے حکومت کی اور اپنے حسن کردار سے ایک دنیا کو مسح کر لیا۔ ان میں سے بہترین علم، بہترین مدبر، بہترین سیاست دان، بہترین معلم، بہترین سپہ سالار اور بہترین حکمران نکلے۔ یہ سب کچھ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت کی بدولت ہوا۔ لاریب یہ اصحابِ صفہ اور دوسرے اصحابِ کرام کی بلاکشی اور عزیمت و استقامت ہی تھی جس نے نخلِ اسلام کی اس طرح آبپاری کی کہ وہ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک تناور درخت بن گیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم



# حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صعوبت کشی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین سال سے کچھ زیادہ عرصہ اصحابِ صفحہ کی مقدس جماعت کے ایک ممتاز رکن اور درس گاہِ نبوی کے ایک درویش طالب علم کی حیثیت سے گزارا۔ اس دور میں دوسرے اصحابِ صفحہ کی طرح انہوں نے بھی سخت مصیبتیں برداشت کیں۔ اس سلسلے میں ان سے کئی احادیث مروی ہیں ان میں سے کچھ ملاحظہ ہوں:

” میرا یہ حال تھا کہ جہاں کچھ میرے پیٹ میں پڑ جاتا فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ نہ میں نے کبھی خمیری روٹی کھائی نہ عمدہ لباس پہنا، نہ میرا کوئی خادم تھا نہ خادمہ۔ بعض اوقات جب بھوک ستاتی تو کسی صاحب سے قرآن کی کوئی آیت پوچھتا حالانکہ وہ آیت مجھے خود یاد ہوتی۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ شاید وہ میری جانب متوجہ ہو کر مجھے کھانا کھلا دیں گے۔“

” میں ان ستر اصحابِ صفحہ میں سے تھا جن میں سے کسی کے پاس اوڑھنے کے لیے چادر تک نہ تھی۔ ہر شخص کے پاس ایک دھاری دار لنگی یا کمبل ہوتا تھا جسے وہ اپنی گردن میں باندھے رکھتا تھا۔ یہ لوگ بھوک سے بھی پریشان رہتے تھے۔ نماز کے وقت کے علاوہ ان میں سے کوئی گھر سے نکل کر مسجدِ نبوی کا رخ کرتا تو اس کا واحد سبب بھوک ہوتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہاں اسی حال میں مبتلا کچھ اور لوگ بھی مل جاتے تھے۔“

ایک دن میں اسی حال میں مسجد پہنچا تو کچھ لوگ ملے۔ انہوں نے پوچھا، ابو ہریرہ! تم اس وقت کیسے آئے؟ میں نے کہا، بھوک کی وجہ سے آ رہا ہوں۔ وہ کہنے لگے، خدا کی قسم میں بھی بھوک ہی بہا لائی ہے۔ (چنانچہ طے ہوا کہ چلو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں چلیں) پس ہم سب اٹھ کر چلے اور رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا، اس وقت کیسے آئے ہو؟ عرض کیا، یا رسول اللہ! بھوک لائی ہے۔

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے کھجوروں کا ایک طباق منگوایا اور ہم میں سے ہر شخص کو دو دو کھجوریں دیں اور فرمایا، یہ دو کھجوریں تمہیں آج کے لیے کافی ہوں گی۔ میں نے ایک کھجور کھائی اور دوسری اپنے دامن میں رکھ لی۔

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے دریافت فرمایا، ابو ہریرہ! تمہیں یہ کھجور کس لیے اٹھا کر رکھ لی۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ میں نے اپنی والدہ کے لیے رکھی ہے۔

آپ نے فرمایا، تم اس کو کھا لو ہم تمہاری والدہ کے لیے بھی تم کو دو کھجوریں دیں گے۔ چنانچہ میں نے وہ کھجور بھی کھالی اور آپ نے مجھے والدہ کے لیے دو کھجوریں اور عنایت فرمائیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۷۷، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۵)

سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۷۷

بعض دفعہ بھوک کی شدت کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہؓ کمر سیسے نہ کر سکتے تھے۔ اس حالت میں پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے اور کہنی سے زمین پر ٹیک لگا کر نیم دراز ہو جاتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ: —

” ایک دن میں اسی حالت میں شارع عام پر پڑا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ میرے پاس سے گزرے۔ میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کے بارے میں دریافت کیا۔ مقصد یہ تھا کہ وہ مجھے ساتھ چلنے کو کہیں گے اور کچھ کھلا دیں گے۔ لیکن وہ یوں ہی گزر گئے مجھے ساتھ نہیں لیا۔ ان کے بعد عمرؓ گزرے، انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا (ادھر سے) گزر ہوا۔ آپ نے میرے چہرے سے بھوک کا اندازہ فرمایا۔ ارشاد ہوا، ابو ہریرہ ہے؟ میں نے عرض کیا، میں حاضر ہوں یا رسول اللہ۔

پھر میں آپ کے ساتھ آپ کے خانہ اقدس میں پہنچا۔ آپ نے وہاں ایک پیالے میں دودھ رکھا ہوا پایا۔ گھر والوں سے دریافت فرمایا، یہ کہاں سے آیا ہے؟ جواب ملا، فلان صاحب نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا، ابو ہریرہ! اہل صفۃ کے پاس جاؤ اور سب کو بلا لاؤ۔ اہل صفۃ اسلام ہی کے وہاں تھے۔ نہ ان کا گھر تھا اور نہ ان کے پاس مال تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی صدقہ آتا تو آپ اس کو ان کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں سے کچھ استعمال نہ فرماتے اور جب آپ کے پاس کوئی ہدیہ آتا تو اسے استعمال فرماتے اور اہل صفۃ کو بھی شریک کر لیتے۔

(حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ) اس وقت مجھے رسول اللہ ﷺ کا ان لوگوں (اہل صفۃ) کو بلانے کے لیے بھیجا کچھ گراں معلوم ہوا۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ میرا خیال تھا کہ یہ دودھ مجھ ہی کو ملے گا اور اسے پی کر کچھ قوت آئے



گی۔ بھلا اتنے سے دودھ سے (تمام) اہل صفہ کا کیا بنے گا؟ لیکن رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل تو ضروری تھی۔ میں اہل صفہ کے پاس آیا (اور ان سے کہا کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ بلا رہے ہیں)

تمام اہل صفہ حضور کے کاشانہ اقدس میں حاضر ہو گئے۔ جب وہ سب بیٹھ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”الوہیرہ! اس پیالے کو لو اور ہر شخص کو دودھ پلاؤ“

میں باری باری ہر شخص کو دودھ پلانے لگا۔ ان میں سے ہر شخص نے خوب سیر ہو کر پیا۔ یہاں تک کہ میں نے سب کو فارغ کر دیا اور باقی دودھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا اور فرمایا، اب میں اور تم باقی رہے!

میں نے عرض کیا، جی ہاں یا رسول اللہ!

آپ نے فرمایا، لو پیو — میں نے پیا۔

آپ نے پھر فرمایا، پیو — میں نے پھر پیا۔

آپ فرماتے رہے، پیو — اور میں پیتا رہا۔

یہاں تک کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا اب مزید گنجائش نہیں ہے (میں اور نہیں پی سکتا) پس وہ باقی دودھ آپ نے لے لیا اور خود نوش فرمایا۔“

(سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۷۷، سیرۃ کبریٰ ص ۱۳ بحوالہ

ترمذی و مستدرک حاکم)

” ایک دفعہ (جبکہ مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی) میں عرسِ خطاب

کے پاس پہنچا۔ اس وقت وہ نماز کے بعد تسبیحات پڑھ رہے تھے۔ میں ان کے پاس کھڑا ہو گیا اور انتظار کرنے لگا۔ جب وہ فارغ ہو گئے تو میں نے قریب جا کر کہا کہ مجھے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھا دیجئے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ عمرؓ مجھے کھانے کی دعوت دیں گے (لیکن) انہوں نے (صرف اتنا کیا کہ) مجھے سورہ آل عمران کی چند آیتیں پڑھا دیں۔ پھر ہم دونوں ہاں سے چل پڑے۔ جب عمرؓ اپنے گھر کے قریب پہنچے تو وہ مجھے رواز پر چھوڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ شاید وہ کپڑے بدلیں گے اور پھر مجھے کھانے کے لیے بلائیں گے لیکن جب کافی دیر ہو گئی اور میں نے کچھ نہ پایا تو واپس چل پڑا سامنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لارہے تھے۔ آپؐ مجھ سے باتیں کرنے لگے اور فرمایا، ابوہریرہ! تمہارے منہ سے یہ سخت بو کیسی آرہی ہے، معلوم ہوتا ہے تم روزہ سے ہو۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں بغیر افطار کے مسلسل روزہ سے ہوں اور کوئی ایسی چیز میرے پاس نہیں ہے کہ میں اس سے روزہ افطار کروں۔

آپؐ نے فرمایا، میرے ساتھ چلے آؤ۔ میں آپؐ کے ساتھ چلتا گیا یہاں تک کہ آپؐ اپنے گھر پہنچ گئے۔ آپؐ نے اپنی ایک سیاہ قام (عبشی) باندی کو پکارا اور اس سے فرمایا کہ وہ پیالہ لاؤ۔

وہ پیالہ لے آئی۔ اس میں کچھ تھوڑا سا بچا ہوا کھانا تھا، شاید وہ جو کی پکی ہوئی کوئی چیز تھی۔ پیالہ میں جو کھانا تھا آپؐ تناول فرما چکے تھے البتہ تھوڑا بہت کناروں کے ساتھ لگا

ہوارہ گیا تھا۔ میں نے بسم اللہ پڑھی اور سمیٹ سمیٹ کر کھانے لگا یہاں تک کہ اسی سے شکم سیر ہو گیا۔

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۵۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۱،

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱)

حضرت ابوہریرہؓ سخت فقر و افلاس کے باوجود حریص نہیں تھے اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔ جو کچھ کھانے کو مل جاتا، اسی پر قناعت کرتے تھے۔ جب کچھ بھی نہ ملتا تو روزہ رکھ لیتے۔ ایک دن صبح کے وقت ان کے پاس چندہ کھجوریں تھیں، انہوں نے پانچ کھجوروں سے روزہ افطار کیا، پانچ سحری کے وقت کھا کر روزہ رکھ لیا اور پانچ روزہ افطار کرنے کے لیے باقی رکھ لیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱)

ارباب سیر کا بیان ہے کہ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت ابوہریرہؓ بھوک کی شدت کی وجہ سے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے اور منبر رسول کے درمیان غش کھا کر گر پڑتے۔ اسے والے (بعض) لوگ ان کو مجنون سمجھ کر ان کی گردن پر پاؤں رکھ دیتے۔ (بروایت دیگر ان کے سر ہانے بیٹھے جاتے) ابوہریرہؓ سر اٹھاتے اور کہتے، میں مجنون نہیں ہوں بلکہ بھوک کی وجہ سے مجھے غش آ گیا ہے۔

۴۲۶

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۳، سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۴۲۶)

مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ نے اپنی تصنیف ”سیرت کبریٰ“ میں ”جامع ترمذی“ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے:

”دوسرے اصحاب صفتہ کی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کوئی معین اور مستقل ذریعہ معاش نہیں رکھتے تھے چونکہ قوت لایموت اور دوسری ضروریات زندگی کی طرف سے بالکل خالی الذہن اور لا ابالی ہو کر داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کے

ارشادات گرامی سننے کے لیے شبِ روزِ بارگاہِ نبوت میں بیٹھے رہتے تھے اس لیے بسا اوقات فاقے پہ فاقے گزرتے تھے اور بہت کم ایسا ہوتا کہ شکم سیر کھانے کو مل گیا ہو۔  
لیکن ایک دفعہ انہیں اپنی فاقہ کشی دور کرنے کی عجیب ترکیب سوجھی۔ آستانِ نبوت میں کچھ کھجوریں لے گئے اور التماس کی:  
”یا رسول اللہ! ان میں برکت کی دعا کر دیجئے۔“  
آپ نے ان کھجوروں کو نئے کراٹھا کیا اور برکت کی دعا کر کے ان سے فرمایا کہ:

”ان کو لے جا کر اپنے توشہ دان میں رکھ لو اور جب ضرورت ہو، ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرو لیکن اس کو نہ کبھی التنا اور نہ جھاڑنا۔“

حضرت ابو ہریرہؓ نے ان کھجوروں کو ایک تحصیل میں رکھ لیا اور جب خواہش ہوتی اس میں سے نکال کر خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھاتے۔ انہوں نے اس میں سے بیسیوں من کھجوریں برآمد کر کے فاقہ کش مسکینوں میں تقسیم کیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس تحصیل کو متاعِ گراں مایہ کی طرح ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ آخر پیشواۓ اُمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے قریباً چھبیس سال بعد یعنی اس روز جبکہ ۳۵ھ ہجری میں امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ رگزین عالم جادواں ہوئے، سوء اتفاق سے وہ تحصیل الٹ گئی۔ کھجوریں گر کر تحصیل خالی ہو گئی، اس روز سے کھجوروں کی برآمد بھی موقوف ہو گئی۔

(سیرت کبریٰ جلد دوم ص ۸۳۱-۸۳۲ بحوالہ ترمذی)

نظاہر یہ روایت ان روایات سے متعارض معلوم ہوتی ہے جن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقر و فاقہ کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اس روایت سے ان روایات کی تطبیق کی صورت میں یہ ہو سکتی ہے کہ ”کھجوروں میں برکت کی دعا“ کا واقعہ اواخرِ عہدِ رسالت میں پیش آیا ہوگا۔ — واللہ اعلم بالصواب۔

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں امارتِ بحرین پر فائز ہونے تک فقر و فاقہ کی زندگی گزارتے رہے۔ امارتِ بحرین کے منصب پر فائز ہونے کے بعد وہ آسودہ حال ہو گئے، وہاں سے واپس آنے کے بعد بھی ان کے حالات اچھے رہے غالباً حکومت کی طرف سے وظیفہ بھی مقرر ہو گیا تھا۔



## رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی والہانہ خدمت

رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے علمی سرچشمہ سے کسب فیض کے ساتھ ساتھ حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللہُ تَعَالَى عَنْہُ حضور کی ہر قسم کی خدمت نہایت ذوق و شوق سے انجام دیتے اور اسے اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتے۔ خود ان سے روایت ہے کہ :

” رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ جب استنجے کو جاتے تھے تو میں آپ کو پانی لاکے دیتا تھا۔ پانی کے برتن تو رائیں (جو کاشی یا پتھر سے بنا ہوا ایک برتن ہوتا تھا) یا زکوہ میں (یعنی چمڑے کے چھوٹے مشکیزے میں) تو آپ اس سے طہارت کرتے تھے، پھر اپنے ہاتھ کو زمین کی مٹی پر ملتے تھے، پھر میں دوسرا برتن پانی کالاتا تھا تو آپ اس سے وضو فرماتے تھے۔“

(سنن ابی داؤد)

ایک اور حدیث میں کہتے ہیں کہ :

” مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ روزہ سے ہیں۔ میں نے کچھ کھجوریں کدو کے برتن میں بھگو دیں اور جب افطار کا وقت ہوا تو میں نے کھجوروں کا یہ شیرہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اسے دیکھا تو وہ شیرہ خوش مار رہا تھا اور اس میں نشہ کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا، اس کو دیوار پر مارو، اس کو تو وہ شخص پیتا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر یقین نہ رکھتا ہو۔“

(سنن ابی داؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ کی نیت یہ تھی کہ افطار کے وقت حضور کی

خدمت میں یہ مشروب پیش کر کے آپ کو راحت پہنچائی جائے یہ لنگ بات ہے کہ یہ مشروب جوش مار گیا اور حضور نے اسے پھینکے کا حکم دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوہریرہؓ پر بہت اعتماد تھا۔ آپ اصحابِ صفہ میں کوئی چیز تقسیم فرمانا چاہتے تو بسا اوقات حضرت ابوہریرہؓ کی وساطت سے تقسیم فرماتے اور اگر اصحابِ صفہ کو کسی جگہ بلانا چاہتے تو اکثر حضرت ابوہریرہؓ کو ارشاد فرماتے کہ وہ انہیں بلالائیں۔ اسی طرح آپؐ کبھی کبھی حضرت ابوہریرہؓ کو بطور خاص کوئی حدیث سناتے اور پھر انہیں حکم دیتے کہ اس حدیث کا عام لوگوں میں اعلان کر دو۔ (اس قسم کی کچھ مثالیں اس کتاب میں دوسری جگہ بیان کر دی گئی ہیں) مختصر یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، درسگاہِ نبوی کے ایک درویش طالب علم اور آپ کے جاں نثار ہی نہیں بلکہ آپ کے مستعد اور مخلص خادم بھی تھے اور بلاشبہ خدمتِ رسولؐ بھی ان کی زندگی کا ایک روشن پہلو ہے۔



## والدہ کا قبولِ اسلام

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی والدہ سے بے حد محبت تھی اور وہ ان کی خدمت اور اطاعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ انہیں اس بات کا گہرا احساس تھا کہ ماں جوانی میں بیوہ ہو گئی تھیں اور انہوں نے بڑے جوکھوں سے ان کی پرورش کی ہے۔ اس لیے وہ ان کے ادب و احترام میں کوئی کسر اٹھانہ رکھتے تھے اور کبھی کوئی ایسی بات نہ کرتے تھے جس سے ان کی دلآزاری ہو۔ ماں بھی فرمانبردار فرزند پر جان چھڑکتی تھیں لیکن جب حضرت ابوہریرہ نے اسلام قبول کیا تو ماں نے بیٹے کا ساتھ نہ دیا کیونکہ وہ پرانے خیال کی خاتون تھیں اور اپنا آبائی مذہب (بت پرستی) ترک کرنا انہیں کسی صورت میں گوارا نہ تھا۔ تاہم حضرت ابوہریرہ نے ان کے ادب و احترام میں کوئی کمی نہ کی اور برابر ان کی خدمت کرتے رہے۔ جب انہوں نے اپنے وطن سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو والدہ کو بھی ساتھ لے لیا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر بھی وہ اپنے آبائی مذہب سے سختی کے ساتھ چمپی رہیں۔ ان کے شرک کی وجہ سے حضرت ابوہریرہ دل ہی دل میں کڑھتے رہتے تھے۔ وہ ان کو بڑی نرمی سے اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتے اور اس کے محاسن و برکات سے ان کو آگاہ کرتے رہتے لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ آخر ایک دن نبی بی امیہ کے نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہونے کا وقت آ ہی گیا۔ اُس دن جب حضرت ابوہریرہ نے ماں کو دعوتِ اسلام دی تو انہوں نے نہ صرف اس دعوت کو ٹھکرا دیا بلکہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی شان میں بھی بہت بُرے الفاظ کہہ بیٹھیں۔ ادھر حضرت ابوہریرہ کو آنحضرت سے بے پناہ عقیدت اور محبت تھی، ان کو



ماں کی باتوں سے سخت صدمہ پہنچا، روتے ہوئے حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ واقعہ عرض کیا اور درخواست کی : —

”یا رسول اللہ! بارگاہِ ایندوی میں دعا کیجئے کہ وہ رحیم و کریم میری والدہ کو قبولِ حق کی توفیق دے۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت دعا کی، الہی ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔

حضرت ابوہریرہؓ گھر واپس آئے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور اندر سے پانی گرنے کی آواز آرہی ہے۔ وہ سمجھ گئے کہ ماں غسل کر رہی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو والدہ نے اس حالت میں دروازہ کھولا کہ دوسرے کپڑے تو پہن چکی تھیں لیکن سر پر دوپٹہ نہیں لیا تھا۔ جونہی حضرت ابوہریرہؓ نے گھر کے اندر قدم رکھا ماں بولیں : —

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ  
”میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔“

حضرت ابوہریرہؓ فرطِ مسرت سے بے خود ہو گئے، خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا : —

”یا رسول اللہ! بشارت ہو کہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے میری ماں کو ہدایت بخشی۔“

حضورؐ یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اب حضرت ابوہریرہؓ نے استدعا کی : —

”یا رسول اللہ! دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ سب مومنین اور مومنات

کے دل میں میری اور میری والدہ کی محبت پیدا کر دے۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ خود

حضرت ابوہریرہؓ کے قول کے مطابق جو مومن عورت یا مرد ان کے بارے میں سنتا ان سے محبت کرنے لگتا۔

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۵۵، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۰۱)

## والدہ کا ادب و احترام

حضرت امیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت خوش قسمت تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا مؤدب اور اطاعت گزار فرزند بخشا تھا۔ وہ والدہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو کہتے: —

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اُمَّتَا وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

(اے میری ماں، اللہ کی آپ پر سلامتی، رحمت اور برکتیں ہوں)

ان کی والدہ جواب دیتیں: —

وَعَلَيْكَ يَا بِنْتِي وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

(اے میرے فرزند تم پر بھی اللہ کی سلامتی، رحمت اور برکتیں نازل ہوں)

پھر حضرت ابوہریرہؓ کہتے: —

”و اماں جان! اللہ آپ کو بہتر بدلہ دے کہ آپ نے بچپن میں مجھے پالا پوسا۔“

ماں جواب دیتیں: —

”اے بیٹے! اللہ تجھے بھی اچھا بدلہ دے کہ تو نے بڑے ہو کر

میرے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا۔“

(ادب المفروض باب جناء الاولادین)

## والدہ سے تعلق خاطر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو والدہ سے جس قدر تعلق خاطر تھا

اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک دفعہ وہ چند دوسرے اصحاب صفحہ کے ساتھ بھوک سے پریشان ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”اس وقت کیسے آنا ہوا؟“

عرض کیا، ”یا رسول اللہ! بھوک کھینچ لائی ہے۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کا ایک طباق منگوایا اور ہر شخص کو دو دو کھجوریں دے کر فرمایا: —

”یہ دو کھجوریں کھاؤ اور اس کے بعد پانی پیو۔ یہی دو کھجوریں تمہیں

آج کے لیے کافی ہوں گی۔“

حضرت ابوہریرہؓ نے ایک کھجور کھالی اور دوسری اپنے دامن میں اٹھا کر رکھ لی۔ حضورؐ نے پوچھا: —

”ابوہریرہ! تم نے یہ کھجور کس لیے دامن میں رکھ لی؟“

انہوں نے عرض کیا: — ”یا رسول اللہ! اپنی والدہ کے لیے“

ارشاد ہوا: —

”تم یہ کھجور کھا لو ہم تمہاری والدہ کے لیے بھی تم کو دو کھجوریں دیں گے۔“

انہوں نے تعمیل ارشاد کی اور حضورؐ نے انہیں دو کھجوریں اور عطا کیں

تاکہ اپنی والدہ کی خدمت میں پیش کریں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندگی بھر والدہ کے خدمت گزار

رہے اور جب تک وہ حیات رہیں۔ ان کی تنہائی اور بڑھاپے کے خیال سے

حج کے لیے بھی نہ گئے۔ قیاس غالب ہے کہ ان کی والدہ بہت ضعیف ہوگی

اور ان کی زندگی میں حضرت ابوہریرہؓ نے صرف اس وجہ سے حج نہیں کیا کہ

ان کو بڑھاپے میں تنہا چھوڑنے سے تکلیف ہوگی اور اس عمر میں ان کو دیکھ

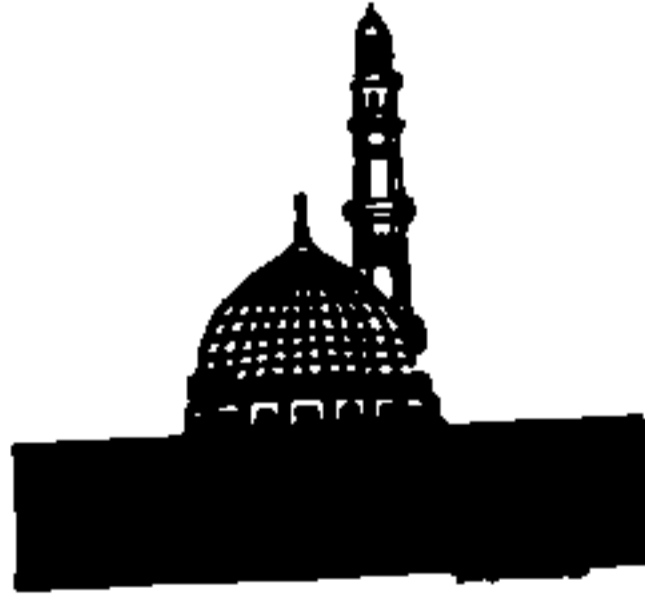
بھال کی سخت ضرورت ہے۔

اس سلسلے میں علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ والدہ

کی خدمت گزاری کے خیال سے (اور ان کی محبت کی بنا پر) حج پر نہیں گئے  
اس وقت تک کہ وہ فوت ہو گئیں۔

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۵۵ عن ابن شہاب زہری)

بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ابن سعد کی روایت میں حج سے  
مراد نفلِ حج ہے کیونکہ فرض حج کی سعادت وہ ۹۰ھ ہجری (حج اکبر) اور  
۹۰ھ ہجری (حجۃ الوداع) میں حاصل کر چکے تھے۔ دوسری طرف جب ہم  
دیکھتے ہیں کہ اُمّ ابی ہریرہؓ حضرت اُمیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سال وفات  
کسی نے بیان نہیں کیا تو پھر یہ قیاس آرائی سبھی کی جاسکتی ہے کہ وہ ۹۰ھ  
میں حج اکبر سے پہلے وفات پا چکی تھیں۔ یا سعادت مند فرزند ان کو اپنے ساتھ  
حج پر لے گئے ہوں گے۔ جہاں تک نفلِ حج کا تعلق ہے تو اس کا موقع  
حضرت ابو ہریرہؓ کو عہد رسالت کے بعد ہی ملا ہوگا۔ اگر حضرت اُمیمہؓ اس  
وقت زندہ تھیں تو پھر ان کی حیات میں حضرت ابو ہریرہؓ نے کوئی نفلِ حج  
نہیں کیا کیونکہ نہ تو وہ ان کو مدینہ میں تنہا چھوڑ سکتے تھے اور نہ اپنے ساتھ مکہ  
لے جاسکتے تھے (شاید ضعیف العمری کی وجہ سے ان کے لیے اتنا طویل سفر ممکن  
نہ ہو۔) وثوق کے ساتھ صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ  
”وہ اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب“



# عمرۃ القضاء میں شرکت

(۱۰ شعبہ ہجری)

صلحنامہ حدیبیہ (ذیقعدہ ۱۰ھ ہجری) کی ایک شرط (شوق یا دفعہ) یہ تھی کہ مسلمان اس سال (۱۰ھ ہجری میں) مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جائیں گے البتہ اگلے سال مسلمان مکہ میں داخل ہو سکیں گے اور تین روز تک قیام کر سکیں گے۔ ان میں سے کسی شخص کے پاس تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہ ہوگا اور تلوار بھی نیام میں ہوگی۔

چنانچہ ذیقعدہ ۱۰ھ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے مسلمانوں کو ساتھ لے کر عمرہ کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ امام محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ اس سفر میں صرف وہی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے جن کو پچھلے سال اللہ کے گھر جانے سے منع کیا گیا تھا۔ (سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۰)

بعض دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق وہ تمام اصحاب جو حدیبیہ میں حاضر تھے (سوائے ان کے جو گزشتہ ایک سال کے دوران میں دنیا سے رخصت ہو چکے تھے) وہ تو یقیناً اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے مگر دوسرے لوگوں پر بھی کوئی پابندی نہ تھی اس لیے اہل حدیبیہ کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی اس مقدس قافلے میں شامل ہو گئے اور قافلے میں شریک اصحاب کی تعداد دو ہزار تک پہنچ گئی (جبکہ اہل حدیبیہ کی تعداد چودہ سو یا اس سے کچھ زیادہ تھی) عورتیں اور بچے ان کے علاوہ تھے

(فتح الباری ج ۷ صفحہ ۱۰۰۰ اناد المعاجیلہ ص ۱۰۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اہل حدیبیہ میں سے نہیں تھے کیونکہ وہ مکہ کے آغاز میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تھے مگر ان کی خوش بختی دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی عمرہ القضاء میں شریک ہونے کا موقع عطا فرما دیا۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ میں اس سفر میں خادموں کی اس فہرست میں شامل رہا جو قربانی کے جانور لے کر جا رہے تھے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۳۱)

اہل حق کی آمد کے موقع پر مشرکین قریش شہر سے باہر نکل گئے۔ ایک وایت کے مطابق وہ اپنے گھروں سے نکل کر کعبہ کے شمال میں واقع جبل قعیقان پر جا بیٹھے۔ مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش اور دلی خوشی کے ساتھ عمرہ ادا کیا اور تین دن مکہ میں مقیم رہے۔ چوتھے دن صبح کے وقت مشرکین نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آکر کہا کہ اپنے صاحب سے کہو کہ اب مکہ سے رخصت ہو جائیں کیونکہ شرط کے مطابق مسلمانوں نے تین دن یہاں قیام کر لیا ہے۔ اہل حق سے بڑھ کر عہد پورا کرنے والا کون ہوگا، وہ پہلے ہی کوچ کی تیاری کر رہے تھے چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب مسلمانوں کو ساتھ لے کر عازم مدینہ ہو گئے۔

چونکہ یہ عمرہ صلنامہ حدیبیہ کے مطابق کیا گیا تھا اور ایسی صلح یا مصالحت کو عربی میں قضاء یا مقاضاة کہا جاتا ہے اس لیے اس کو عمرہ القضاء کہا جاتا ہے۔ بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ عمرہ چونکہ پچھلے سال کے عمرے کی قضاء کے طور پر ادا کیا گیا اس لیے عمرہ القضاء مشہور ہو گیا۔ اس عمرے کو عمرہ القضاء کے علاوہ عمرہ مصلح، عمرہ قضیہ اور عمرہ قصاص بھی کہا جاتا ہے۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۵۵)



## بحرین کا سفر

بحرین عرب کے مشرقی ساحل (احساء) کے مشرق میں چند چھوٹے چھوٹے جزیروں کا مجموعہ ہے۔ اس کا کل رقبہ ۲۴۰ مربع میل ہے۔ اس کے مغرب میں یمامہ یا نجد (سعودی عرب) شمال میں عراق اور جنوب میں قطر اور عمان واقع ہیں۔ یہاں کا ساحل سمندر موتیوں کے لیے مشہور ہے۔ اب اس علاقے میں تیل کے چشمے دریافت ہوئے ہیں جن کی وجہ سے اس ملک کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶۲۸ ہجری) کے وقت بحرین پر آل منذر یا منذرہ کی حکومت تھی۔ یہ لوگ ایران کی مجوسی حکومت کے زیر اثر تھے اور وہ بحرین پر ایرانی حکومت کے گورنر کی حیثیت سے حکمران تھے۔ اسی سال جب آنحضرت ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور رئیسوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو ایک خط بحرین کے گورنر المنذر بن سادی العبدی کے نام بھی بھیجا۔ اسی خط مکتوب الیہ کو پہنچانے کی ذمہ داری حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمائی گئی۔ کچھ دوسرے

۱۔ ابن اثیر نے ابن کلبی کے حوالے سے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:  
منذر بن سادی بن عبد اللہ بن زید بن عبد اللہ بن دارم تمیمی الداری  
ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک روایت کے مطابق ان کا تعلق بنو عبد القیس سے تھا۔ حضور ﷺ کا مکتوب مبارک ملنے پر منذر بن سادی مسلمان ہو گئے اور حضور کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی۔ آپ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا اور منذر کو اپنی طرف سے بحرین کا گورنر مقرر کر دیا۔ منذر نے عہد رسالت ہی میں وفات پائی تو حضور نے ان کی جگہ حضرت علاء الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صحابہؓ کو بھی آپ نے ان کے ساتھ کر دیا۔ حضرت علاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب مبارک لے کر منذر بن سادی کے پاس گئے تو یہودیوں اور مجوسیوں کے سوا تمام لوگ اس مکتوب مبارک کا مضمون سن کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ ان میں خود منذر بن سادی بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کو بحرین کا حاکم بنایا۔ ایک روایت کے مطابق منذر بن سادی کو بارگاہ نبوی میں حاضری کا شرف بھی حاصل ہوا۔ لیکن یہ روایت معتبر نہیں ہے۔ جہوٰ ارباب سیر نے انہیں ان بزرگوں میں شمار کیا ہے جو عہد رسالت میں اگرچہ سچے دل سے مسلمان تو ہو گئے لیکن کسی وجہ سے بارگاہ نبوی میں حاضر نہ ہو سکے۔

۱۱۔ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار مشہور صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ نسلاً حضرمی تھے اور وطناً یمنی۔ لیکن ان کے والد وطن کی سکونت ترک کر کے مکہ میں آئے تھے اور حرب بن امیہ سے حلیفانہ تعلقات قائم کر لیے تھے۔ حضرت علاءؓ یہیں پیدا ہوئے۔ ان کا نسب نامہ یہ ہے:

علاء بن عبد اللہ بن ضماہ بن سلمی بن اکبر

حضرت علاءؓ کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سلیم سے نوازا تھا۔ دعوتِ حق کے ادائل میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ وہ ان معدودے چند صحابہ میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ذیقعدہ ۳۱ ہجری کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوتِ اسلام کا خط دے کر بحرین بھیجا۔ وہاں کے حاکم منذر بن سادی نے اسلام قبول کر لیا۔ حضورؐ نے انہیں اپنی طرف سے بحرین کا امیر مقرر فرمایا مگر کچھ عرصے کے بعد آپؐ نے انہیں اس عہدے سے سبکدوش کر دیا اور حضرت ابان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا جانشین بنایا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت ابانؓ کے مستعفی ہونے پر حضرت علاءؓ کو دوبارہ بحرین کا عامل مقرر فرمایا۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



دوسرے اہل بحرن کے قبولِ اسلام کے بارے میں حضورؐ کو اطلاع دی تو آپؐ نے ان کو یہ فرمان بھیجا: (ترجمہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اسی آثار میں فتنہ ارتداد نے بڑا زور پکڑ لیا۔ حضرت علاءؓ نے کئی معرکوں کے بعد بحرن، بخر اور دارین کے مرتدین کو کچل ڈالا اور اپنے صوبے میں نظم و نسق پوری طرح بحال کر دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضرت علاءؓ کو اپنے عہدے پر قائم رکھا لیکن جب بصرہ آباد ہوا اور چھ مہینے کے بعد وہاں کے پہلے حاکم حضرت عتبہ بن غزو ان نے اپنے عہدے سے استعفا دے دیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے ان کی جگہ حضرت علاءؓ کو بصرہ کا امیر نامزد کیا۔ چنانچہ حضرت علاءؓ کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر بصرہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں حضرت علاءؓ اچانک سخت بیمار ہو گئے اور "لباس" کے مقام پر فوت ہو گئے۔ ان کی ازواج و اولاد کے بارے میں کتب سیر خاموش ہیں۔

ارباب سیر نے حضرت علاءؓ کے تذکرہ میں بعض ایسے واقعات بیان کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاصانِ خدا میں سے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول فرماتا تھا۔ ایک موقع پر ان کے اور دشمنوں کے درمیان سمندر کی ایک شاخ حائل ہو گئی۔ حضرت علاءؓ نے مسلمانوں سے کہا کہ میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ پھر وہ ایک دعا پڑھتے ہوئے سمندر میں داخل ہو گئے۔ سب مسلمان بھی ان کے پیچھے ہوئے۔ خدا کی قدرت تمام لوگ سمندر سے اس طرح گزر گئے جس طرح ریت پر سے گزرتے ہیں۔ ایک اور موقع پر ان کے لشکر کے پاس پانی ختم ہو گیا تو انہوں نے بلگاہِ نبی العزیزؐ میں نہایت خشوع و خضوع سے بارش کے لیے دعا کی۔ اس کے ساتھ ہی موسلا دھل بارش ہوئی اور ہر طرف پانی ہی پانی ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ - ق ۲ ص ۷۸)

” بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ كِی جَانِب سے متذربن ساوی کے نام - سلام علیک (تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو) میں اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جو بیکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں اللہ کی وحدانیت اور محضت کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ ابا بعد میں تم کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں اس لیے کہ جو نصیحت قبول کرتا ہے وہ اپنے ہی کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ جس نے میرے قاصدوں کی اطاعت کی اور ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے ان کے ساتھ خیر خواہی کی اس نے میرے ساتھ خیر خواہی کی۔“

اور میرے قاصدوں نے تمہاری تعریف کی ہے۔ میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کی پس وہ املاک مسلمانوں کے قبضہ میں چھوڑ دو جس پر وہ اسلام لائے ہیں اور خطا کاروں کو میں نے معاف کیا ان سے اسلام یا توبہ قبول کرو اور جب تک تم ٹھیک اور درست رہو گے ہم تم کو معزول نہیں کریں گے اور جو شخص اپنی یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ ہے۔“

اس مکتوب مبارک کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علاء اور ان کے ساتھی پہلا مکتوب مبارک متذربن ساوی کو پہنچا کر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ دوسری مرتبہ وہ فتح مکہ کے بعد سحرین گئے۔ جب منذر کی وفات کے بعد حضور نے انہیں سحرین کا عامل مقرر فرمایا۔

علامہ بلاذری نے ”فتوح البلدان“ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ہجر کے مجوسیوں کو بھی خط لکھا جس میں ان کو دعوت اسلام دی گئی تھی۔ یہ مکتوب گرامی بھی حضرت علاء سے کر گئے حضور

نے ان کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ کو بھیجا اور یہ ہدایات دیں۔

① ابوہریرہؓ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

② اگر اہل ہجر اسلام کی دعوت قبول نہ کریں تو ان سے جزیرہ لینا۔

ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرنا اور نہ ان کا ذبیحہ کھانا۔

علامہ بلاذریؒ نے یہ صراحت نہیں کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاءؓ کو اہل حجر کی طرف کب بھیجا۔ کیا اس وقت جب ہ منذر بن ساوی کے نام دعوت اسلام کا خط لے کر گئے یا اس وقت جب آپ نے منذر کی وفات کے بعد حضرت علاءؓ کو بحرین کا عامل مقرر فرمایا۔ اس سلسلے کی تمام روایات کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علاءؓ پہلی مرتبہ ۶۱۰ھ ہجری میں بحرین گئے۔ اور دوسری مرتبہ فتح مکہ (رمضان المبارک ۶۱۰ھ ہجری) کے بعد۔

پہلی مرتبہ ان کی حیثیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد یا سفیر کی تھی اور دوسری مرتبہ بحرین کے عامل یا حاکم کی۔ بلاذریؒ کے سوا کسی اور نے ان کے ہجر جانے کا الگ ذکر نہیں کیا۔

ہجر یمامہ سے متصلاً مشرق میں احساء کی ایک بستی تھی۔ "احساء" یمامہ یا نجد کے مشرقی جانب واقع ساحل کو کہا جاتا ہے۔ یہ قطر کی شمالی سرحد سے کویت کی جنوبی سرحد تک کئی سو میل پھیلا ہوا ہے۔ اس کے مغربی جانب دہنا اور نجد کا علاقہ ہے اور مشرقی جانب سمندر پھر بحرین کا جزیرہ واقع ہے۔ جزیرہ نملے عرب کی یہ وسیع اور ساحلی پٹی ہے جسے پہلے زمانہ میں ہجر اور بحرین کہا جاتا تھا۔ حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں بحرین کا لفظ اسی علاقہ کے متعلق آیا ہے اب اس کو احساء کہتے ہیں۔ گویا بحرین یا ہجر کا سفر ایک ہی بات ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاءؓ کو بحرین بھیجا تو بحرین میں ہجر کو بھی

شامل سمجھنا چاہیے۔ (جزیرۃ العرب از مولانا محمد رابع ندوی)  
 قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت  
 ابوہریرہؓ کو اس وقت حضرت علاؤ کے ساتھ بحرین بھیجا۔ جب وہ حضورؐ کی  
 طرف سے منذر بن سادی کی جگہ وہاں کے عامل (یا گورنر) بن کر جا رہے  
 تھے۔ ابن سعد نے حضرت علاؤ بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان  
 نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس وقت بحرین بھیجا  
 جب آپ (غزوہ حنین کے بعد) جعرانہ سے مدینہ منورہ واپس آ رہے تھے۔  
 (طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۲۶)

مستند روایات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیقعدہ  
 ۸ھ ہجری میں جعرانہ سے مدینہ منورہ کو مراجعت فرمائی۔ گویا حضرت  
 علاؤ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذیقعدہ ۸ھ ہجری میں بحرین گئے۔ حضورؐ نے ان  
 کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ کو بھیجا اور حضرت علاؤ کو بطور خاص ہدایت  
 فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ (طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۲۶)  
 بقول بعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کو اس وقت  
 حضرت علاؤ کے ساتھ بھیجا جب وہ آپ کا مکتوب مبارک لے کر منذر بن  
 سادی کے پاس گئے لیکن اس سلسلے میں دو مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ ایک یہ کہ  
 حضرت علاؤ پہلی مرتبہ ۸ھ ہجری میں بحرین گئے اور دوسری مرتبہ  
 ۸ھ ہجری میں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ ایک ہی مرتبہ ذیقعدہ  
 ۸ھ ہجری میں بحرین گئے۔ ان روایات کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم  
 ہوتا ہے کہ ۸ھ ہجری میں حضرت علاؤ کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بحرین جانے کی روایت بالکل غلط ہے کیونکہ وہ پہلی  
 مرتبہ محرم ۸ھ ہجری میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ صحیح یہی ہے کہ  
 وہ ذیقعدہ ۸ھ ہجری میں (عہد رسالت میں ایک ہی دفعہ) بحرین گئے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں :

» وہ (حضرت ابوہریرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں برابر حاضر رہے۔ علاؤ بن الحضرمی کی معیت میں سفر بحرن کے سوا وہ کبھی آپ سے جدا نہیں ہوئے۔ «

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۳)

ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت علاؤؓ کے ساتھ بحرن کے سفر پر روانہ ہوئے تو حضرت علاؤؓ نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے آپ مجھے بتائیں کہ بحرن میں آپ کس کام کا ذمہ لیں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے جواب دیا کہ آپ مجھے اذان دینے کی ذمہ داری سونپ دیں لیکن آپ آئین کہنے میں مجھ سے سبقت نہیں کریں گے۔ حضرت علاؤؓ نے یہ ذمہ داری ان کو دے دی۔ (طبقات ج ۲ ص ۳۶)

حافظ ابن حجرؒ نے حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحرن میں حضرت علاؤ بن الحضرمی کی طرف سے مؤذن تھے۔ انہوں نے امام (یعنی حضرت علاؤؓ) سے یہ وعدہ لے لیا تھا کہ وہ صفیں سیدھی کرنے میں حضرت ابوہریرہؓ کی مصروفیت کا لحاظ رکھیں گے اور نیت باندھنے میں جلدی نہیں کریں گے تاکہ وہ امام کے ساتھ آئین کہنے کی سعادت سے محروم نہ ہوں۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۲۱۷)

ارباب سیرنے یہ وضاحت نہیں کی کہ بحرن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قیام کتنا عرصہ رہا لیکن قرینہ یہ ہے کہ ان کا قیام چند ماہ تک ہی محدود رہا کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاؤؓ کو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد امارت بحرن سے سبکدوش کر دیا اور

ان کی جگہ حضرت ابان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحرن کا گورنر مقرر کیا۔  
 حضرت علاء بحرن سے مدینہ واپس آئے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 بھی ان کے ساتھ واپس آگئے۔ یہ واپسی ذی الحجہ ۹ھ ہجری سے پہلے  
 ہوئی کیونکہ ۹ھ ہجری کے حج میں ان کی شرکت قطعی طور پر ثابت ہے۔  
 (اس کی تفصیل "حج اکبر ۹ھ ہجری" کے عنوان کے تحت دیکھئے)  
 اب یہی علامہ بلاذری کی ہجروالی روایت تو دوسری روایتوں کے ساتھ  
 اس کی تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ حضرت علاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ امارت بحرن  
 کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو آپ نے  
 انہیں اہل ہجر کے بارے میں خصوصی ہدایات دیں اس لیے کہ وہاں کے  
 بیشتر لوگ مجوسی تھے۔ حالانکہ اردگرد کے اکثر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے  
 تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اہل ہجر کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور خاص  
 کوئی فرمان حضرت علاء کے ہاتھ بھیجا ہو۔ یہ فرمان اس مکتوب مبارک کے  
 علاوہ ہوگا جو آپ نے منذر بن ساوی کے نام بھیجا تھا۔  
 (واللہ اعلم بالصواب)



# حج اکبر ۹ ہجری

غزوة تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ یا ذی الحجہ ۹ ہجری میں رسول اکرم ﷺ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ حج کے لیے مکہ معظمہ روانہ فرمایا۔ اس قافلے کا امیر آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا۔ چونکہ حضورؐ خود بعض ضروری دینی کاموں کی وجہ سے حج کے لیے نہ جاسکے، آپ نے قربانی کے جانور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھیج دیئے۔ ان جانوروں (ادھوں) کی تعداد بیس تھی۔ آپ نے ان کی گردنوں میں اپنے دست مبارک سے قلاوے پہنائے اور قربانی کے نشان لگائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قربانی کے پانچ جانور بھی ساتھ لے لئے۔ اہل سیر و حدیث نے اس قافلے کے شرکاء میں حضرت ابوسہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام صراحت کے ساتھ لیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے معتم اور منادی کے فرائض انجام دیئے۔

مدینہ منورہ سے قافلے کی روانگی کے بعد سورۃ براءۃ (التوبہ) کا ابتدائی حصہ نازل ہوا جس میں بشرکین سے کیئے گئے معاہدوں نیز مناسک حج سے متعلق نہایت اہم احکام دیئے گئے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ احکام الہی ابوبکرؓ کو بھیج دیجئے تاکہ وہ حج میں ان کو سنادیں۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اس اہم معاملہ کا اعلان میری طرف سے میرے ہی خاندان کے کسی آدمی کو کرنا چاہیے (خون اور مال کے معاہدوں کے سلسلے میں عرب میں دستور تھا کہ متعلقہ آدمی یا تو خود اعلان کرے یا اپنے خاندان کے کسی فرد سے اعلان کرائے۔

خاندان سے باہر کے کسی شخص کا اعلان تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔) چنانچہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خدمت پر اس ہدایت کے ساتھ مامور فرمایا کہ حاجیوں کے مجمع عام میں یہ احکام الہی سنانے کے بعد حسب ذیل چار باتوں کا اعلان بھی کر دیں: —

(۱) بخت میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہوگا جو دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کرے۔

(۲) اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے۔

(۳) بیت اللہ کے گرد برہنہ طواف کرنا ممنوع ہے۔

(۴) جن لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ قائم ہے ان کے ساتھ مدت معاہدہ تک وفا کی جائے گی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرج یا وادی ضحمان میں ہوئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال گزرا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جگہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر الحج مقرر فرمایا ہے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے نفی میں جواب دیا اور کہا کہ مجھے حضور نے مامور (نقیب یا قاصد) بنا کر بھیجا ہے تاکہ ان احکام الہی کا اعلان کروں جو چند دن پہلے نازل ہوئے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو حج کے صحیح طریقے بتائے اور سکھائے۔ سب مسلمانوں نے انہی طریقوں کے مطابق حج کیا تاہم مشرکین نے حسب سابق اپنے طریقے پر حج کیا (اور یہ آخری حج تھا جس میں مشرکین شریک ہوئے)۔

دسویں ذی الحجہ کو حضرت ابو بکر نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور حضرت علی نے بابِ حمزہ کے پاس کھڑے ہو کر سورہ براتہ کی ابتدائی آیات پڑھیں



اور وہ اعلان بھی کیا جس کا حکم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی صحابہ کرام کی ایک جماعت بھیج کر یہ اعلان عام کرایا کہ آئندہ کسی مشرک کو حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی اور نہ کوئی برہمنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کر سکے گا۔ صحابہ کی اس جماعت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ صحیحین میں ان سے روایت ہے کہ:

”و جس حج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر کو امیر الحج مقرر کر کے بھیجا تھا یعنی حجۃ الوداع سے پہلے، اس سال ابو بکر نے مجھ کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ اس سال کے بعد نہ کوئی مشرک حج کرے اور نہ کوئی برہمنہ شخص بیت اللہ کا طواف کرے۔“

(مشکوٰۃ باب دخول مکة والطواف)

جن صحابہ کرام (بشمول حضرت ابو ہریرہ) نے اس موقع پر منادی کی خدمت انجام دی، بلند آواز سے بول بول کر ان کے گلے بیٹھ گئے۔ اس حج کو تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس میں کیے جانے والے اعلان براءۃ سے عرب میں مشرک اور مشرکین کا وجود گویا عملاً خلافِ قانون (OUT LAW) ہو گیا۔ ان کے اعتقادات، اخلاق، اعمال اور جاہلانہ طریق زندگی کو ناپاک قرار دیا گیا اور اسی بنا پر مسجد حرام میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔



ﷺ

## حجۃ الوداع میں رسول اکرم کی ہمراہی

سلسلہ ہجری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حجۃ الوداع میں رسول اکرم ﷺ کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوا۔ سلسلہ ہجری کے حج کی طرح حجۃ الوداع میں ان کی شرکت پر تمام ارباب سیر کا اتفاق ہے۔ حجۃ الوداع کے سلسلے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں :

○ رسول اللہ ﷺ نے (حجۃ الوداع کے سفر میں) ایک شخص کو دیکھا جو اپنے قربانی کے جانور کو ہنکائے لیے جا رہا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا، اس پر سوار ہو جا۔ اس نے عرض کیا، یہ قربانی کا جانور ہے۔ آپ نے پھر فرمایا، اس پر سوار ہو جا۔ اس نے پھر یہی کہا کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔ آپ نے (تیسری بار) فرمایا، اس پر سوار ہو جا۔ اس نے پھر یہی کہا کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔ آپ نے فرمایا، سوار ہو جا تجھ پر افسوس ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)

○ رسول اللہ ﷺ کو روضاء کے مقام پر ایک قافلہ ملا۔ آپ نے پوچھا، تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا، ہم مسلمان ہیں۔ پھر قافلے والوں نے پوچھا، تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا، میں اللہ کا رسول ہوں۔ ایک عورت نے اپنے بچے کو دکھا کر آپ سے پوچھا، کیا اس بچے پر بھی حج ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں اور تجھ کو (بھی) ثواب ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم)

حضور کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ خاتون بچے کو ساتھ لے کر حج

کر لے تو نیچے کو بھی حج کا ثواب مل جائے گا اور ماں بھی اس ثواب میں شریک ہوگی۔  
 ○ قبیلہ بنی شعم کی ایک عورت نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے عرض کیا،  
 یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے فرض حج نے میرے بوڑھے باپ کو پالیا (یعنی  
 اللہ نے اپنے بندوں پر حج کو فرض کیا ہے اور وہ فرض میرے باپ پر  
 اس وقت عائد ہوا ہے جب وہ بہت بوڑھا ہو چکا ہے اور چلنے پھرنے  
 سے قاصر ہے) کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں؟ آپ نے فرمایا،  
 ہاں اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

○ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تشریف لائے تو مکہ میں داخل ہونے کے  
 بعد سب سے پہلے حجرِ اسود کے قریب پہنچ کر آپ نے اس کا استلام کیا۔  
 پھر آپ نے طواف کیا، پھر صفا پہاڑی پر آئے اور اس کے اتنے اوپر  
 چڑھ گئے کہ بیت اللہ نظر آنے لگا۔ پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے (جس طرح  
 دعائیں اٹھائے جاتے ہیں) اور پھر جتنی دیر تک آپ نے چاہا، دعائیں  
 مشغول رہے یہ (سنن ابی داؤد)



۱۰ شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حجۃ الوداع میں  
 مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد پہلا طواف زیادہ پاکیا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں  
 جس طواف کا ذکر ہے وہ آپ نے دسویں ذی الحجہ سنہ ہجری کو منیٰ سے مکہ آ کر  
 کیا تھا اس وقت آپ اونٹنی پر سوار تھے تاکہ سوالات کرنے والے آپ سے سوال  
 کر سکیں۔

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

## میدانِ جہاد میں

### عہد رسالت

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف علم و فضل کے اعتبار سے نہایت بلند مقام پر فائز تھے بلکہ راہِ حق کے ایک سرفروش مجاہد بھی تھے۔ عہد رسالت میں پہلی مرتبہ غزوہ خیبر (محرم ۶۲۷ھ ہجری) میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد جن غزوات و سرایا میں شریک ہوئے، ان کی تفصیل یہ ہے :

### غزوہ وادی القریٰ

یہ غزوہ محرم ۶۲۷ھ ہجری میں غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا۔ بعض نے اس غزوے کو ”مہم فدک“ کا نام دیا ہے۔ فدک وادی القریٰ ہی کی ایک سببی ہے اس لیے اس کو غزوہ وادی القریٰ کہہ لیں یا غزوہ فدک، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وادی القریٰ خیبر اور تیماء کے درمیان واقع ہے۔ اس زمانے میں یہ بہت سرسبز اور شاداب تھی۔ وادی القریٰ (بالخصوص فدک) میں بہت سے یہودی آباد تھے۔ علامہ شبلی کا بیان ہے کہ جب خیبر کی فتح کے معاً بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی طرف بڑھے تو ان لوگوں نے لڑے بغیر نصف زرعی پیداوار سالانہ پر صلح کر لی۔ (سیرۃ النبی ج-۱)

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے لکھا ہے کہ خیبر سے واپسی کے وقت جب (حضور کا) یہاں (وادی القریٰ) میں قیام ہوا تو یہاں کے یہودیوں نے جنگ

کی ابتداء کی — خفیف سے مقابلہ کے بعد دشمن کو شکست ہوئی۔ یہودیوں کو ان کی اراضیات وغیرہ پر قابض رکھا گیا۔ (رحمۃ للعالمین جلد دوم)

اس غزوے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ خود ان سے روایت ہے:

”جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر سے وادی القریٰ گئے تو ہم اصبل میں ٹھہرے۔“ (تاریخ الامم والملوک طبری جلد ۳ ص ۱۶)

## غزوة ذات الرقاع

اس کو غزوة نجد بھی کہا جاتا ہے۔ بعض روایتوں میں اس کا سال وقوع ۶۲۷ھ ہجری یا ۶۲۸ھ ہجری بیان کیا گیا ہے لیکن جمہور ارباب سیر و حدیث (بشمول امام بخاری) نے اس کا سال وقوع غزوة خیبر کے بعد بیان کیا ہے۔ غزوة خیبر محرم ۶۲۷ھ ہجری میں پیش آیا اور غزوة ذات الرقاع بھی اسی سال (بلکہ اسی مہینے نفع خیبر کے فوراً بعد) پیش آیا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس غزوے میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما شریک تھے۔ حضرت ابو ہریرہ غزوة خیبر کے اختتام سے کچھ ہی پہلے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری اس وقت خدمت نبوی میں حاضر ہوئے جب خیبر نفع ہو چکا تھا۔ کتب سیر میں اس غزوے کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنو غطفان کچھ اور قبیلوں (بنو محارب، بنو ثعلبہ اور بنو نمار) کو اپنے ساتھ ملا کر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ نے باختلاف روایت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت ابوذر غفاریؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور چار سو (بروایت دیگر سات سو) صحابہ کو ساتھ لے کر ان کی سرکوبی کے لیے نجد کی طرف روانہ ہوئے۔

مدینہ سے دو دن کے فاصلے پر آپ نے بنو غطفان کے علاقے میں ایک ایسے میدان میں پڑاؤ ڈالا جس کے ارد گرد سیاہ سفید اور سرخ رنگ کی پہاڑیاں تھیں اسلامی لشکر کی آمد کی خبر سن کر بنو غطفان اور دوسرے قبائل منتشر ہو گئے اور کوئی لڑائی پیش نہ آئی البتہ آپ نے اس موقع پر صلوٰۃ خوف (حالت جنگ والی نماز) پڑھی۔

”ذات الرِّقَاع“ کے سفر میں مسلمانوں کو سخت مشکلوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا

پڑا۔ راستہ پتھر ملا اور دشوار گزار تھا اور اس میں جگہ جگہ کانٹے دار جھاڑیاں اور درخت تھے ادھر مسلمانوں کے پاس سواری کے جانور بہت کم تھے۔ چھ چھ آدمیوں کے پاس ایک اونٹ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ اس طرح ان کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نکلے۔ ہم چھ آدمیوں کے پاس ایک ہی اونٹ تھا جس پر باری باری سوار ہوتے تھے، اس لیے ہمارے پاؤں چھلنی ہو گئے۔ میرے دونوں پاؤں زخمی ہو گئے اور ناخن جھڑ گیا۔ چنانچہ ہم لوگ اپنے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹے رہتے تھے۔ اسی لیے اس کا نام ذات الرِّقَاع (چیتھڑوں والا) پڑ گیا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۹۲، صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۱۱۸ غزوہ ذات الرِّقَاع)

اس غزوے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ صحیح بخاری میں خود حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ نجد میں

لے ڈاکٹر غلام جیلانی برقی مرحوم نے لکھا ہے کہ ”ذات الرِّقَاع“ کے لفظی معنی ہیں، دھبیوں اور ٹکڑوں والی۔ اس سے مراد غطفان کا وہ میدان ہے جس کے گرد رنگ برنگ کی پہاڑیاں تھیں اور جن کی وجہ سے یہ مہم ”ذات الرِّقَاع“ کے نام سے مشہور ہو گئی۔ (نقوش لاہور رسول نمبر جلد ۳ ص ۱۰۷ حاشیہ ۱۰)

لیکن صحیحین کی روایت کے پیش نظر ان کی رائے قبول نہیں کی جاسکتی۔

صلوٰۃ خوف پڑھی ہے ( اور حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کی خدمت میں جنگ خیبر کے موقع پر حاضر ہوئے۔ )  
(صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۹۳)

## غزوہ فتح مکہ

رمضان المبارک ۸؍ ہجری میں حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو  
اُن دس ہزار قدوسیوں میں شامل ہونے کا مشرف حاصل ہوا جو فتح مکہ کے موقع  
پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے اور جن کا ذکر صدیوں پہلے  
”کتاب استثناء“ کی اس پیشین گوئی میں کیا گیا تھا۔

”خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ کوہ فاران سے وہ

جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک

آتشیں (یعنی نورانی) شریعت تھی۔“

غزوہ فتح مکہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی شمولیت پر تمام ارباب سیر کا اتفاق

ہے۔ صحیح بخاری اور دوسری کتب حدیث کی متعدد روایات سے اس کا ثبوت  
ملتا ہے۔

## غزوہ حنین

فتح مکہ کے معاً بعد غزوہ حنین پیش آیا۔ بعض قرآن سے معلوم ہوتا ہے

کہ حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

ہم رکاب تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حنین کا ارادہ کیا تو فرمایا اگر

اللہ نے چاہا تو ہم ”خیف بنی کنانہ“ میں ٹھہریں گے جہاں کفار

نے کفر پر قائم رہنے کی قسم کھائی تھی۔“ (بخاری جلد ۲ ص ۶۱۳)

بعض روایات میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی رسول صلی علیہ وسلم کا وہ خطبہ بھی نقل ہوا ہے جو آپ نے حنین سے واپسی پر حِجْرانہ کے مقام پر دیا تھا اور جس میں آپ نے انصار کے اوصاف بیان فرمائے تھے۔ ان روایتوں سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ غزوہ حنین میں بھی شریک تھے۔ جب وہ فتح مکہ میں شریک تھے تو غزوہ حنین میں پیچھے رہنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

## غزوہ تبوک (جیشِ عسرة)

مدینہ منورہ سے کوئی ساٹھ تین سو میل دور (بجانب شمال) اور خلیج عقبہ سے ایک سو میل دور مشرق میں تبوک شمالی عرب کا ایک شہر ہے۔ یہ شہر یثرب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر ملی کہ رومی فوجیں عرب کی شمالی سرحد پر جمع ہو رہی ہیں۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ رومیوں کو سرزمین عرب پر قدم رکھنے کی اجازت نہ دی جائے اور خود آگے بڑھ کر سرحدِ شام پر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے صحابہ کرام کو جہاد کی تیاری کا حکم دے دیا اور اس مقصد کے لیے دل کھول کر روپیہ اور مال اسباب دینے کی ترغیب بھی دی۔ صحابہ اور صحابیات نے اس موقع پر حیرت انگیز قربانی اور ایثار کا مظاہر کیا اور اپنی استطاعت سے بھی بڑھ کر مال و اسباب اللہ کی راہ میں نہایت خوشدلی سے پیش کر دیا۔ عورتوں نے اپنے زیور اتار کر دے دیئے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار دینار ایک سو گھوڑے اور نو سو اونٹ پیش کیے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کا نصف سامان اٹھالائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کا سارا مال اسباب حتیٰ کہ سوئی سلاخی بھی لے آئے اور گھر میں جھاڑو پھیر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

”ابو بکر! گھر میں بھی کچھ چھوڑا ہے؟“



غرض کیا ہے۔ ” اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا کچھ نہیں چھوڑا میرے لیے یہی کافی ہے۔ “

غرض ہر مسلمان نے اتفاق فی سبیل اللہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اُس سال خشک سالی نے قیامت ڈھار رکھی تھی اور سارے ملک میں قحط کے آثار تھے۔ اہل مدینہ کی امیدیں اپنے نخلستانوں سے وابستہ تھیں جن میں کھجور کے درختوں پر پھل گدرا چکے تھے اور ان کے آمارنے کا وقت قریب آ پہنچا تھا۔ ان حالات میں تپتے ہوئے بے آب و گیاہ صحراؤں میں سارٹھے تین سو میل کا پیر صعوبت سفر اختیار کرنا بہت بڑا امتحان تھا جس میں اہل حق پورے اترے اور رجب ۹ھ ہجری میں تیس ہزار مجاہدین سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی ہمرکابی میں عازمِ تبوک ہو گئے۔ حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بھی ان مردانِ حق میں شامل تھے۔ اسلامی لشکرِ تبوک پہنچ کر وہاں بیس دن تک رہا لیکن رومی فوج سامنے نہ آئی اُس لیے آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ واپس تشریف لے آئے۔ تبوک کے سفر میں مسلمانوں کو طرح طرح کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ کہیں انہیں سبوک پیاس نے ستایا تو کہیں جھلس دینے والی لُونے۔ کہیں صحرا کی زہریلی ہواؤں نے ہلکان کیا تو کہیں جلا دینے والی دھوپ نے۔ اسی لیے اس غزوے کو ”جیشِ عسرة“ بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ ساری تکلیفیں منسی نوشی برداشت کیں۔ غزوہ تبوک میں حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شرکت پر سب کا اتفاق ہے۔

## بعض سرایا میں شرکت

مذکورہ بالا غزوات کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بعض سرایا میں بھی شریک تھے۔

صحیح بخاری اور مُسنَدِ احمد میں حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہ بیان

نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک (مختصر) لشکر کے ساتھ بھیجا اور دو (دشمن اسلام) آدمیوں کے نام لے کر فرمایا کہ اگر وہ تمہیں مل جائیں تو ان دونوں کو آگ میں جلا دو۔ لیکن جب ہم روانہ ہونے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے تمہیں فلاں فلاں کو جلا نے کا حکم دیا تھا مگر آگ کا عذاب دینا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اگر وہ تمہیں مل جائیں تو انہیں (تلوار سے) قتل کر دو۔ (بخاری ج ۲۲۲، مسند احمد جلد ۵ ص ۲۰۶)

ایک اور موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خاص جہم پر مامور فرمایا۔ جب وہ چلنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس انہیں الوداع کہا اور فرمایا، میں تجھے اللہ کی امانت میں دیتا ہوں جس کی امانت کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ (ابن ماجہ ج ۲ ص ۵۴۳)

کچھ اور روایات سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض دوسری سرایا میں بھی شرکت کا اشارہ ملتا ہے۔

(عہد رسالت کے بعد)

## عہدِ صدیقی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سریرِ آراءِ مسخلافت ہوئے تو دفعۃً سارے عرب میں فتنہ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ انصارِ مدینہ، قریش مکہ اور ثقیف طائف کے سوا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جو حضور ایا بہت اس فتنے سے متاثر نہ ہوا ہو۔ اس طرح خلافتِ اسلامیہ آغاز ہی میں شدید مشکلات سے دوچار ہو گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے مثال عزیمت و استقامت عطا کی تھی۔ انہوں نے اس فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہر قسم کی رکاوٹوں اور مشکلات کے علی الرغم دس ماہ کے اندر اندر اس کو کچل کر رکھ دیا۔ اس پُر آشوب اور انتہائی نازک زمانے میں جن اصحاب نے حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دیا اور اس تباہ کن فتنے کے استیصال کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کیا وہی سچے اور پکے یا حقیقی معنوں میں مخلص مسلمان تھے۔ وہ اپنی جان مال اولاد ہر شے قربان کر سکتے تھے لیکن ان کو یہ گوارا نہ تھا کہ اسلام پر کسی قسم کی آنچ آئے۔ حضرت ابوسہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہی مخلص مؤمنین میں شامل تھے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں فتنہ ارتداد کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا۔ اس سلسلے میں وہ روایت کرتے ہیں کہ :

”و نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس وقت تک لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک لوگ کلمہ طیبہ نہ پڑھیں۔ جب لوگوں نے یہ کلمہ پڑھ لیا تو انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور مال بچا لیے البتہ اگر اسلام کے کسی حق کی وجہ سے ان کا خون اور مال مباح ہو تو یہ دوسری بات ہے اور جہاں تک اعمال کے محاسبے کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کرے گا۔ جب بدو (ارتداد) کا فتنہ پیا ہوا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے باوجود لوگوں سے کیوں لڑ رہے ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، خدا کی قسم میں صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں تفریق نہیں کروں گا جو ان دونوں میں تفریق کرے گا میں اس سے لڑوں گا یہ پس ہم نے

لے بہت سے مرتدین یہ کہتے تھے کہ ہم سے نماز پڑھو اور لیکن زکوٰۃ نہ لو چونکہ مرتدین کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ فی الحال ان کے ساتھ کچھ نرمی کی جائے حالاً اعتدال پر آجائیں گے تو پھر سب سے نمٹ لیا جائے گا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نکتے سے متفق نہ ہوئے اور فرمایا جو کوئی عہد رستا میں بکری (ریازنٹ) کی دسی بھی زکوٰۃ میں دیتا تھا اس سے ضروری جلتے گی میں اپنی زندگی میں اسلام کے کسی رکن کا انہدام گوارا نہیں کر سکتا۔

حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ مل کر مرتدین کے خلاف جنگ کی اور بھلائی اسی  
میں دیکھی۔“  
(مسند احمد جلد ۱ ص ۱۸۱)

فتنہ رِدّہ کے استیصال کے سلسلے میں مرتدین سے بہت سی خونریز لڑائیاں  
ہوئیں۔ اور بابِ سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کس کس لڑائی میں شریک ہوئے، البتہ یہ بات ثابت ہے کہ اُن کا شمار ان صحابہ کرام  
میں ہے جو ”الردّہ“ کے استیصال میں خلیفۃ الرسول سیدنا ابو بکر صدیق  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستِ دباؤ بنے اور جنہوں نے اسلام کی کشتی کو گردابِ بلا  
سے نکلانے کے لیے اپنی جانوں کی بازی لگا دی۔

## عہدِ فاروقی

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کے عہدِ خلافت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے میدانِ جہاد  
میں پہنچ گئے۔ شام میں رومیوں اور مجاہدین اسلام کے درمیان بہت سی لڑائیاں  
ہوئیں، ان میں سب سے خونریز جنگ ”جنگِ یرموک“ تھی۔ مؤرخ ابن عساکر  
نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرموک کی لڑائی میں شریک  
تھے۔ (تاریخ دمشق ط ۱ ص ۲۲۹ معرکہ یرموک)

یرموک کے خونریز معرکہ میں رومیوں نے کئی موقعوں پر مسلمانوں پر اس  
قدر دباؤ ڈالا کہ اگر حضرت معاذ بن جبل، حضرت حجاج بن عبد یغوث، حضرت  
عمر بن طفیل، حضرت جندب بن عمرو، حضرت ابو ہریرہ اور ان جیسے دوسرے  
جاننازا انہیں سنبھال نہ لیتے تو ان کے قدم اکھڑ گئے ہوتے۔ ایسے ہی ایک  
موقع پر جب رومی میسرے نے اسلامی میمنے پر تباہ کن حملہ کیا تو قبیلہ ازد دشمن  
کے سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑا ہو گیا۔ بنو دوس، ازدہی کا بطن تھے اس  
لیے اسلامی لشکر کے ازدی دستوں میں حضرت ابو ہریرہ اور دوسرے دوسی

مجاہدین بھی شامل تھے۔ حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عمرو بڑی بے جگری سے رومیوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ وہ تلوار چلاتے جاتے اور اپنے قبیلے کو لکارتے جاتے تھے کہ خبردار از دیو تمہاری وجہ سے مسلمانوں پر شکست کا داغ نہ آئے۔

ان کے ہاتھ سے رومیوں کے نو بڑے بڑے بہادر مارے گئے۔ آخر رومیوں نے ان کو گھیر کر تیروں تلواروں اور برچھیوں کا مینہ برسایا اور وہ جام شہادت پی کر جنت الفردوس کو سدھارے۔

حضرت جنید بن عمرو ازدی نے اپنے جھنڈے کو زور سے ہلا کر بلند آواز سے کہا: —

”اے قوم ازدا! تم میں سے کوئی ہمیشہ زندہ نہ رہے گا۔ نہ اس وقت تک اپنے کو معصیت اور خواری سے بچا سکے گا جب تک وہ پوری استقامت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ نہ کرے گا۔ کان کھول کر سن لو کہ بھل گئے والے کے لیے ذلت ہے اور مرنے والے کے لیے شہادت۔ اس موقع پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آگے بڑھے اور اپنے قبیلے کو

اے حضرت عمرو بن طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی شرف صحابیت حاصل تھا۔ وہ عرب کے نامی بہادروں میں شمار ہوتے تھے اور ”فارس العرب“ کے لقب سے مشہور تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں اپنے والد کے ہمراہ مسلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کی لڑائی میں شریک ہوئے اور نہایت بہادری سے لڑے۔ حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی لڑائی میں شہید ہو گئے اور حضرت عمرو کا ایک ہاتھ شہید ہو گیا۔ اس سانحہ کے باوجود ان کا جذبہ جہاد سرد نہ ہوا اور وہ یرموک کی خونیں جنگ میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس لڑائی میں وہ فوج کے ایک حصے کے افسر تھے۔

لٹکار کر کہا:

” بہادر و ہورانِ بہشتی تمہاری منتظر ہیں۔ ان سے ملنے کے لیے اپنے کو آراستہ کر لو۔ اللہ تعالیٰ کا تقرب اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کمر بستہ ہو جاؤ۔“

اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیکی کی اس سے زیادہ پسندیدہ جگہ کوئی نہیں ہے جہاں تم اس وقت کھڑے ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لٹکار سن کر قبیلہ ازد کے بہادران کے گرد جمع ہو گئے اور پھر سب نے مل کر اس زور کا جوابی حملہ کیا کہ رومیوں کے قدم لڑ کھڑا گئے۔ عین اس وقت بیس ہزار تازہ دم رومی فوج ان کی مدد کے لیے پہنچ گئی تاہم ازدی مجاہدین نہایت ثابت قدمی سے لڑتے رہے۔ ادھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے مہینے کا حال معلوم ہوا تو وہ اپنے رسالے کے ساتھ اس کی مدد کو پہنچ گئے اور اپنے بے پناہ حملوں سے رومیوں کے قدم اکھاڑ دیئے۔ (فاتح شام از ابو محمد امام الدین رام نگری)

ارباب سیر نے تصریح تو نہیں کی لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کے کئی اور معرکوں میں بھی رومیوں کے خلاف دادِ شجاعت دی ہوگی۔

علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب آذربائیجان اور آرمینیا (بلا د ارمن) پر فوج کشی ہوئی تو حضرت عبدالرحمن بن ربیعہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آرمینیا کی تسخیر پر مامور ہوئے یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کے لشکر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۔ حضرت عبدالرحمن بن ربیعہ قبیلہ باہلہ کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:  
عبدالرحمن بن ربیعہ بن یزید بن سم بن عمرو بن ثعلبہ (یا فضلہ) بن غنم بن قتیبہ بن معن باہلی  
(بانی حاشیہ رگے صنفہ پر)

ایک مجاہد کی حیثیت سے شریک تھے۔ اسلامی لشکر یغار کرتا ہوا شہر "باب" کے قریب پہنچ گیا۔ وہاں کے مجوسی حاکم شہر برازنے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی اور ان کے ساتھ ہولیا۔ پھر حضرت عبدالرحمن مملکت خزر (آرمینیہ) کے پایہ تخت بلنجر کی طرف بڑھے۔ شہر برازنے تعجب سے کہا یہ آپ کیا کر رہے ہیں، ہم لوگ تو اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ ارمنی ہم پر چڑھ کر نہ آئیں۔ جوش جہاد سے سرشار حضرت عبدالرحمن نے فرمایا، لیکن میں تو جب تک ارمنی مملکت کے جگہ میں نہ گھس جاؤں آگے بڑھنے سے نہیں رک سکتا۔ چنانچہ انہوں نے شہر بیضا کو مسخر کر لیا۔ اس اثناء میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی وجہ سے عہد فاروقی ختم ہو گیا اور مسلمانوں کی پیش قدمی رک گئی۔

## عہد عثمانی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان ذوالنورینؓ مسند نشینِ خلافت ہوئے۔ ان کی خلافت کے نویں سال (۳۵ھ ہجری میں)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حضرت عبدالرحمنؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شرف تو حاصل ہوا لیکن ان سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ وہ عالم فاضل آدمی تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں قادیسیہ (عراق عرب) کی لڑائی میں مسلمانوں نے فتح پائی تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایت کے مطابق بل غنیمت کی وصولی اور تقسیم کا کام حضرت عبدالرحمنؓ کے سپرد کیا گیا اس کے علاوہ ان کو قضا کے عہدے پر بھی مقرر کیا گیا۔ چند سال کے بعد وہ آرمینیہ کی تسخیر پر مامور ہوئے۔ وہ آرمینیہ میں فاتحانہ پیش قدمی کر رہے تھے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے شہادت پائی اور یہ مہم ناتمام رہ گئی۔ عہد عثمانی میں وہ پھر آرمینیہ کی تسخیر پر مامور ہوئے اور معرکہ بلنجر میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ (انسد الغابہ)

ایک مہم بقول بعض حضرت سعید بن العاصؓ اموی کی قیادت میں بلنجر کی طرف روانہ کی گئی۔ ایک روایت کے مطابق بلنجر پر حملہ کرنے والی فوج

لے حضرت سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار صحابہ کرام (کسب) صحابہ میں ہوتا ہے

ان کا تعلق قریش کی شاخ بنو امیہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :

سعید بن عاص بن ابواحیم سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناب بن قصی

عہد رسالت میں کم سن تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد انہوں نے اہل بیت

حضرت عائشہؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور کئی دوسرے صحابہ کرام سے کسب فیض

کیا اور فضلاء صحابہ میں شمار ہونے لگے۔ نہایت بہادر طباع اور دانا آدمی تھے۔ عہد صدیقی

اور عہد فاروقی میں زیادہ تر تحصیل علم میں مشغول رہے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد خلافت

(۳۵ھ) میں انہیں کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ اس عہدے پر وہ چار پانچ سال تک فائز

رہے۔ اس عرصے میں انہوں نے شاندار عسکری کارنامے سر انجام دیئے۔ ان میں طبرستان

اور جرجان وغیرہ کی تسخیر شامل ہے۔ امارت کوفہ سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ مدینہ منورہ

واپس آگئے۔ ۳۵ھ ہجری میں باغیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے مکان کا محاصرہ کیا تو

حضرت سعید نے کچھ دوسرے صحابہ (بشمول حضرت ابو ہریرہؓ) سے مل کر کاشانہ خلافت

کی حفاظت کا فرض انجام دیا اور باغیوں سے ایک جھڑپ کے دوران میں شدید زخمی ہو گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد وہ مکہ جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔ امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں

کچھ عرصہ مدینہ کے والی بھی رہے۔ باختلاف روایت ۳۵ھ، ۳۶ھ، ۳۷ھ، ۳۸ھ، ۳۹ھ میں

مدینہ منورہ سے چند میل دور العقیق کے مقام پر اپنے مکان میں وفات پائی۔ نہایت دریا دل اور

سخی تھے۔ ان کی سخاوت اور جود و سخا کے بہت سے واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ ایک

روایت کے مطابق عہد عثمانی میں انہوں نے قرآن کریم کی کتابت میں بھی حصہ لیا۔ اہل سیر

نے ان کی جود و سخا کے علاوہ شرافت، شجاعت، عقل و دانش، فہم و تدبیر اور وقار و

علم کی بے حد تعریف کی ہے۔



کے سپہ سالار حضرت عبدالرحمن بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اس فوج میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ اہل بلخ اور ترک کفار متحد ہو کر مسلمانوں کے مقابل ہوئے۔ فریقین میں خونریز لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں حضرت عبدالرحمن بن ربیعہ نے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی اور مسلمانوں کو وقتی طور پر اس محاذ سے پسپا ہونا پڑا۔ پھر مسلمانوں نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا۔ ایک حصہ تو بلاد خزر (آرمینیا) میں مصروف جہاد رہا اور دوسرا جیلان اور جرجان کی طرف بڑھا۔ حضرت ابوہریرہ اور حضرت سلمان فارسیؓ اس دوسرے حصے میں شامل ہو گئے۔ جیلان اور جرجان کی تسخیر کے سلسلے میں جو معرکے پیش آئے حضرت ابوہریرہ نے ان میں سرفروشانہ حصہ لیا۔ طبریؒ، ابن اثیرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اس واقعہ کو اپنے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے اور اس میں صراحت کے ساتھ حضرت ابوہریرہ اور حضرت سلمان فارسیؓ کے نام لیے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ کے الفاظ یہ ہیں :

”..... فَقَتِلَ يَوْمَئِذٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ رَبِيعَةَ كَانَ يُقَالُ لَهُ ذُو النُّورِ وَالنُّهْزَمُ الْمُسْلِمُونَ قَاتَلُوا فِرْقَتَيْنِ فِرْقَةً ذَهَبَتْ بِبِلَادِ الْخُزُرِ وَفِرْقَةً سَلَكَوْا نَاحِيَةَ جِيلَانَ وَجُرْجَانَ وَفِي هَوْلَاءِ الْبُؤْهِرِيَّةِ وَسَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ“

(ابدیہ و النہایہ ص ۱۹ جلد سابع تحت سنۃ ۳۲ھ طبع مصر)

دینر تاریخ ابن جریر طبری ج ۵- ص ۵۸ تحت سنۃ ۳۲ھ طبع مصر قدیمی و

الکامل لابن اثیر ج ۳- ص ۶۶ تحت سنۃ ۳۲ھ طبع مصر

علامہ ابن اثیرؒ نے ”تاریخ الکامل“ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ

کہ آرمینیہ ۳۱ھ میں حضرت حبیب بن مسلمہ فہریؓ کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ اس صورت میں ۳۲ھ میں آرمینیہ پر دوبارہ چڑھائی کا سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل آرمینیہ نے بغاوت کر دی ہوگی۔ قیاس یہ ہے کہ آرمینیہ کی تسخیر کے لیے مختلف موقعوں پر دو تین مہمیں بھیجی گئیں۔ ان مہموں کے سنہین کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔ بہر صورت یہ بات ثابت ہے کہ آرمینیہ جرجان وغیرہ کی تسخیر کے سلسلے میں جو لڑائیاں پیش آئیں ان میں حضرت ابو ہریرہؓ شریک تھے۔ ان لڑائیوں سے فارغ ہو کر حضرت ابو ہریرہؓ مدینہ منورہ واپس آ گئے اور پھر اپنی وفات تک کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے تاہم جذبہ جہاد

۱۔ حضرت ابو عبد الرحمن حبیب بن مسلمہ فہری کا شمار قرن اول کے نامور فاتحین میں ہوتا ہے۔ واقعہً نے ان کے صحابی ہونے سے انکار کیا ہے لیکن امام بخاری نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے :

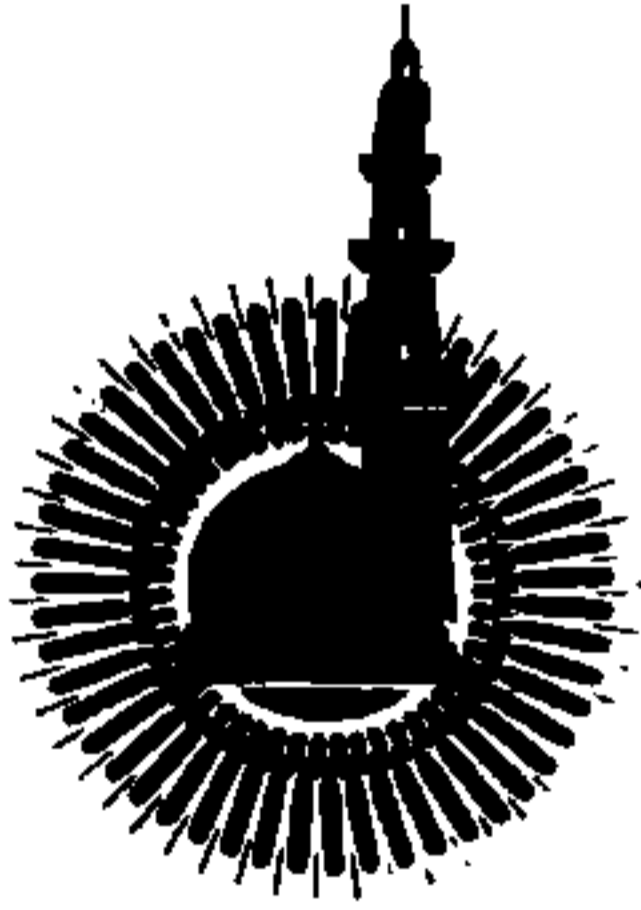
حبیب بن مسلمہ بن مالک اکبر بن وہب بن ثعلبہ بن وایلہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر بن مالک فہری۔

حضرت حبیب نے عنقوان شباب میں اسلام قبول کیا۔ عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں شام میں رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں حصہ لیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں ان کو آذربائیجان کا گورنر بنایا اور آرمینیہ کی تسخیر کا حکم دیا۔ انہوں نے عہدِ عثمانی میں اور بھی کئی معرکے سر کیے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جنگِ صفین ہوئی تو حضرت حبیب نے امیر معاویہؓ کا ساتھ دیا۔ انہوں نے ۳۲ھ ہجری میں (بعہدِ خلافت امیر معاویہؓ) وفات پائی۔ عہدِ عثمانی میں حضرت حبیب نے رومیوں کے خلاف بہت سی مہموں کی قیادت کی۔ اسی بنا پر "حبیب الروم" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ شام کے متعدد شاعروں نے اپنی رجزیہ نظموں میں ان کی شجاعت اور جانبازی کی بہت تعریف کی ہے۔

ان کے دل میں عمر بھر موجزن رہا۔ اس کا ثبوت ان سے مروی اس حدیث سے ملتا ہے :-

« رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ لیا (کیا) تھا۔ مجھے اس غزوہ میں شریک ہونے کا موقع نصیب ہوا تو میں اپنی جان اور مال سے اس میں لڑوں گا۔ اگر اس میں قتل ہو گیا تو بہترین شہید ہوں گا۔ اور اگر زندہ واپس آ گیا تو دوزخ سے آزادی کا پروانہ لے ہوئے ابو ہریرہ ہوں گا۔»

(سنن نسائی جلد ۲ ص ۵۶ کتاب الجہاد مستدرج جلد ۲ ص ۱۷)



# عہد رسالت کے بعد

## حضرت ابو ہریرہؓ کے شب و روز

یہاں ہم حضرت ابو ہریرہؓ کے جن شب و روز کا اجمالاً ذکر کر رہے ہیں۔ ان میں وہ شب و روز شامل نہیں ہیں جو انہوں نے میدان جہاد یا علمی سرگرمیوں میں گزارے۔ ان کی تفصیل الگ ابواب میں بیان کی گئی ہے۔

## حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں

بعض ابواب سیر نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ملکی معاملات میں کوئی حصہ نہیں لیا اس لیے کہیں نمایاں طور پر نظر نہیں آتے۔ اس مدت میں وہ خاموشی کے ساتھ اشاعتِ حدیث میں مصروف رہے۔ لیکن مسند احمد حنبلی، اور "طبقات ابن سعد" کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تجربہ کے پیش نظر ان کو دوبارہ بحرن کا عامل مقرر کیا تو حضرت ابو ہریرہؓ بھی بحرن چلے گئے اور حضرت علاء کے ساتھ مل کر مرتدین کے خلاف جہاد کیا۔ مسند احمد میں خود حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ "ہم نے حضرت ابو بکرؓ کی معیت میں مرتدین کے خلاف جہاد کیا اور اس میں بھلائی پائی۔" اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فتنہ ارتداد کے استیصال

کے سلسلے میں جو لڑائیاں پیش آئیں ان میں سے بعض میں حضرت ابوہریرہؓ شریک تھے۔

بعض روایات کے مطابق حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات (جمادی الاخر ۳۱ھ ہجری) کے وقت حضرت ابوہریرہؓ حضرت علاءؓ کے پاس بحرین میں تھے۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ حضرت علاءؓ نے ان کو کونسی ذمہ داری سونپ رکھی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے کوئی ذمہ داری نہ سونپے جانے کی صورت میں بھی حضرت ابوہریرہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کا کام اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ جہاں بھی ہوتے اس ذمہ داری کو نباہتے رہتے تھے۔

## حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسندِ نشینِ خلافت ہوئے تو انہوں نے بھی حضرت علاء رضی اللہ عنہ کو امارتِ بحرین کے منصب پر قائم رکھا۔ طبقات ابن سعدؒ کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی حضرت ابوہریرہؓ کا قیام بحرین میں تھا۔ کچھ عرصہ بعد بصرہ کے نوآباد شہر کے والی حضرت عقبہ بن غزوٰان نے وفات پائی تو امیر المؤمنین نے ان کی جگہ حضرت علاءؓ کو بصرہ کا گورنر نامزد کیا۔ وہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ بحرین سے بصرہ کے لیے روانہ ہوئے لیکن راستے ہی میں ان کا وقتِ آخر آ پہنچا اور انہوں نے

۱۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے حضرت علاءؓ کو ایک فرمان بھیجا۔ یہ فرمان ملتے ہی علاءؓ بحرین سے ایک جماعت کے ساتھ نکلے، اس میں حضرت ابوہریرہؓ اور ابو بکرؓ بھی شامل تھے۔ (طبقات ج ۲ ص ۲۶۱)

”لباس“ کے مقام پر وفات پائی۔ امیر المؤمنینؑ کو اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت قدامہ بن مظعون کو بحرین کا گورنر مقرر کیا۔ اور حضرت ابوہریرہؓ بھی حضرت علیؑ کو سپردِ خاک کر کے بحرین واپس آگئے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ امیر المؤمنینؑ نے حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحرین کے تمام مالی امور (مالیات) کا نگران و امیر بنایا اور حضرت ابوہریرہؓ کو اعدا (خلاف سنت امور) کی روک تھام اور قیامِ صلوٰۃ پر متعین کیا۔ (اسلامی ہند کی عظمت رفتہ ص ۴۹)

ابھی حضرت قدامہؓ کو بحرین آئے ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے، کہ وہ ایک ابتلا میں مبتلا ہو گئے۔ اس ابتلا کے سلسلے میں حضرت ابوہریرہؓ کا ذکر بھی ایک گواہ کے طور پر آتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت قدامہؓ

۱۔ حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق قریش کی شاخ بنی جمح

سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے: —————

قدامہ بن مظعون بن حبیب بن دہب بن حذافہ بن جمح

دعوتِ توحید کے آغاز میں اسلام لائے اور اپنے بھائیوں حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہؓ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔ چند سال بعد حبشہ سے مدینہ منورہ

آئے اور سب سے پہلے غزوہ بدر (رمضان المبارک ۱؎ ۶۱۰ھ ہجری) میں شریک ہونے کا شرفِ عظیم حاصل کیا۔ اس کے بعد اعدا، احزاب وغیرہ عہدِ رسالت کے دوسرے بیشتر غزوات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں بحرین کا گورنر مقرر کیا، وہیں وہ انوسناک واقعہ پیش آیا جس کے نتیجے میں ان پر حد جاری ہوئی۔ اس کے بعد ان کے تعلقات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کشیدہ ہو گئے (یہاں یہ ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ حضرت قدامہؓ، حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے) لیکن

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے دورِ امارت میں قبیلہ عبد القیس کے ایک سردار جارد بن عمرو عبیدیؓ بحرن سے مدینہ آئے اور امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت قدامہؓ پر شراب پینے کا الزام لگایا اور ان پر حدِ شرعی جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ کچھ عرصہ بعد دونوں بزرگوں میں صفائی ہو گئی۔ (صلح کے لیے پہل حضرت عمرؓ کی طرف سے ہوئی۔)

حضرت قدامہؓ نے ۳۶ھ ہجری میں (بعہدِ خلافت حضرت علیؓ) وفات پائی۔ اس وقت عمر کی ۶۸ منزلیں طے کر چکے تھے۔

۱۷ حضرت جارد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ عبد القیس کے سرداروں میں سے تھے۔ یہ قبیلہ بحرن میں آباد تھا۔ جارد پہلے دین عیسوی کے پیرو تھے۔ ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں اپنے قبیلے کے ایک وفد کے ساتھ مدینہ منورہ آئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔

حضرت جاردؓ کا اصل نام بشر تھا اور کنیت ابو منذر تھی۔ وہ نہایت بہادر اور جہم جو آدمی تھے قبولِ اسلام سے پہلے ایک دفعہ انہوں نے قبیلہ بکر بن وائل پر چھاپہ مارا اور اس کے تمام مویشی اور مال اسباب یہاں تک کہ سوئی سلانی بھی لوٹ کر لے آئے۔ ”جرد“ کے معنی ”بے برگ و بار“ کے ہیں اس لیے جارد (بے برگ و بار کرینے والا) ان کا لقب پڑ گیا۔ شعرو شاعری میں بھی درک رکھتے تھے رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد عہدِ صدیقی میں فتنہ ارتداد نے زور پکڑا تو قبیلہ عبد القیس بھی اس کی لپیٹ میں آ گیا لیکن حضرت جاردؓ نہ صرف خود پوری استقامت کے ساتھ اسلام پر قائم رہے بلکہ اپنے قبیلے کو بھی ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی۔ ان کی مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ گمراہ ہونے سے بچ گئے۔ بعض آیات کے مطابق انہوں نے مرتدین کے خلاف کچھ لڑائیوں میں بھی حصہ لیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں انہوں نے بصرہ میں مشعلِ اقامت اختیار کر لی، وہاں سے وہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

د ایک روایت میں ہے کہ حضرت جباروڈ کو بعض رومیوں نے بتایا تھا کہ ہم نے قدامہ کو شراب پیتے دیکھا ہے۔ وہ اپنے گورنر کی یہ مبتینہ لغزش برداشت نہ کر سکے اور ان کے خلاف شکایت لے کر مدینہ پہنچ گئے (حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا، جو الزام تم قدامہ پر لگا رہے ہو اس کا گواہ کون ہے؟ حضرت جباروڈ نے کہا، ابوہریرہ اس کا گواہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بلا بھیجا جب وہ حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا، ابوہریرہ! تم اس معاملے میں کس بات کی گواہی دیتے ہو؟ انہوں نے کہا، میں نے قدامہ کو شراب پیتے ہوئے تو نہیں دیکھا البتہ نشہ کی حالت میں قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (الاصابیح ۳ ص ۲۲۸)

حضرت عمرؓ نے فرمایا، صرف اتنی شہادت سے مجرم ثابت نہیں ہوتا مزید تحقیقات کے لیے انہوں نے حضرت قدامہؓ کو بحرین سے طلب کیا۔ جب وہ آئے تو حضرت جباروڈ نے ان پر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا، تم شاید ہویا فریق؟ انہوں نے کہا، شاید۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا، تو بس تم شہادت دے چکے، اب تمہیں خاموش رہنا چاہیے۔ اس وقت حضرت جباروڈ خاموش ہو گئے لیکن دوسرے دن پھر قسم دلا کر حضرت قدامہؓ پر حد جاری کرنے کے لیے اصرار کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ان مجاہدین میں شامل ہو گئے جو ایران میں مصروف جہاد تھے۔ انہوں نے باختلاف روایت فارس یا نہادند کی لڑائی میں مروانہ دار لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ اپنے پیچھے مئذ نامی ایک بیٹا چھوڑا۔ حضرت جباروڈ اگرچہ عہد رسالت کے بہت آخر میں اسلام لائے تھے تاہم ان سے مروی چند احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں۔



اس اصرار پر حضرت عمرؓ کو کچھ شبہ ہوا اور انہوں نے فرمایا :  
 ” جاو دو! تم اپنی زبان پر قابو رکھو ورنہ میں سختی سے پیش آؤں گا۔“  
 اس شبیہ پر حضرت جبار و ذبوش میں آگے اور کہا :  
 ” امیر المؤمنین، حق یہ نہیں ہے کہ آپ کا ابن عم شراب پیئے اور  
 آپ اللہ مجھ کو سختی کی دھمکی دیں۔“

اس موقع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المؤمنینؓ کو  
 مشورہ دیا کہ آپ قدامہ کی بیوی کو بھی بلا کر پوچھ لیں۔  
 حضرت عمرؓ نے قدامہؓ کی بیوی ہندہ کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے  
 حضرت ابوہریرہؓ کے بیان کی تصدیق کی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت  
 قدامہؓ سے فرمایا کہ حد کے لیے تیار ہو جاؤ۔

حضرت قدامہؓ نے اپنی لغزش کا اقرار نہیں کیا بلکہ یہاں تک کہا کہ  
 اگر ان سے اس لغزش کا ارتکاب ہو بھی گیا ہو تو ان پر سورہ المائدہ کی آیت ۱۱  
 کے مطابق حد جاری نہیں کی جاسکتی تھی لیکن حضرت عمرؓ اپنے فیصلے پر قائم رہے  
 اور چند دن کے بعد ان پر حد جاری کر دی۔ ساتھ ہی ان کو امارت بحرین کی  
 ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا۔ (الاشیاع ج ۲ ص ۵۴۸)

## امارت بحرین

حضرت قدامہ بن مطلقون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کے کچھ عرصہ بعد  
 امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بحرین کا امیر  
 (عامل) مقرر فرمایا۔ اگرچہ ان کے زمانہ امارت کے بارے میں جو روایتیں ملتی ہیں  
 ان میں ابہام پایا جاتا ہے، لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ عہدِ فاروقی  
 میں حضرت ابوہریرہؓ تقریباً ایک سال تک بحرین کے والی (عامل) رہے۔  
 اس منصب پر فائز ہونے کے بعد حضرت ابوہریرہؓ کا فقر و افلاس کا دور

ختم ہو گیا کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عمال کو معقول تنخواہیں دیا کرتے تھے۔ تقریباً ایک سال کے بعد امیر المؤمنین نے انہیں اس منصب سے سبکدوش کر کے مدینہ منورہ واپس بلا لیا۔

## حکین سے واپسی کے بعد

حکین سے واپسی کے بعد حضرت ابوہریرہ کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس کے بارے میں تاریخ و سیر کی کتابوں میں مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ ان میں سے دو مشہور روایتیں یہ ہیں:

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: — میں حکین سے اپنے ساتھ پانچ لاکھ کی رقم ساتھ لایا (غالباً درہم) اور امیر المؤمنین عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ رقم پیش کی تو انہوں نے پوچھا، یہ کتنا مال ہے؟ میں نے کہا، پانچ لاکھ۔ وہ (متعجب ہو کر) بولے، کیا تم جانتے ہو کہ پانچ لاکھ کتنے ہوتے ہیں؟ میں نے کہا، جی ہاں ایک لاکھ، ایک لاکھ، ایک لاکھ، ایک لاکھ اور ایک لاکھ۔ امیر المؤمنین نے کہا، (شاید) تم پر بے خوابی کے اثرات ہیں۔ اس وقت جاؤ صبح پھر آنا۔

چنانچہ دوسرے دن صبح کو میں حاضر ہوا اور کہا، امیر المؤمنین مجھ سے یہ مال لے لیجئے۔ حضرت عمرؓ نے دوبارہ پوچھا، یہ کتنا مال ہے؟ میں نے کہا، پانچ لاکھ۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا، کیا یہ تمام رقم حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہے؟ میں نے کہا، میرے علم کے مطابق یہ تمام مال حلال کی آمدنی ہے۔ پس امیر المؤمنین نے (یہ رقم بیت المال کے لیے قبول کرتے ہوئے) اعلان کیا — ”اے لوگو! بے شک اس وقت ہمارے

پاس کثیر مال آیا ہے۔ (کتاب الخراج از قاضی ابویوسف ص ۴۸-۴۹)  
حافظ ذہبی نے ”سیر اعلام النبلاء“ میں یہ روایت مختلف انداز میں  
بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے چار لاکھ (درہم یا دینار)  
بحرین کا لگان جمع کر کے حضرت عمرؓ کو دیا تو انہوں نے پوچھا،

”تم نے کسی پر ظلم تو نہیں کیا؟“

حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کیا، نہیں۔

پھر حضرت عمرؓ نے سوال کیا، تم اپنے لیے وہاں سے کیا لائے؟

حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، بیس ہزار

حضرت عمرؓ نے پوچھا، یہ مال تم نے کیسے حاصل کیا؟

حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کیا، تجارت کے ذریعے۔

امیر المؤمنینؓ نے فرمایا، اپنا اس المال رکھ لو اور باقی رقم بیت المال

میں جمع کرا دو۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ بحرین سے واپس آئے تو ان کے

پاس دس یا بارہ ہزار روپے (درہم یا دینار) تھے (جنہیں وہ اپنی ذاتی آمدنی

بتلاتے تھے) حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا

کہ تم نے یہ رقم کہاں سے لی؟ انہوں نے کہا، میرے پاس کچھ گھوڑیاں تھیں ان

کے یہاں بچے پیدا ہوئے (ان کو فروخت کیا) کچھ میرے غلام نے کما کر دی

اور کچھ اپنی تنخواہوں سے بچائی۔

حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحقیق کرائی تو جو کچھ حضرت ابوہریرہؓ

نے کہا تھا وہ درست نکلا۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۱ ص ۱۱۱۱ ابدارہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۱۱)

بعض روایات میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ سارا یا نصف مال بکریت المال میں داخل کر دیا۔

۱۔ ابن عبید بن نے ”عقد الفرید“ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کو دوبارہ بحرن کی امارت پر بھیجا چاہا تو انہوں نے یہ عہدہ قبول کرنے سے معذرت کر دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، تم کو یہ عہدہ ناپسند ہے حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو تم سے بہتر تھے، اس کے لیے خواہش کی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کیا، امیر المؤمنین! یوسف علیہ السلام نبی ابن نبی تھے، میں بے چارہ امیمہ کا بیٹا ابوہریرہ ہوں۔ میں ان پانچ باتوں سے ڈرتا ہوں اسی لیے منصب امارت پر فائز ہونا پسند نہیں کرتا۔ ایک یہ کہ بغیر علم کے کچھ کہوں، دوسری یہ کہ حجت شرعی کے بغیر کوئی فیصلہ کر دوں، تیسری یہ کہ میری پیٹھ پر کوڑے پڑیں، چوتھی یہ کہ مجھے بے عزت کیا جائے۔ پانچویں یہ کہ میرا مال ضبط کر لیا جائے۔ (ابدیہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۱)

حضرت ابوہریرہؓ کا جواب سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے اور ان کو دوبارہ بحرن جانے پر مجبور نہ کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے فرمایا کہ میں نے تمہاری آمدنی کا حساب لگایا ہے یہ رقم جسے تم اپنی (ذاتی) تہاتے ہو اس آمدنی سے زیادہ ہے (جس کا میں نے حساب لگایا ہے) لہذا یہ بیت المال میں جمع کرادو۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ آپ کو یہ حکم دینے کا اختیار نہیں ہے اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں زد و کوب کیا اور یہ رقم ان سے لے کر بیت المال میں داخل کر دی (عقد الفرید جلد ۱ ص ۳۳)

علامہ عجاج الخطیب نے اپنی کتاب "سوانح ابوہریرہؓ" میں اس روایت پر کڑی تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بعض دوسرے عمال (حضرت ابو موسیٰ اشجریؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ) کو بھی جب معزول کیا تھا تو ان سے نصف مال لے لیا تھا۔ یہ صحیح نہیں کہ امیر المؤمنین نے حضرت ابوہریرہؓ کو مارا پٹیا تھا۔

## حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں

امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں مشرقی ممالک میں جو جہاد ہوا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں حصہ لینے کے بعد مدینہ منورہ واپس آگئے اور ہمہ تن حدیث کی اشاعت میں مشغول ہو گئے البتہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافت شورش برپا ہوئی اور باغیوں نے کاشانہِ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو حضرت ابو ہریرہ نے بڑے پرجوش طریقے سے لوگوں کو امیر المؤمنین کی امداد و حمایت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ان اصحاب میں شامل تھے جو حضرت عثمان کے دفاع کے لیے آئے تھے اور کاشانہِ خلافت میں موجود تھے۔ حضرت ابو ہریرہ نے امیر المؤمنین سے اجازت لینے کے بعد ان سے مخاطب ہو کر کہا:

وہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا، میرے بعد تم لوگ فتنہ اور اختلاف میں مبتلا ہو گے، ایک شخص نے پوچھا، یا رسول اللہ! اس دورِ فتن میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا، تم کو اس وقت امین اور اس کے حامیوں کے ساتھ ہونا چاہیے۔“

اس سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ تھا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۴۵۔ مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۴۳۳)

امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے درجہ کمال پر تھے۔ انہوں نے اس وقت بھی اپنے حامیوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ تاہم بقول ابن سعد و ابن اثیر امیر المؤمنین کے بعض حامیوں نے باغیوں کو چھو دھکیلنے میں تلوار سے کام لے ہی لیا لیکن تقدیر کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے

کچھ باغی بچھلی طرف سے دیوار پھلانگ کر گھر کے اندر گھس آئے اور ضعیف العمر امیر المؤمنینؑ کو نہایت بیدردی سے اس حالت میں شہید کر ڈالا کہ وہ تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سانحہ جانگداز سے سخت صدمہ پہنچا اور انہوں نے دل برداشتہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

## حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جو لڑائیاں پیش آئیں (جنگِ جمل و جنگِ صفین) حضرت ابوہریرہؓ ان سے یکسر راز کش رہے اور اس حدیث نبویؐ پر عمل کیا جو خود ان سے مروی ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (میرے بعد یقیناً) فتنے برپا ہوں گے۔ ان میں بیٹھ رہنے والا شخص کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہے اور چلنے والا شخص کوشش کرنے والے سے بہتر ہوگا۔ جس کو بھی ایسے فتنوں کا سامنا کرنا پڑے تو وہ ان کو دبانے کی کوشش کرے اور جس کو پناہ اور امن کی جگہ نظر آئے وہاں پناہ پکڑے۔“

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۸)

یا پھر اس حدیث نبویؐ پر:

اے عرب اس شتر سے آگاہ رہو جو جلد آنے والا ہے۔ کامیاب وہ ہوگا جس نے اپنے ہاتھوں کو باندھے رکھا۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲۷)

اس دورِ فتن میں بہت سے صحابہ کرامؓ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اور بعض تو آبادی سے دور صحرا یا جنگل میں جا بسے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے عزات گزین ہو گئے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے جنگ صفین کے موقع پر حضرت ابوالدرداء انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل کر اصلاح کی کوشش کی اور اس سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں سے ملے مگر انہیں اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد وہ یکسر گوشہ نشین ہو گئے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت ابوہریرہؓ نے بعض موقعوں پر اہل مدینہ کو نماز پڑھائی۔

## حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں

۳۱ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہادت پائی اور سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سربراہِ آراءِ خلافت ہوئے۔ ۳۲ ہجری میں وہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کر لی۔

## امارتِ مدینہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف صوبوں میں اپنے والی مقرر کیے تو مروان بن الحکم کو مدینہ منورہ کا والی مقرر کیا۔ امام احمد بن حنبل اور حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ جب مروان سے ناراض ہو جاتے تو اسے معزول کر دیتے اور اس کی جگہ حضرت ابوہریرہؓ کو مدینہ کا والی مقرر کر دیتے اور جب حضرت ابوہریرہؓ سے کبیدہ خاطر ہوتے تو ان کی جگہ مروان کو مدینہ کا والی مقرر کر دیتے۔

(مسند احمد ج ۱۳ ص ۲۳۶ - سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۳۶)

ابن جریر طبری کا بیان ہے کہ والی مدینہ مروان بن الحکم جب حج کے لیے جاتا تو حضرت ابوہریرہؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب یا قائم مقام مقرر کر دیتا تھا۔ وہ اپنے زمانہ امارت میں ۵۲ھ اور ۵۵ھ میں دو مرتبہ حج کے لیے گیا، اس نے ایک مرتبہ یا دونوں مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنایا۔ (تاریخ طبری ص ۲۲۸)

بہر صورت اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں بعض موقعوں پر امارت مدینہ کے فرائض ضرور انجام دیئے۔ صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔  
 ”الورافع کہتے ہیں کہ مروان نے مکہ جاتے وقت ابوہریرہؓ کو اپنا قائم مقام بنایا، انہوں نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی۔“  
 (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۷)

## حضرت ابوہریرہؓ بحیثیت قاضی

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض موقعوں پر کچھ مقدمات کے فیصلے کیے تھے۔ یہ فیصلے انہوں نے قاضی کی حیثیت سے کیے یا امیر کی حیثیت سے، اس کے بارے میں ثوق سے کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ ایسی تو کوئی شہادت نہیں ملتی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ کسی خلیفہ نے ان کا تقرر قاضی کی حیثیت سے کیا ہو لیکن بعض کتابوں میں ان سے کچھ ایسے فیصلے منسوب ہیں جو ایک باختیار امیر یا قاضی ہی کر سکتا تھا۔ ایسی تین مثالیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں:

① ابو محمد بن نعیم کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ اچانک حارث بن الحکم اندر آیا۔ حضرت ابوہریرہؓ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ حارث کسی ذاتی کام



کے لیے آیا ہے۔ اسی وقت ایک دوسرا شخص آیا اور حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے بیٹھ کر کہنے لگا :

” حارث بن الحاکم کے مقابلے میں میری مدد کریں۔“  
 حضرت ابو ہریرہؓ نے سمجھ گئے کہ اس شخص کا حارث بن الحاکم سے کوئی جھگڑا ہے۔ انہوں نے اسی وقت حارث بن الحاکم سے مخاطب ہو کر فرمایا :  
 ” اٹھو اور اپنے فریق مخالف کے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔“

(دفاع ابو ہریرہؓ بحوالہ اخبار القضاة ج ۱ ص ۱۱۳)

② عمر بن خالدہ سے روایت ہے کہ ہم ایک شخص کے بارے میں، جو دیوالیہ ہو گیا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا، میں وہی فیصلہ کروں گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ جو شخص دیوالیہ ہو جائے یا سر جائے اور کوئی شخص بعینہ اپنا سامان اس کے ہاں پائے تو وہی شخص اس سامان کا زیادہ حقدار ہے۔

(البداء ج ۲ ص ۲۵۷۔ مستدر احمد ج ۱۳ ص ۱۰۳)

③ ابو میمون کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنا اونٹ مسجد کے باہر باندھ کر خود اندر چلا گیا۔ اچانک ایک شخص آیا اور اس نے میرے اونٹ کی رسی کھول دی۔ میں جب باہر آیا تو اس کی اس حرکت پر مجھے اس قدر غصہ آیا کہ میں نے اس کو ماں کی گالی دی۔ وہ مجھے حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس لے گیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ مجھ پر حدِ قذف جاری کی جائے۔

(دفاع ابو ہریرہؓ بحوالہ اخبار القضاة ج ۱ ص ۱۱۱)



## وادئی سینا کا سفر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ وادئ سینا کا سفر کیا اور کوہ طور (جبل موسیٰ) کی زیارت کی۔ محدثین نے یہ تصریح نہیں کی کہ وہ کس زمانے میں وہاں گئے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں ۳۲ھ ہجری سے پہلے کسی وقت وہاں گئے۔ اس سفر کا حال خود انہوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ

” میں (ایک دفعہ) کوہ طور کی طرف گیا۔ وہاں میری ملاقات کعب احبار سے ہوئی۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ انہوں نے میرے سامنے تورات میں سے کچھ بیان کیا اور میں نے ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (کچھ) احادیث بیان کیں۔ ان میں ایک حدیث یہ بھی تھی کہ ان (تمام) دنوں میں جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے بہترین دن جمعہ کا ہے۔ اسی

لے حضرت کعب احبار کا شمار مشہور (اہل کتاب) تابعین میں ہوتا ہے۔ ان کی کنیت ابواسحق تھی اور خاندانی تعلق یمن کے بخیر بنی خاندان کی شاخ ”آل ذی روین“ سے تھا۔ قبولِ اسلام سے پہلے ان کا شمار یہود کے جید علماء میں ہوتا تھا۔ عہدِ رسالت میں موجود تھے۔ اور ایک روایت کے مطابق اسی زمانے میں حضرت علیؓ کے ہاتھ پر (جب وہ یمن تشریف لائے) اسلام قبول کر لیا (الاصابیح ج ۱ ص ۵۲ ص ۳۲۲) لیکن معتبر روایت کے رو سے وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ ق ۲ ص ۱۵۶)

قبولِ اسلام کے بعد حضرت کعب بن یمن سے مدینہ آگئے اور عم رسول حضرت عباسؓ کے حلیف بن گئے۔ مدینہ میں انہوں نے اکابر صحابہ کرامؓ (بالمخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے حلیف بن گئے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

روز آدم پیدا کیے گئے۔ اسی دن ان کو جنت سے نکالا گیا، اسی روز ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی دن وہ فوت ہوئے اور اسی دن قیامت قائم ہوگی اور کوئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت صہیبؓ سے کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کی۔ اس طرح وہ توراہ کے ساتھ اسلامی علوم کے بھی بہت بڑے عالم بن گئے۔ مدینہ میں کچھ مدت قیام کرنے کے بعد وہ شام چلے گئے اور حمص میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ وہیں ۳۲ھ میں وفات پائی۔

حضرت کعب احبارؓ یہود کے نامور علماء میں سے تھے اس لیے یہودی مذہب کے بارے میں ان کی معلومات نہایت وسیع تھیں۔ بعض اکابر صحابہ بھی ان کی وسعت نظر کے معترف تھے اور بقول حافظ ذہبیؒ انہوں نے کعب سے اہل کتاب کے علوم سیکھے تھے (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۵)

حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ اسرائیلیات میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت معاذؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعبؓ سے استفادہ کیا۔ اسی طرح تابعین میں عطاء بن ابی رباح، مالک بن ابی عامر، اصبحی، عبداللہ بن رباح انصاری، عبدالرحمن بن شعیب، عبداللہ بن حمزہ سلوی وغیرہم ان سے فیض یاب ہوئے۔ چونکہ اسرائیلیات میں بہت سی بے سرو پا حکایات شامل ہیں اس لیے کعبؓ کے ذریعے اسلامی لٹریچر میں بھی کچھ ایسی روایات داخل ہو گئیں۔ اسی بنا پر بعض ائمہ حدیث کعبؓ کی روایات کو مستند نہیں سمجھتے۔ تاہم بعض علماء نے ان کے تبحر علمی کی بہت تعریف کی ہے۔ حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف اور اہل کتاب کے بہت بڑے عالموں میں سے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۵) امام نوویؒ کہتے ہیں کہ کعب کے تبحر علمی پر سب کا اتفاق ہے۔ اسی لیے وہ کعب احبار اور کعب الجبر کہے جاتے تھے، ان کے مناقب بکثرت ہیں اور ان کے اقوال بہت مشہور ہیں۔ (تہذیب الاسما ج ۱ ق ۲ ص ۶۹)

چوپایہ ایسا نہیں ہے جو جمعہ کی صبح سے آفتاب طلوع ہونے تک کان لگائے ہوئے نہ ہو (یعنی قیامت کے ہولناک دن کا منتظر نہ ہو) مگر جن اور انسان اس سے غافل ہیں اور جمعہ کے دن ایک ساعت سے کہ اگر کوئی مسلمان بندہ اس کو پالے اور اس میں نماز پڑھ کر اللہ سے دعا مانگے تو اللہ اس کی خواہش کو پورا کر دے گا۔ کعب احبار نے (یہ سن کر) کہا کہ یہ دن سال میں ایک مرتبہ آتا ہے۔ میں نے کہا، بلکہ یہ ساعت ہر جمعہ میں ہوتی ہے۔ یہ سن کر کعب نے تورات کو پڑھا اور کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد (مدینہ واپس آکر) میں نے عبد اللہ بن سلام سے ملاقات کی اور کعب احبار سے جو گفتگو ہوئی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ کعب نے کہا تھا کہ یہ (قبولیت دعا والا) دن سال میں ایک مرتبہ

۱۔ حضرت عبد اللہ بن سلام کا شمار عظیم المرتبت (اہل کتاب) صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ یہود مدینہ کے بہت بڑے عالم اور رئیس تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو حضرت عبد اللہ بن سلام نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تین سوال پوچھے۔ آپ نے ان کا جواب دیا تو وہ فوراً اسلام لے آئے۔ ان کی قوم جو پہلے ان کی تعریفیں کرتی نہیں تھکتی تھی اب ان کی دشمن ہو گئی اور ان کو طرح طرح کے بُرے ناموں سے یاد کرنے لگی۔ حضرت عبد اللہ بن سلام کا نام پہلے حسین تھا آنحضرت نے بل کر عبد اللہ رکھا۔ غزوہ خندق اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے (بعض نے تو بدر اور احد میں بھی ان کو شریک بتایا ہے لیکن اس میں اختلاف ہے)۔

عبد فاروقی میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المقدس تشریف لے گئے تو حضرت عبد اللہ بن سلام کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔  
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آتا ہے۔۔۔۔۔ عبد اللہ بن سلام (یہ سن کر فوراً) بولے، کعب نے  
 جھوٹ کہا۔۔۔۔۔ پھر میں نے کہا کہ کعب نے اس کے بعد تو رات کو  
 پڑھا اور کہا کہ وہ ساعت (سہر) جمعہ کے دن ہوتی ہے۔ عبد اللہ بن سلام  
 نے کہا، کعب نے سچ کہا۔

اس کے بعد عبد اللہ بن سلام نے کہا، میں اس ساعت سے واقف  
 ہوں۔ میں نے کہا، تو پھر مجھ کو بتلائیے اور بخجل نہ کیجئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت کے  
 اواخر میں باغیوں نے کاشانہٴ خلافت کا محاصرہ کیا تو حضرت عبد اللہ بن سلام  
 نے ان کو فتنہ و فساد سے باز رکھنے کی بے حد کوشش کی لیکن انہوں نے ان کی  
 بات نہ مانی اور امیر المؤمنین کی شہادت کا المناک سانحہ پیش آگیا۔

حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ

” حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرکزِ خلافت مدینہ سے

کو فہ منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عبد اللہ بن سلام نے انہیں کہا

بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر نہ چھوڑیے۔ لیکن

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوجہ ان کا مشورہ قبول نہ کیا اور

فرمایا، وہ بے چارے بہت نیک آدمی ہیں۔“

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۴۳ھ ہجری میں وفات

پائی۔ ان سے ۱۲۵ احادیث مروی ہیں۔ بڑے عالم فاضل بزرگ تھے اور  
 دینی مسائل میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عبداللہ بن سلام نے کہا، وہ ساعت جمعہ کے دن آخری گھڑی ہے۔ میں نے ان کی بات سن کر کہا، کہ یہ جمعہ کے دن آخری گھڑی کیونکر ہو سکتی ہے جب کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ جو مسلمان بندہ اس ساعت کو پائے وہ اس میں نماز پڑھتا ہو (یعنی نماز پڑھ کر دعا مانگے) اور اس وقت جس کا تم نے ذکر کیا ہے نماز نہیں پڑھی جاتی۔

عبداللہ بن سلام نے کہا، کیا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ جو شخص نماز کے انتظار میں اپنی جگہ بیٹھا رہے وہ گویا حالت نماز میں ہے یہاں تک کہ وہ نماز پڑھے۔

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے جواب میں کہا، ہاں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے یوں ہی فرمایا ہے۔

عبداللہ بن سلام نے کہا، نماز سے مراد یہی ہے کہ وہ نماز کا انتظار کرے۔

(موطا امام مالک سنن ابی داؤد۔ جامع ترمذی۔ سنن نسائی)



# سفرِ آخرت

## مرض الموت

پہلی صدی ہجری کے ساتویں عشرے کے اواخر میں سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت بیمار ہو گئے یہاں تک کہ جانبری کی امید نہ رہی۔ لوگ عیادت کے لیے آئے تو وہ اس حالت میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے تاہم دنیا سے دل سرد ہو چکا تھا۔ حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن عیادت کے لیے آئے اور رواج کے مطابق ان کی صحت کے لیے دعا کی کہ اے اللہ ابو ہریرہ کو شفا عطا کر۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً بولے:

”اے اللہ! اب مجھے دنیا میں نہ لوٹا۔“

دو دفعہ یہ کلمات دہرائے۔ پھر حضرت ابوسلمہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

اے حضرت ابوسلمہ جلیل القدر صحابی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یکے از عشرہ مبشرہ) کے صاحبزادے تھے۔ بقول بعض ان کا نام عبد اللہ تھا اور کنیت ابوسلمہ تھی۔ لیکن بعض کے نزدیک ان کا نام ہی ابوسلمہ تھا۔ والد گرامی اور متعدد دوسرے اکابر صحابہ کے فیض تربیت نے انہیں بہت بڑا عالم بنا دیا تھا۔ ان کا شمار مدینہ منورہ کے بہت بڑے فقہاء میں ہوتا تھا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ابوسلمہ کی امامت اور جلالت قدر پر سب کا اتفاق ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ”وہ بڑے ائمہ تابعین میں کثیر العلم، فہم اور علم تھے۔“ حضرت ابوسلمہ نے فقہ میں حضرت عبدالرحمن بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھرپور استفادہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہ ابوسلمہ! تمہارے بس میں ہو تو مرنے سے دریغ نہ کرو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ زمانہ دور نہیں جب لوگ موت کو سرخ سونے کے ذخیرہ سے زیادہ محبوب سمجھیں گے۔ تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ جب آدمی کسی مسلمان کی قبر سے گزے گا تو تمنا کرے گا کہ اسے کاش بجائے اس کے میں اس قبر میں مدفون ہوتا۔“

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۱، البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۱۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کیا۔ حدیث میں انہوں نے اپنے والد گرامی کے علاوہ جن اکابر صحابہ و صحابیات سے استفادہ کیا، ان میں سے کچھ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت عثمان غنیؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت انس بن مالک، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ابو قتادہؓ، حضرت عبد اللہ بن سلام، حضرت ثوبانؓ، حضرت رافع بن خدیج، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ وغیرہم۔

ان کے علاوہ بہت سے اکابر تابعین سے بھی فیض حاصل کیا۔ اس طرح فقہ اور حدیث میں ان کا پایہ علمی بہت بلند ہو گیا تھا! امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں کچھ عرصہ مدینہ منورہ کے عہدہ قضا پر بھی فائز رہے۔ باختلاف روایت ۳۹ھ یا ۴۰ھ میں فائز پائی۔ ان کے ارشد تلامذہ میں کچھ کے نام یہ ہیں:

امام شعبیؒ - ابو حازمؒ - امام زہریؒ - یحییٰ بن سعید انصاریؒ - عبدالرحمن الاعرجؒ - یحییٰ بن ابی کثیرؒ وغیرہم۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



مرض الموت میں محاسبہ آخرت کا خیال کر کے بہت روتے تھے۔ ایک دن لوگوں نے پوچھا کہ آپ روتے کیوں ہیں؟ تو فرمایا: —

”میں اس دنیا کی دلفریبیوں کے چھوٹ جانے پر نہیں روتا۔ میں تو اس لیے روتا ہوں کہ سفر طویل ہے اور زادِ راہ کم۔ میں اس وقت جنت اور دوزخ کے نشیب و فراز میں ہوں معلوم نہیں کس راستہ پر جانا پڑے (بالفاظِ دیگر مجھے معلوم نہیں کہ میری آخری منزل جنت ہوگی یا جہنم)۔“

## آخری وصیت

جب آخری وقت آیا تو وصیت کی:

”میری قبر پر خیمہ نہ لگانا، جنازہ کے پیچھے آگ لے کر نہ چلنا اور جنازہ لے جانے میں جلدی کرنا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جب مؤمن کو چار پائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے چلو اور جب کافر یا فاجر کو چار پائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے، مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ اگر میں نیکو کار ہوں گا تو جلد اپنے رب سے ملوں گا، اگر بد قسمت ہوں گا تو ایک بوجھ تمہاری گردن سے اتر جائے گا۔“ (الادب المفرد ص ۱۴۷، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۷۷ الاصابہ جلد ۷ ص ۲۰۹۔ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نہایت حسین و جمیل تھے۔ چہرہ بے حد روشن اور سرخ و سفید تھا۔ سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔ کبھی مہندی اور کبھی دسمہ کا خضاب لگاتے تھے۔ (تہذیب الاسماء۔ تہذیب التہذیب۔ تذکرۃ الحفاظ۔ طبقات ابن سعد)

## وفات

اسی وقت مروان بن الحکم ان کی عیادت کے لیے آیا اور ان کے لیے دعائے صحت کی تو فرمایا : —

” اے اللہ! میں تیری ملاقات کا آرزو مند ہوں۔ تو بھی میری ملاقات پسند کر۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی <sup>رح</sup> لکھتے ہیں کہ مروان اٹھ کر ابھی رونی کے بازار تک بھی نہ پہنچا تھا کہ حضرت ابو ہریرہ <sup>رضی اللہ تعالیٰ عنہ</sup> نے پیگ اجل کو لپیگ کہا — اِنَّا لَنُرِيْكَ وَاِنَّا لَآلِيْهِ رَا جِعُوْنَ۔ (الاصابہ جلد ۳ ص ۲۱)

## جنازہ اور تدفین

جنازہ کے بعد ان کی وصیت کی پوری تعمیل کی گئی۔ نمازِ جنازہ اس وقت کے امیر مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے پڑھائی۔ اکابر صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمر <sup>رضی اللہ تعالیٰ عنہما</sup> اور حضرت ابوسعید خدری <sup>رضی اللہ تعالیٰ عنہ</sup> جنازہ میں شریک تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر <sup>رضی اللہ تعالیٰ عنہما</sup> جنازہ کے آگے آگے چل رہے تھے اور حضرت ابو ہریرہ <sup>رضی اللہ تعالیٰ عنہ</sup> کے لیے دعائے مغفرت کرتے جاتے تھے۔ (بروایت دیگر وہ جنازہ کے بائیں جانب کا اگلا حصہ تھامے ہوئے تھے اور تلقین ترحم کثرت سے کرتے جاتے تھے۔) نمازِ جنازہ کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین <sup>رضی اللہ تعالیٰ عنہ</sup> کے صاحبزادوں نے چارپائی کو کندھا دے کر خبت البقیع پہنچایا اور اسلام کے اس رجبِ عظیم کو فتح مہاجرین میں سپردِ خاک کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ <sup>رضی اللہ تعالیٰ عنہ</sup> کے سالِ وفات کے بارے میں تین اقوال ملتے ہیں۔ ایک روایت

سالِ وفات اور عمر

کے مطابق وہ ۵۷ھ ہجری / ۶۷۷ء عیسوی میں فوت ہوئے۔ دوسری کے مطابق ۵۸ھ میں اور تیسری کے مطابق ۵۹ھ میں انتقال کیا۔ ان سب روایات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ۵۷ھ والی روایت درست نہیں کیونکہ جمہور ارباب سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رمضان المبارک ۵۸ھ ہجری میں فوت ہوئیں تو ان کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی (مولانا سید سلیمان ندوی نے سیرۃ عائشہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دنوں مدینہ کے قائم مقام حاکم تھے) اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت حیات تھے اور انہوں نے رمضان المبارک ۵۸ھ ہجری کے بعد کسی وقت وفات پائی۔

حافظ ابن حجر اور حافظ ابن کثیر کے نزدیک حضرت ابوہریرہ کا سال وفات ۵۹ھ ہجری ہے۔ ۵۸ھ ہجری اور ۵۹ھ ہجری والی روایتوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے ۵۸ھ ہجری کے بالکل آخر میں یا ۵۹ھ

۱۔ یہ روایت حضرت ہشام بن عروہ کی ہے لیکن جہاں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ نے ۵۷ھ ہجری میں وفات پائی وہاں یہ بھی کہتے ہیں کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابوہریرہ دونوں نے ایک ہی سال وفات پائی۔ دوسری طرف جب ہم دیکھتے ہیں کہ ارباب سیر میں سے کسی نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ کا سال وفات ۵۷ھ ہجری بیان نہیں کیا تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت ابوہریرہ اُمّ المؤمنین کے سال وفات ۵۸ھ ہجری سے پہلے فوت نہیں ہوئے۔ ان کی تاریخ وفات ۵۸ھ رمضان المبارک ۵۸ھ ہجری کے بعد کی ہے۔ کیونکہ اس تاریخ کو اُمّ المؤمنین فوت ہوئیں اور ان کا جنازہ حضرت ابوہریرہ نے پڑھایا۔

(سیرۃ عائشہ از سید سلیمان ندوی۔ حضرت ابوہریرہ از محمد عجاج الخطیب)

کے بالکل آغاز میں وفات پائی۔ بعض علماء نے یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب  
یہاں یہ ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ واقدیؒ نے ایک روایت میں کہا ہے کہ  
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ماہ شوال ۵۹ھ میں اُمّ المؤمنین  
حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور اسی سال وہ خود  
بھی فوت ہوئے۔ اُدھر مستند روایات کی رو سے اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ  
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سال وفات ۵۸ھ ہجری ثابت ہے۔ اس لیے اس بات  
کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی ہو۔  
فی الحقیقت اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سال وفات بیان  
کرنے میں واقدیؒ کو تسامح ہوا۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔  
حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صحیح ترین قول کے مطابق حضرت  
اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے  
بعد بقید حیات رہی تھیں اور اکثر علماء اسی بات کے قائل ہیں کہ حضرت ابوہریرہ  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۵۹ھ میں فوت ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۴، طبقات ابن سعد جلد ۲ مکتبہ تہذیب التہذیب جلد ۱۱)

اب رہا یہ سوال کہ ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں وفات کے وقت حضرت  
ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر کتنی تھی تو بیشتر سیرت نگاروں اور مؤرخین نے  
ان کی عمر اٹھتر سال بیان کی ہے۔ دوسری طرف جب ہم دیکھتے ہیں کہ خود  
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وُد مدینہ کے وقت اپنی عمر تیس سال  
سے کچھ اوپر بتائی ہے۔ تو پھر ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں وفات کے وقت ان  
کی عمر یقیناً ۷۸ سال سے اوپر تھی جیسا کہ ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگا:

وفات کا مکانی سال		مدینہ میں ورود کی تاریخ	
قمری سال	شمسی سال	قمری سال	شمسی سال
۵۸ھ	۶۷۸ھ	۶۷ھ	۶۲۷ھ

قمری (ہجری) سنہ کے حساب سے دُرودِ مدینہ (۶۲۷ھ) سے وفات (۶۵۸ھ)

تک کا عرصہ — ۵۲ سال

دُرودِ مدینہ کے وقت عمر — ۳۰ سال

کل عمر ۸۲ سال قمری

سنہ عیسوی کے حساب سے دُرودِ مدینہ (۶۲۷ء) سے وفات (۶۷۹ء)

تک کا عرصہ — ۵۱ سال ✓

دُرودِ مدینہ کے وقت عمر — ۳۰ سال

۸۱ سال قمری

اگر سال وفات ۶۵۹ھ تسلیم کیا جائے تو پھر کل عمر ایک سال اور بڑھ جاتی ہے۔  
گویا سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ کی عمر وفات کے وقت ہر حساب سے اتنی برس سے اوپر تھی۔

## پسماندگان سے حسنِ سلوک

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حاکمِ مدینہ ولید بن عتبہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات سے مطلع کیا تو انہوں نے ولید کو فرمان بھیجا کہ ابو ہریرہ کے پسماندگان کو دس ہزار درہم سے دو اور ان سے اچھا بڑا دو کرو کیونکہ ابو ہریرہ حامیان عثمانؓ میں سے تھے اور جب شورش پسندوں نے امیر المؤمنینؓ شہید کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا تو وہ ان کے گھر میں موجود تھے۔ (طبقات جلد ۲ ص ۶۳)

امام حاکمؒ کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ نے ترکہ کے علاوہ بیت المال سے دس ہزار درہم حضرت ابو ہریرہؓ کے ورثاء کو دلائے اور ولید بن عتبہ کو حسنِ سلوک کی تاکید کی۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۰۸)

# مخصوص ذاتی حالات

## حلیہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ گندم گوں (گندمی) تھا (یعنی سفید اور سرخ)۔ دانت چمکدار، آگے کے دونوں دانتوں کے درمیان ذرا سا فاصلہ تھا۔ چھاتی چوڑی چکلی تھی۔ (دونوں مونڈھوں کے درمیان خاصی کشادگی تھی) سر پر زلفیں تھیں۔ یہ دو حصوں میں تقسیم ہو کر دونوں مونڈھوں پر پڑی رہتی تھیں۔ بال سفید اور ریشم کی طرح نرم تھے۔ ان میں باختلاف روایت سرخ یا زرد خضاب کرتے تھے۔ ایک روایت میں تصریح کی گئی ہے کہ ڈاڑھی کو مہندی کا خضاب لگاتے جس سے وہ سرخ نظر آتی تھی۔ (سیر اعلام النبلاء، الأصابہ، سیر الصحابہ وغیرہ)

## لباں

طالب علمی کے زمانے میں تن ڈھانپنے کے لیے پورے کپڑے بھی مشکل میسر آتے تھے۔ بعد کی زندگی میں بھی لباس بالعموم سادہ ہوتا تھا۔ صرف دو رنگے ہوئے کپڑے استعمال کرتے تھے۔ آسودگی کے زمانے میں کبھی کبھی کتان وغیرہ کے قیمتی کپڑے بھی زیب تن کر لیتے تھے۔ (غالباً یہ تحدیثِ نعمت کے طور پر کرتے تھے) ایک دفعہ کتان کے (بیش قیمت) کپڑے میں ناک صاف کر کے (بروایت دیگر تھوک کر) فرمایا: —————

وہ واہ ابوہریرہ! آج کتان کے کپڑے میں ناک صاف کرتے ہو (تھوکتے ہو) ایک زمانہ وہ تھا جب تم — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کے درمیان (بغیر پورے کپڑوں کے) پڑے رہتے تھے۔ لوگ آتے اور تجھے دیوانہ خیال کرتے حالانکہ

تیری یہ حالت بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔“

سر پر عمامہ باندھتے تھے۔ خباب بن عمروؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو سیاہ پگڑی باندھے دیکھا ہے۔

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۵۳۔ سیر اعلام النبلا ج ۲ ص ۴۳۶)

## خانگی زندگی

کتاب سیر سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صرف ایک بیوی کا پتہ چلتا ہے۔ قیاس غالب یہی ہے کہ انہوں نے عمر بھر میں صرف ایک شادی کی۔ یہ شادی بھی بقول صحیح عہد رسالت کے بعد کسی وقت ہوئی لہ بیوی کا نام

لے صحیح بخاری اور سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: —

”یا رسول اللہ! میں ایک جوان آدمی ہوں، مجھے اپنے نفس سے ڈر ہے کہ کہیں

گناہ میں ملوث نہ ہو جاؤں اور شادی کرنے کی استطاعت بھی نہیں ہے پس آپ

مجھے خصی ہونے کی اجازت دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بات سن

کر سکوت فرمایا، میں نے پھر پوچھا یہاں تک کہ آخری بار میرے پوچھنے

پس آپ نے فرمایا، اے ابوہریرہ اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہے وہ ہو کر ہے

گا خواہ تم خصی ہو یا نہ ہو (یعنی خصی ہونا یا نہ ہونا تمہاری مرضی پر منحصر ہے)۔“

اس ارشاد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد حضرت ابوہریرہؓ کو اپنے نفس پر قابو

پلنے اور صبر کی تلقین کرنا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا زمانہ تہجد و نہایت صبر و ضبط اور پاکبازی

کے ساتھ گزارا۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۹، نسائی ج ۲ ص ۶۹ مطبوعہ مصر)

بُسْرہ بنتِ غزوان تھا جو مشہور صحابی حضرت عقبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن تھیں یہ وہ بڑی مالدار خاتون تھیں اور ایک معزز قبیلے "بنو مازن" سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر اشکاء کا شکر ادا کیا کرتے تھے کہ ان کی شادی ایسے معزز خاندان میں ہوئی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ پہلے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے ملازم ہوا کرتے تھے۔ بعد میں ان کے شوہر ہو گئے۔

۱۔ سیدنا حضرت عقبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق "بنو مازن" سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے :

عقبہ بن غزوان بن جابر بن وہب بن نسیب بن زید بن مالک بن حادث  
بن مازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ان کا خاندان مکہ میں قریش کے خاندان بنی نوفل

بن عبدمناف کا حلیف تھا۔

حضرت عقبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعوتِ توحید کے اوائل ہی میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے اور اس طرح "اَسَاقِبَةُ الْأَوَّلُونَ" کی مقدس جماعت کے رکن بن گئے۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح جب وہ بھی کفارِ مکہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے تو دوسری ہجرتِ حبشہ (۶) بعد بعثت) میں مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے لیکن چند سال کے بعد وہاں سے مکہ واپس آ گئے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک مکہ ہی میں تشریف فرما تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے لیکن حضرت عقبہ بن غزوان اور حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما بعض دشواریوں کے باعث ایک عرصہ تک مدینہ جانے سے مجبور رہے۔ ہجرتِ نبوی کے کچھ عرصہ بعد جب اہل حق اور کفارِ مکہ میں باہم فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا تو حضرت عقبہؓ اور حضرت مقدادؓ قریش کے ایک متجسس دستے کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس دستے کی قیادت عکرمہ بن ابی جہل کر رہا تھا۔ راستے میں اس دستے کی (باقی ماحشیہ اگلے صفحہ پر)



حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں :  
 ”بُسْرہ بنتِ غزوان وہ خاتون میں جن کے ہاں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 ملازم تھے۔ بعد میں انہوں (ابوہریرہؓ) نے ان سے شادی کر لی۔  
 اسما والرجال کی کتابوں میں ان کا ذکر بہت کم آیا ہے۔“  
 (الأصابع ج ۳ ص ۲۵۲)

خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شادی کا ذکر ان الفاظ میں  
 کیا ہے : —————

”میں بُسْرہ بنتِ غزوان کا پیٹ کی روٹی پر ملازم تھا (میرے ذمہ  
 یہ کام تھا) کہ جب وہ سواری سے اترتی تو میں خدمت کرتا۔ اللہ تعالیٰ  
 نے اس سے میری شادی کرادی اور اسے میری بیوی بنا دیا۔ پس تمام  
 تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے دین کو زندگی (سہارا) بنا دیا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مذہبیٹر مجاہدین اسلام کے ایک دستے سے ہو گئی۔ اس دستے کے قائد حضرت عبید بن الحارث  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ حضرت مقداد اور حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما موقع پا کر مسلمانوں  
 سے مل گئے۔ مدینہ پہنچ کر حضرت عقبہؓ، حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانی کے یہاں ہوئے۔  
 ابن سعد کے بیان کے مطابق جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان  
 مواخاۃ قائم کرائی تو حضرت عقبہؓ کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دینی  
 بھائی بنایا۔ غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت عقبہؓ بدر سے لے کر تبوک تک عہد رسالت  
 کے تمام غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے اور ہر معرکہ میں اپنی شجاعت و  
 بسالت کے جوہر دکھائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ابلہ، بیسان اور ابرقباذ وغیرہ کئی  
 مقامات فتح کیے اور پھر امیر المؤمنینؓ کے حکم کے مطابق شہر بصرہ کی بنا ڈالی۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابو ہریرہ کو امام (پیشوا) بنایا۔“ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۱۶)  
اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی  
ازدواجی زندگی سے بہت مطمئن اور خوش تھے۔

## اولاد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے چار بچے عطا کیے تین  
لڑکے اور ایک لڑکی۔ لڑکوں کے نام یہ تھے۔  
محرر (المحرر)۔ عبدالرحمن اور بلال  
لڑکی کا نام کسی روایت میں نہیں ملتا البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ ان کی شادی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جب شہر آباد ہو گیا تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت  
عتبہ بن غزو ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بصرہ کا پہلا امیر (گورنر) مقرر کیا۔ وہ چھ ماہ تک  
نہایت حسن و خوبی سے اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے لیکن پھر طبیعت امامت کی  
ذمہ داریوں سے اچاٹ ہو گئی۔ ۱۵ھ ہجری میں حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کو اپنا جانشین بنا کر فرات کی طرف لشکر کشی کی ہدایت کی اور حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی  
کو امامت کی خدمت سپرد کر کے حج کے لیے مکہ معظمہ پہنچے، وہاں امیر المؤمنین حضرت  
عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔ ان کی خدمت میں اپنا استعفا پیش کیا لیکن  
انہوں نے اسے منظور نہ کیا اور انہیں واپس بصرہ جانے کی ہدایت کی۔ وہ مجبور ہو کر بصرہ  
کی طرف روانہ ہوئے تو ہاتھ اٹھا کر دعا کی، الہی مجھے بصرہ نہ پہنچانا۔ عمق قلب سے  
نکلے ہوئی یہ دعا قبول ہوئی اور حضرت عتبہؓ راستے میں اونٹ سے گر کر فوت ہو گئے اس  
وقت ان کی عمر ۵۷ برس کی تھی۔

(طبقات ابن سعد۔ اُسد الغابہ۔ مُسند احمد وغیرہ)

رئیس التابعین حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی تھی لہ  
بڑے صحابہ جن سے حضرت محترم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پدر بزرگوار نیز حضرت  
عمر فاروقؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

لہ حضرت سعید بن مسیبؓ کا شمار نہایت عظیم المرتبت تابعین میں ہوتا ہے۔ وہ فقہاء  
سبعہ کی معزز جماعت کے ایک رکن تھے۔ رئیس التابعین، فقیہ الفقہاء اور افتخار التابعین  
ان کے القاب تھے۔ وہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت کے تیسرے یا چوتھے سال  
مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ خاندانی تعلق قریش کے خاندان بنو مخزوم سے تھا۔ ان کے  
والد حضرت مسیبؓ اور دادا حضرت حزنؓ دونوں مشرف صحابیت سے بہرہ ور تھے۔  
حضرت سعیدؓ نے بہت سے اکابر صحابہ و صحابیات سے کسب فیض کیا۔ ان میں  
سے کچھ کے اسماء گرامی یہ ہیں :

حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت  
جابر بن عبد اللہؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ  
حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ  
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابو قتادہؓ،  
حضرت ابوالدرداءؓ، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، اُمّ المؤمنین حضرت  
اُمّ سلمہؓ، حضرت اسماء بنت عمیسؓ، حضرت اُمّ سلمہؓ۔  
اتنے بزرگوں سے کسب فیض کر کے وہ بہت بڑے عالم بن گئے۔

حضرت ابوہریرہؓ ان کے خسر تھے۔ اس نسبت سے وہ سب سے زیادہ ان سے  
فیض یاب ہوئے۔ چنانچہ ان کی مرویات کا بڑا حصہ حضرت ابوہریرہؓ ہی کی احادیث پر  
مشتمل ہے۔ حدیث اور فقہ ان کے خاص فن تھے۔ حافظہ نہایت قوی تھا۔ ابن عماد حنبلیؒ  
کا بیان ہے کہ ”حضرت سعید بن مسیبؓ کی ذات حدیث، تفسیر، فقہ، زہد و تقویٰ اور  
جملہ علمی اور عملی کمالات کی جامع تھی۔“ فی الحقیقت وہ جملہ دینی علوم میں درجہ تبحر  
(باقی حاشیہ کے صفحہ پر)

ان سے ان کے بیٹے مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابن شہاب زہری، مصعب بن عمیر، عمار شعبی، ابن عقیل، عبداللہ بن محرز وغیرہم روایت کرتے ہیں۔ یہ روایتیں

### بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

رکھتے تھے تعبیر رویا میں بھی کمال درجے کی مہارت تھی۔ عبادت اور ذکر الہی سے بے انتہا شغف تھا۔ قائم اللیل اور دائم الصوم تھے۔ نماز باجماعت کا یہ اہتمام تھا کہ باختلاف روایت چالیس یا پچاس سال میں ایک وقت کی نماز باجماعت بھی ناغہ نہیں ہوتی۔ کسب معاش کے لیے تجارت کا پیشہ اختیار کیا تھا اور اس میں انتہائی دیانت اور احتیاط سے کام لیتے تھے۔ نہایت راست باز اور حق گو تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا تو انہوں نے بوجہ ان کی بیعت نہ کی، اس پر مدینہ کے گورنر جابر بن ابوسؤ نے ان کو کوڑوں سے پڑایا۔ حضرت ابن زبیر کو معلوم ہوا تو انہوں نے جابر کو ایک سخت خط لکھ کر حضرت سعید سے بدسلوکی کرنے پر سخت ملامت کی۔ عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں بھی حکومت کے عتاب کا نشانہ بنے لیکن انہوں نے حکومت کا کوئی ایسا حکم نہ مانا جو ان کے نزدیک ناجائز تھا۔ اخلاق و عادات میں صحابہ کرام کا نمونہ تھے۔ حکمرانوں کی داد و دہش سے بالکل بے نیاز تھے۔ طبعاً بڑے نرم اور صلح پسند تھے لیکن حق بات کہنے میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی پروا نہیں کرتے تھے۔

ایک دفعہ اپنے ایک غریب لیکن صالح شاگرد کثیر بن ابی دواعہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان کی اہلیہ فوت ہو گئی ہے تو اپنی نہایت عالمہ فاضلہ ناکتخدا بیٹی کا نکاح ان سے کر دیا اور بیٹی کو خود داماد کے گھر چھوڑ کر آئے۔ اس سے پہلے خلیفہ عبدالملک ان سے اپنے ولی عہد کے لیے اس صاحبزادی کا رشتہ مانگ چکا تھا لیکن انہوں نے اس کی درخواست کمال بے نیازی سے ٹھکرا دی تھی۔

نہایت نیک دل اور مخلوق خدا کے خیر خواہ تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی عالم، شریف اور باکمال ایسا نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی عیب نہ ہو لیکن جس کی خوبیاں اس (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مُشَدِّدِ حَمْدٍ، سُنَّ نَسَائِي، دَارِ قَطْنِي، مُسْتَدْرِكِ حَاكِمٍ اور مَعَانِي الْأَثَارِ میں موجود ہیں۔ تاہم ان کی تعداد کچھ زیادہ نہیں۔ حضرت محرز رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہدِ خلافت میں فوت ہوئے۔

علامہ ابن سعد نے ان کے بارے میں لکھا ہے: —

”محرز، عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں مدینہ میں فوت ہوئے اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی مرویات کی تعداد بہت کم ہے۔ (قلیل الحدیث میں)“ (دفاع عن ابوہریرہ ص ۱۱۱)

دوسرے بیٹے عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ سے سلیمان المزنی کے واسطے سے روایت ثابت ہے۔ تیسرے بیٹے بلال رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی روایت نہیں ملتی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک چوتھے بیٹے بھی تھے جن کا نام محرز تھا۔ مولانا مفتی غلام الرحمن اپنی کتاب ”دفاع ابوہریرہ“ میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں: —

”یہ (محرز) بھی اپنے بھائی کی طرح والد سے روایت کرتے ہیں اور

محرز کے بیٹے ابو عمر سالم بن محرز سے بھی چند روایات مروی ہیں۔ صبیح بن وہیب آپ سے روایت کرتے ہیں۔“ (دفاع ابوہریرہ ص ۱۱۱)

لیکن جہاں باب سیر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے صرف تین بیٹے ہی بتائے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی خامیوں سے زیادہ ہوں، اس کی خامیوں کی تشہیر نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس کی خوبیوں کی وجہ سے مدگزر کرنا چاہیے۔

حضرت سعید بن مسیب نے طویل عیالات کے بعد ۳۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنے چچے شاگردوں کی ایک کثیر تعداد چھوڑی۔ چند مشہور اور ممتاز شاگردوں کے اسماء گرامی یہ ہیں:

امام زہری، امام باقر، یحییٰ بن سعید انصاری، سالم بن عبد اللہ بن عمر، قتادہ، ابن عساکر

ابو الزناد، عمرو بن مسلم، ہاشم بن ہاشم بن عقبہ، شریک بن ابی عمیر وغیرہم۔

(طبقات ابن سعد۔ تہذیب التہذیب: تذکرۃ الحفاظ وغیرہ)

# اخلاق و عادات

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت اعلیٰ اخلاق اور بے حد پاکیزہ عادات و خصائل سے نوازا تھا۔ ان کے گلشنِ اخلاق میں علم کی تحصیل اور اشاعت میں بے پناہ انہماک، خشیتِ الہی، خوفِ آخرت، حُبِ رسول، شوقِ جہاد، اتباعِ سنت، شغفِ عبادت، فقر و عفاف، انکسار، سادگی، حق گوئی، حسنِ معاشرت، فیاضی، سیرِ شہمی اور خوش مزاجی سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔ انہوں نے حصولِ علم کے لیے جو مشقتیں برداشت کیں اور جس طرح دن رات ایک کر دیئے، تاریخ میں اس کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ پھر جو علم حاصل کیا اس کو اپنی ذات تک محدود نہ رکھا بلکہ زندگی بھر نہایت ذوق و شوق سے اس کی اشاعت کرتے رہے۔ ان کی علمی زندگی کے حالات ایک الگ باب میں بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ان کے شوقِ جہاد کی کیفیت بھی ”حضرت ابوہریرہؓ میدانِ جہاد میں“ کے عنوان کے تحت الگ بیان کر دی گئی ہے۔ ان کے اخلاق و عادات کے دوسرے پہلوؤں کی چند جھلکیاں ملاحظہ کیجئے:

## خشیتِ الہی اور خوفِ آخرت

حضرت ابوہریرہؓ پر خشیتِ الہی کا بہت غلبہ تھا اور وہ خوفِ آخرت سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ شقیًّا الْأَصْحٰبِی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ بَيَان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مدینہ منورہ آیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بہت سے

لوگ جمع ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے کہا، رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے صحابی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔ بھی ان کے پاس جا کر ادب سے بیٹھ گیا۔ اس وقت حضرت ابو ہریرہؓ لوگوں سے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی احادیث بیان کر رہے تھے۔ جب وہ حدیثیں سنا چکے اور لوگ اٹھ کر چلے گئے تو میں نے عرض کیا:

”اے صاحب رسول! مجھے (بھی) کوئی ایسی حدیث سنائیے جس کو آپ نے خود رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے سنا ہو، سمجھا ہو اور جانا ہو۔“

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، میں تمہیں ایسی ہی حدیث سناؤں گا۔ یہ کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو کہا میں تم کو ایسی حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس وقت بیان فرمائی جب میرے سوا کوئی اور آپ کی خدمت میں حاضر نہ تھا۔ یہ کہہ کر پھر چیخ ماری اور غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے۔ میں بہت دیر تک ان کو سہارا دے کر بیٹھا رہا۔ جب ہوش آیا تو کہا، مجھ سے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندوں کے فیصلے کرے گا تو سب سے پہلے اس کے سامنے تین آدمی پیش کیے جائیں گے۔ ایک قرآن کا عالم، دوسرا میدانِ جہاد میں لڑ کر مارا جانے والا اور تیسرا مال دار۔ اللہ تعالیٰ عالم سے پوچھے گا، کیا میں نے تجھے قرآن کی تعلیم کی تو توفیق نہیں دی تھی۔

وہ کہے گا، ہاں میرے اللہ  
اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تو نے اس پر عمل کیا؟  
وہ کہے گا، میں دن رات اس کی تلاوت کرتا تھا۔  
اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹا ہے، تلاوت اس لیے کرتا تھا کہ لوگ تجھے

قاری کہیں سو ایسا ہی ہوا اور تو نے لوگوں سے قاری کا خطاب حاصل کر لیا۔  
پھر اللہ تعالیٰ مالدار سے سوال کرے گا، کیا میں نے تجھے مال و دولت  
دے کر لوگوں کی احتیاج سے بے نیاز نہیں کر دیا تھا؟

وہ کہے گا، بے شک میرے اللہ  
اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو نے یہ مال کیسے صرف کیا؟  
وہ کہے گا، میں صلہ رحمی کرتا تھا، صدقہ و خیرات کرتا تھا۔  
اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹا سے تیرا مقصد تو اس مال کے خرچ کرنے  
سے یہ تھا کہ لوگ تجھے بڑا سخی اور فیاض کہیں اور تیری آرزو کے مطابق لوگوں  
نے تجھے ایسا کہا۔

پھر اللہ تعالیٰ میدان جہاد کے مقتول سے پوچھے گا کہ تو کیوں قتل ہوا؟  
وہ کہے گا، اے اللہ! تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا۔ پس میں نے  
جہاد کیا اور مارا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹ کہتا ہے تو نے میری راہ میں جہاد نہیں  
کیا بلکہ اس لیے لڑا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں اور یہ خطاب تو لوگوں سے پا چکا۔  
یہ حدیث بیان فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ذرا نو  
پر ہاتھ مار کر فرمایا، ابو ہریرہ! سب سے پہلے ان تینوں کے لیے جہنم کی آگ  
دہکائی جائے گی بے

ایک دفعہ ان کی ایک حبشی خادمہ نے ان کو بہت پریشان کیا۔ غصے  
میں آکر اس کو مارنے کے لیے چابک اٹھایا لیکن خوفِ آخرت غالب آ گیا۔

۱۔ یہ روایت ترمذی کی ہے (جامع ترمذی باب ماجاء فی الریاء والسمعة من شقی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔  
صحیح مسلم میں یہ حدیث ذرا مختلف طریقے سے بیان کی گئی ہے لیکن مفہوم  
ایک ہی ہے (اسی کتاب میں دیکھئے مرویات ابو ہریرہ حدیث ۱۱۱۱)۔



چایک ہاتھ سے رکھ کر فرمانے لگے اگر یہ ڈرنہ ہوتا کہ قیامت کے دن مجھ سے بدلہ لیا جائے گا تو میں تمہیں اس چایک کے ساتھ مارتا۔ جاؤ میں نے اللہ کی رضا

کی خاطر تمہیں آزاد کیا۔ (ابدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۱۱۲)

ایک دفعہ ان کی بیٹی نے کہا، آبا جان! لڑکیاں مجھے طعنے دیتی ہیں کہ تمہارے

والد تمہیں زیور کیوں نہیں پہناتے۔ فرمایا، بیٹی ان سے کہو کہ میرا باپ اس

بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں مجھے جہنم کی آگ میں نہ جلنا پڑے۔

(ابدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۱)

وفات سے پہلے علالت کے دوران میں بہت روتے تھے۔ لوگوں نے

رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا، میں اس لیے روتا ہوں کہ آخرت کا سفر طویل

سے اور میرے پاس زادِ راہ کم ہے، اس وقت جنت و دوزخ کے

نشیب فرازیں ہوں، معلوم نہیں کس راستے پر جانا پڑے۔

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۶۲)

## حُبِّ رَسُول

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے بے پناہ عقیدت اور محبت تھی۔ وطن سے ہجرت کے بعد حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ اقدس سے ایسے وابستہ ہوئے کہ آپ سے

تھوڑی دیر کی جدائی بھی شاق گزرتی تھی۔ عہد رسالت میں وہ کچھ مدت

کے لیے حضرت علامہ ابن عبد اللہ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بحرین گئے جہنوم

سے یہ جدائی انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں برداشت کی۔ ایک دفعہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! آپ کا دیدار میری زندگی اور آنکھوں کی ٹھنڈک

ہے۔“ (مسند احمد جلد ۲ ص ۲۹۳)

وہ زیادہ سے زیادہ وقت بارگاہ رسالت میں گزارتے تھے اور آپ کی زیارت، معیت اور خدمت کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ وہ ہر اس شخص سے بھی محبت کرتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز ہوتا تھا۔

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اپنے نواسے سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی گود میں اٹھا کر فرمایا : —  
 ”الہی میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ اور اس کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ۔“

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور کہا، ذرا اپنے پیٹ پر سے کپڑا اٹھائیے میں اس پر اس جگہ بوسہ دوں گا جس کو چومتے ہیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ انہوں نے کپڑا اٹھایا تو حضرت ابوہریرہ نے ان کی ناف پر بوسہ دیا۔ (مسند احمد ج ۱۳ ص ۱۹۵)

ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بات پر حضرت ابوہریرہ کی تشبیہ کیے چاہک اٹھایا (لیکن پھر اسے رکھ دیا)۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا : —

”اگر حضور مجھے یہ چاہک مارتے تو یہ منرا میرے لیے سرخ اوتوں کے مل جانے سے بھی بہتر ہوتی۔ مجھے امید ہے کہ میں مؤمن ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میرے حق میں مقبول ہے،“  
 (البیہ والنبیہ ج ۸ ص ۱۵۸)

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی تو حضرت ابوہریرہ روتے ہوئے پکار پکار کر کہتے تھے، لوگو! آج جی بھر کر دو لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب دنیا سے رخصت ہو گیا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۱۱)

ایک دفعہ ان کے سامنے بکری کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا گیا۔ انہوں نے یہ کہہ کر اس کے کھانے سے معذرت کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو گئے مگر آپ نے کبھی جو کی روٹی طہی سیر ہو کر نہ کھائی۔ (صحیح بخاری کتاب الاطعمہ)

## اتباع سنت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شبانہ روز فیض صحبت نے ایک ایسا مثالی مرد مومن بنا دیا تھا کہ وہ ہر کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے عبادات میں بھی آپ کے نقش قدم پر چلتے تھے اور معاملات میں بھی لفظ بہ لفظ آپ کے ارشادات کی تعمیل اور آپ کے طرز عمل کا اتباع کرتے تھے۔ ساتھ ہی لوگوں کو بھی برابر اس کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ کسی کو کوئی خلاف سنت کام کرتے دیکھتے تو فوراً ٹوک دیتے اور جو کچھ اس بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوتا سنا دیتے۔

ایک دفعہ کسی مجلس میں تشریف لے گئے اور حاضرین مجلس سے فرمایا، ہم میں سے جس شخص نے اپنے اقارب سے قطع تعلق کر رکھا ہو وہ جا کر اس کا ازالہ کرے۔ ان کی بات سن کر کوئی شخص بھی نہ اٹھا۔ جب انہوں نے تین مرتبہ اپنے الفاظ دہرائے تو ایک نوجوان مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔ اس نے دو سال سے اپنی پھوپھی سے قطع تعلق کر رکھا تھا، سیدھا پھوپھی کے پاس پہنچا۔ اس نے پوچھا، بھتیجے تم یہاں کیسے؟ کہنے لگا، میں نے ابو ہریرہ سے یہ الفاظ سنے ہیں۔

پھوپھی نے کہا، جاؤ ابو ہریرہ سے پوچھو کہ انہوں نے یہ الفاظ کیوں کہے؟ نوجوان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان سے

پوچھا کہ آپ نے یہ الفاظ کس بناء پر کہے۔ انہوں نے فرمایا : —  
 ” میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے  
 کہ بنی آدم کے اعمال ہر جمعرات کے پچھلے پہر بارگاہ رب العزت  
 میں پیش کیے جاتے ہیں جس نے کسی سے قطع تعلق کیا ہو، اس کے  
 اعمال کو قبول نہیں کیا جاتا۔“ (الادب المفرد ص ۲۵)

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ دو شخص لکھے  
 جا رہے ہیں۔ انہوں نے ان میں سے ایک شخص سے پوچھا، تمہارا ساتھی کون  
 ہے۔ اس نے کہا، میرے والد ہیں۔ فرمایا، ان کا نام لے کر نہ بلایا کرو،  
 ان کے آگے مت چلو، ان سے پہلے مت بیٹھو۔

(الادب المفرد ص ۳)

حضرت ابوسلمہ کہتے ہیں — ” میں نے دیکھا کہ حضرت ابو ہریرہ  
 نے سورۃ الانشقاق پڑھتے وقت سجدہ تلاوت کیا۔ میں نے ان سے  
 پوچھا کہ آپ نے یہاں سجدہ کیوں کیا؟“  
 انہوں نے جواب دیا، ”اگر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرتے  
 ہوئے نہ دیکھتا تو سجدہ نہ کرتا۔“

(صحیح بخاری ج ۱ - ص ۱۳۶)

”مسند احمد“ میں یہ روایت حضرت ابو رافعؓ کی زبانی اس طرح نقل  
 ہوئی ہے : —

” میں نے ابو ہریرہ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی۔ اس میں انہوں  
 نے سورہ الانشقاق پڑھی اور اس میں سجدہ تلاوت کیا۔ (نماز  
 سے فارغ ہو کر) میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہاں سجدہ  
 تلاوت کیوں کیا۔ تو انہوں نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 اقتدار میں نماز پڑھی تھی اور آپ نے بھی اس سورہ میں آیت

وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْمَعُونَ پڑھ کر سجدہ کیا تھا۔ اس لیے میں تو اس میں سجدہ تلاوت کرتا رہوں گا۔“

(مسند احمد ج ۱۲ ص ۱۲۲)

حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی۔ میں انہیں ہرگز ترک نہیں کروں گا۔

① ہر ماہ میں تین روز سے رکھنا۔

② سونے سے پہلے وتر ادا کرنا۔

③ جمعہ کے روز غسل کرنا۔ (مسند احمد ج ۱۳ ص ۱۹۷)

ایک دفعہ عثمان نہدیؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ (نفل) روزے کیسے رکھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، میں (رمضان المبارک کے پوسے روزوں کے علاوہ) ہر مہینے کے آغاز میں تین روز سے رکھتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

(مسند احمد ج ۱۲ ص ۱۰۸۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۲)

عبید اللہ بن ابی رافعؓ سے روایت ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا اور خود مکہ چلا گیا۔ اس دوران میں حضرت ابو ہریرہؓ نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ پہلی رکعت میں سورہ ”الجمعة“ اور دوسری میں سورہ ”المنافقون“ پڑھی۔

عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے کہا، آپ نے جمعہ کی نماز میں وہی سورتیں پڑھیں جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فہم جمعہ کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا:

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نماز جمعہ میں) یہ

سورتیں پڑھتے سنا تھا۔“ (سنن ترمذی ج ۱ ص ۹۴)

ایک دفعہ بعض صحابہؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

نماز کی قرأت کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے فرمایا :  
 ” قرأت ہر نماز میں کی جاتی ہے۔ جس نماز میں رسول اللہ  
 صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جہرا پڑھا اس میں ہم بھی جہرا  
 پڑھتے ہیں جس میں آپ نے سہرا قرأت کی اس میں ہم بھی  
 سہرا قرأت کرتے ہیں۔“ (ابداً و النہایہ جلد ۸ ص ۱۱۱)  
 حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ بیمار  
 ہوئے۔ میں ان کی عیادت کے لیے گیا تو دیکھا کہ لوگ اس کثرت سے ان  
 کی عیادت کے لیے آئے کہ سارا گھر بھر گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے ازراہ  
 انکسار اپنے پاؤں سمیٹ لیے اور فرمایا :

” ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں  
 حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اس وقت لیٹے ہوئے  
 تھے۔ آپ نے ہمیں دیکھ کر اسی طرح پاؤں سمیٹ لیے جیسا کہ اس  
 وقت میں نے اپنے پاؤں سمیٹ لیے ہیں۔ پھر ہم سے فرمایا کہ  
 لوگ تمہارے پاس علم حاصل کرنے کے لیے آئیں گے، تم ان کے  
 ساتھ اچھی طرح پیش آنا۔ ان کو مبارکباد دینا اور علم سکھانا۔“  
 (سنن ابن ماجہ باب الاوصاف بطلبہ العلم ص ۲۲)

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مجلس میں موجود  
 لوگوں کو یہ حدیث سنائی :

” رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ جب تمہارا پڑوسی تم  
 سے اپنا شہتیر تمہاری دیوار پر رکھنے کی اجازت مانگے تو اسے  
 روکو نہیں۔“

یہ حدیث سن کر وہ لوگ چوں چرا کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو ہریرہؓ  
 نے فرمایا، کیا بات ہے کہ تمہیں اس حدیث پر عمل کرنے سے گریزاں دیکھ رہا

ہوں۔ واللہ میں تمہیں اس کا پابند کر کے چھوڑوں گا۔

## شغفِ عبادت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عبادت اور ذکر الہی سے خاص شغف تھا۔ رات کو اٹھ کر خود بھی عبادت کیا کرتے تھے اور گھروالوں کو بھی شب بیدار بناتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ نے ”سیر اعلام النبلاء“ میں ابو عثمان نہدیؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں سات دن حضرت ابوہریرہؓ کا مہمان رہا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوہریرہؓ ان کی اہلیہ اور ان کا غلام رات کو باری باری جاگ کر عبادت کیا کرتے تھے۔

مسند احمد بن حنبل میں سے کہ (جس زمانے میں) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کتبہ تین آدمیوں پر مشتمل تھا، ایک خود، دوسری اہلیہ اور تیسرا خادم۔ یہ تینوں ہر رات کو باقاعدگی کے ساتھ باری باری اٹھ کر ایک ایک تہائی شب میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک ختم کر کے دوسرے کو جگا دیتا۔ دوسرا تیسرے کو اسی طریقے سے تینوں کی ساری رات عبادت میں گزار

لے پڑوسی کے اس حق کے بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے بعض نے اسے واجب قرار دیا ہے اور بعض اسے مستحب قرار دیتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پہلے مسلک کے حامی ہیں لیکن بقول امام خطابیؒ عام علماء کے نزدیک یہ کام پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک اور استحباب کے درجہ میں آتا ہے اور کسی کو حکماً اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ امام احمدؒ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حاکم یا قاضی کا فرض ہے کہ وہ اس کو واجب جانتے ہوئے فیصلہ کرے اور اگر ایک پڑوسی اپنی دیوار پر دوسرے پڑوسی کو شہتیر رکھنے کی اجازت نہ دے تو حاکم یا قاضی اسے حکماً اس بات پر مجبور کریں۔ (مسند احمد ج ۱۲ ص ۲۴۴، معالم السنن)

جاتی تھی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشراق کی نماز پڑھنے کی وصیت فرمائی تھی۔ چنانچہ وہ زندگی بھر یہ نماز پابندی سے پڑھتے رہے۔ (مسلم کتاب الصلوة)

رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ ہر مہینے کے شروع میں تین روزے بالاتزام رکھتے تھے اگر کسی وجہ سے شروع میں نہ رکھ سکتے تو مہینے کے آخر میں رکھ لیتے تھے۔

اکثر تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے۔ ایک تھیلی میں کنکریاں اور کھجور کی گٹھلیاں بھری رہتی تھیں جن پر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ جب تھیلی ختم ہو جاتی تو اپنی خادمہ کو حکم دیتے وہ پھر اسی تھیلی میں کنکریاں اور گٹھلیاں بھر لاتی۔ روزانہ بارہ ہزار تسبیحیں پڑھا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے گناہوں کے برابر تسبیح پڑھتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے (اپنی آسودگی کے زمانے میں) گھر میں عبادت کے لیے چار جگہیں بنا رکھی تھیں۔ ایک تہہ خانہ میں۔ دوسری رہائشی مکان میں۔ تیسری اپنے حجرے میں اور چوتھی گھر کے دروازے کے پاس۔ وہ گھر میں آتے جاتے اس میں (نفل) نماز پڑھا کرتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱)

حضرت نعیم بن عبد اللہؓ کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ مسجد کی چھت پر وضو کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے وضو کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو شانوں تک دھویا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے لوگ اپنے بدن کے جو حصے وضو میں دھو اتے ہیں وہ قیامت کے دن چمکیں گے۔ اس لیے تم لوگوں سے جہاں تک ہو سکے اپنے بدن کے حصوں کی چمک کو بڑھاؤ۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۲۳۳)



مضارب بن جزو بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں باہر نکلا تو کسی کے زور زور سے تکیوں کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ قریب جا کر دیکھا تو حضرت ابوہریرہؓ تھے۔ میں نے ان سے پوچھا، اس وقت آپ کیوں تکیوں کو کہہ رہے ہیں؟ کہنے لگے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ ایک وہ وقت تھا جب میں بسیرہ بنت غزوان کے پاس پیٹ کی روٹی پر ملازم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ دن دکھایا کہ وہ میرے عقد میں آگئی۔

(الأصابہ جلد ۱ ص ۲۰۶)

## فقر و عفاف

حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے دو دور تھے۔ پہلا دور سخت تنگ دستی اور افلاس کا تھا۔ دوسرا دور آسودہ حالی اور تمول کا تھا۔ پہلے دور میں انہوں نے سخت مصیبتیں برداشت کیں اور شدید فقر و فاقہ سے دوچار رہے۔ مسلسل فاقوں کی وجہ سے کئی بار غش کھا کر گر پڑتے یا پیٹ کے بل کنکریوں پر لیٹ جلتے کیونکہ کمر سیدھی نہ کر سکتے تھے۔ بعض اوقات پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔ ان ساری تکلیفوں کے باوجود صبر و قناعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، جو کچھ کھانے کو مل جاتا، اسی پر قناعت کر لیتے۔ جب کچھ بھی نہ ملتا تو فاقہ کرتے یا روزہ رکھ لیتے۔ ایک دن ان کے پاس پندرہ کھجوریں تھیں۔ انہوں نے پانچ کھجوروں سے روزہ افطار کیا، پانچ سحری کے وقت کھالیں اور پانچ روزہ افطار کرنے کے لیے باقی رکھ لیں۔ ان کے داماد حضرت سعید بن مسیبؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ باہر سے گھوم پھر کر گھر آتے تو اہل خانہ سے پوچھتے کہ کھانے کے لیے کوئی چیز موجود ہے؟ اگر اہل خانہ نفی میں جواب دیتے تو وہ فرماتے ہیں نے روزہ رکھ لیا (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۸۲)

کئی دفعہ ایسا ہوتا کہ جب بھوک ان کو بہت ستاتی تو غش کھا کر گرتے اور منبر نبوی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حجرے کے درمیان پڑے رہتے۔ گزرنے والوں کے پاؤں ان کی گردن پر پڑتے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ ابوہریرہؓ کو جنون ہو گیا ہے (یا وہ آسید زدہ ہو گئے ہیں) کبھی کوئی شخص ان کے سر ہانے بیٹھ کر اس خیال کا اظہار کرتا اور ان کو ہوش آجاتا تو کہتے نہیں بھائی وہ بات نہیں جو تم سمجھتے ہو، میری یہ حالت بہت بھوک کی وجہ سے ہوئی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۵۳)

(سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۲۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقر وفاقہ کے کئی واقعات پچھلے صفحات میں بیان کیے جا چکے ہیں۔

## سادگی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا دوسرا دور آسودگی اور خوش حالی کا تھا لیکن وہ فطرثاً سادہ مزاج تھے۔ اس دور میں بھی اپنی سادہ وضع قائم رکھی۔ مدینہ کی امارت کے زمانے میں شہر سے نکلتے تو گدھا سواری میں ہوتا، اس پر نمبرے کا پالان کسا ہوتا تھا اور اس کی رگام کھجور کی چھال کی ہوتی تھی۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۶)

ماضی میں انہوں نے جو سختیاں جھیلی تھیں اور تنگ دستی کا جو زمانہ گزارا تھا اس کو کبھی نہ چھپاتے تھے اور بے تکلفی کے ساتھ لوگوں کو اپنے زمانہ عشرت کے حالات سنایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دسترخوان پر چپاتیاں آئیں وہ بیاتیوں

عبرت پذیر می

کو دیکھ کر رونے لگے اور کہنے لگے، اللہ اللہ آج ہم چپاتیاں کھاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی میں شاید ہی کبھی چپاتی کھاتی ہو۔  
(سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب الرقاق)

ایک دفعہ کتان کے دو رنگے پوٹے کپڑے پہنے۔ ایک سے ناک صاف کر کے کہا، واہ ابوہریرہ آج تم کتان کے کپڑے سے ناک صاف کرتے ہو۔ حالانکہ کل تمہاری یہ حالت تھی کہ منبر نبوی اور حضرت عائشہؓ کے حجرے کے درمیان بھوک کی وجہ سے گرسے ہوئے ہوتے اور لوگ تمہیں پاگل سمجھتے۔  
(صحیح بخاری کتاب الاعتصام)

## حق گوئی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حق بات کہنے میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ مروان بن الحکم کی امارت مدینہ کے زمانے میں (غلہ کھجور وغیرہ کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں) ہنڈی کا رواج چل پڑا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ کو معلوم ہوا تو وہ فوراً مروان کے پاس گئے اور اس سے کہا، تم نے سود حلال کر دیا۔  
اس نے کہا، معاذ اللہ میں ایسا کیوں کرنے لگا۔

انہوں نے فرمایا: تم نے ہنڈی کو رائج کیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیائے خوردنی کی اس وقت تک فروخت کی ممانعت فرمائی ہے جب تک پہلا خریدار ان کو ناپ نہ لے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا ارشاد سن کر مروان نے ہنڈی کے ذریعے غلے وغیرہ کی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دیا۔

(صحیح مسلم کتاب البیوع باب بیع البیع قبل القبض)

ایک دفعہ امیر مدینہ مروان بن الحکم کے ہاں گئے تو اس کے مکان میں

تصویریں آویزاں دیکھیں (ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے مروان کو تصویریں بناتے دیکھا)۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو میری مخلوق کی طرح مخلوق بناتا ہے۔ اگر تخلیق کا دعویٰ ہے تو کوئی ذرہ غلہ یا جو تو پیدا کر کے دکھائے۔ (مسند احمد ج ۲ احادیث ابوہریرہؓ)

## حَسَنُ مَعَاشِرَتٍ

والدین، اعزہ و اقارب، دوست احباب، پاس پڑوس اور محلہ و شہر کے لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے اور مناسب برتاؤ کرنے کا نام معاشرت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حسن معاشرت کی جو تعلیم دی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا مکمل نمونہ تھے۔ والدہ کے ساتھ ان کے حسن سلوک کا حال پچھلے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی ان کا سلوک انکسار و تواضع کا ہوتا تھا۔ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں سے بے پناہ محبت کرتے دیکھ چکے تھے۔ اس لیے وہ بھی بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ ان کو کھیلتا دیکھتے تو ان میں گھس جاتے اور ان کو ہنسانے کی کوشش کرتے بلکہ بچوں میں بچہ بن جاتے اور ایسی حرکتیں کرتے کہ وہ خوش ہو جاتے۔ ابن عساکر کا بیان ہے کہ وہ بچوں میں بیٹھ کر کھانا کھاتے اور ان کو بڑی شفقت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

(ابن عساکر ج ۴ ص ۵۲)

مہانوں کی خاطر تواضع نہایت خوشدلی سے کرتے تھے۔ مہمان ان کے پاس کتنا ہی عرصہ قیام کرے وہ القباض محسوس نہیں کرتے تھے اور اس کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کرتے تھے۔ اطفال و یتیم کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ

میں حضرت ابوہریرہؓ کے پاس چھ مہینے قیام کیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کو ابوہریرہؓ سے بڑھ کر مہمان نوازی اور مہمانوں کی مدارات کرنے میں مستعد نہیں دیکھا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ تذکرہ حضرت ابوہریرہؓ، سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۲۲۸)

ابو عثمان نہدیؓ کا بیان ہے کہ میں سات دن ابوہریرہؓ کا مہمان یا ابوہریرہؓ ان کی اہلیہ اور ان کا خادم باری باری رات کو جاگ کر عبادت کیا کرتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۲۳۸)

مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ مہمان نوازی صحابہ کرامؓ کا عام وصف تھا تاہم لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے بڑھ کر مہمان نوازم صحابی تھے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۵۳۸)

## قیاضی اور سیر چشمی

قیاضی اور سیر چشمی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص وصف تھا۔ مدینہ منورہ میں اپنا مکان اپنے غلاموں کو کوئی معاوضہ لے بغیر دے دیا تھا۔ اپنا مال بے دریغ راہِ خدا میں لٹاتے رہتے تھے۔ صدقہ و خیرات کرنے میں روحانی مسرت محسوس کرتے تھے۔ ایک دفعہ مروان بن الحکم نے انہیں نو دینار بھیجے۔ انہوں نے یہ سب کے سب اللہ کی راہ میں دے دیئے۔ دوسرے دن مروان نے انہیں کہلا بھیجا کہ کل جو دینار آپ کو بھیجے تھے، وہ کسی اور کے لیے تھے، آپ کو غلطی سے چلے گئے یہ دینار واپس بھیج دیجئے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے پیغام لانے والے کے ذریعے جواب دیا کہ وہ دینار میں نے کسی (حاجت مند) کو دے دیئے۔ انہیں میرے وظیفے سے وضع کر لیجئے گا۔ دراصل مروان کا مقصد صرف ان کو آزمانا تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۱۱۔ البیہقی والنتہایہ ج ۸ ص ۱۱۱)

لوگوں کو کھلا پلا کر بہت خوش ہوتے تھے۔ عبداللہ بن ربیع بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ چند آدمیوں کا وفد امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دمشق گیا۔ اس وفد میں ہم اور حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے۔ یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ دمشق کے دوران قیام میں ہمارا معمول تھا کہ ہم ایک دوسرے کو کھانے پر بلا کرتے تھے لیکن حضرت ابوہریرہؓ اس معاملے میں ہم سب پر بازی لے گئے وہ سب سے زیادہ دعوت کرتے تھے۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۵۲۸)

## خوش مزاجی (زندہ دلی)

حضرت ابوہریرہؓ کے علم و فضل اور وقار و متانت میں تو کوئی کلام نہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بڑے خوش مزاج اور زندہ دل تھے۔ امارت مدینہ کے زمانے میں خود لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر گھر لے جاتے تھے۔ ایک دن اسی حالت میں بازار سے گزر رہے تھے کہ راستے میں ثعلبہ بن ابی مالک القرظی ملے۔ ان سے کہنے لگے:

”ابو مالک! اپنے امیر کے لیے راستہ کھلا چھوڑ دو۔“

انہوں نے کہا، اللہ آپ پر رحم فرمائے، راستہ تو آپ کے گزرنے کے لیے بہت کشادہ ہے۔“

(بہتے ہوئے) فرمایا، (بجائی دیکھتے نہیں) تمہارا امیر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے ہے اس کے لیے راستہ کھلا کر دو۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۳)

کبھی سواری پر جا رہے ہوتے اور کوئی سواری کے سامنے آجاتا تو ازراہ مذاق فرماتے، راستہ چھوڑ دو، امیر کی سواری آ رہی ہے۔

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۶)

حضرت ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ (اپنی امارت مدینہ کے زمانے میں کبھی کبھی) مجھے رات کے کھانے کی دعوت دیتے تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے وہ (ہنس کر) کہتے، اپنے امیر کے لیے بڑی تو باقی رہنے دو حالانکہ روٹی کے ساتھ صرف روغن زیتون ہوتا اور گوشت کا نام و نشان بھی موجود نہ ہوتا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶)

بچوں کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کی محبت اور شفقت کا ذکر بچے آچکا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ بچوں کو کوسے کا کھیل کھیلتے دیکھتے تو ان میں اس طرح گھس جاتے کہ انہیں پتہ تک نہ چلتا۔ ایک پاگل آدمی کی طرح اپنے پاؤں زمین پر مار کر ان کو ہنسانے کی کوشش کرتے۔

ان روایات سے یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ بہت زندہ دل تھے اور بچوں کی نفسیات سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔

اپنے مہانوں کے ساتھ بھی حضرت ابو ہریرہؓ کا رویہ ایسا ہوتا کہ وہ اپنے دوران قیام میں خوش خوش رہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ خوش طبعی (ہنسی مذاق) کی باتوں سے مہانوں کا دل موہ لیتے اور وہ ہمیشہ ان کی خوش اخلاقی اور شگفتہ مزاحی کو یاد رکھتے۔

(سوانح حضرت ابو ہریرہؓ از محمد عجاج الخطیب - دواع ابی ہریرہؓ از مفتی غلام الرحمن)

## جوش عقیدت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ وہ اکثر حدیث بیان کرتے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ایسے والہانہ انداز میں کرتے جس سے ظاہر ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عقیدت عشق کے درجے تک پہنچی ہوئی ہے اور ان کا جوش عقیدت الفاظ کے سلسلے میں ڈھل گیا۔

کبھی روایت کا آغاز ان الفاظ سے کرتے : —

” میرے (بہترین - سب سے پیارے) دوست ابوالقاسم  
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ( قَالَ خَلِيلِي أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ )“

کبھی ان الفاظ سے : —

” میرے حبیب محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ( قَالَ جَبِيْبِي مُحَمَّدٌ  
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ )“

کبھی پیرایہ آغاز کے الفاظ یہ ہوتے : —

” الصادق المصدوق صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا :“

کبھی صرف اتنا کہہ پاتے

قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ان پر گریہ طاری ہو جاتا اور روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتیں۔  
کبھی کبھی حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا اسم گرامی لیتے ہی وہ عیش کھا کر گر پڑتے  
اور بڑی مشکل سے حدیث بیان کرتے۔

(مسند احمد جلد ۱۳ ص ۲۲۶ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۰۵ سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۴۴۸)

ایک دفعہ وہ حالت جنابت میں مدینہ منورہ کی ایک گلی سے گزر رہے  
تھے کہ اچانک رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے ملاقات ہو گئی۔ آپ نے  
حضرت ابو ہریرہؓ کا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ انہوں نے  
تعمیل ارشاد کی لیکن جونہی آپ ایک جگہ پہنچ کر رونق افروز مجلس ہوئے  
تو وہ چپکے سے اٹھ کر گھر پہنچے اور غسل کرنے کے بعد بارگاہ رسالت میں  
حاضر ہو گئے۔

حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ان سے پوچھا، ابھی تک تم کہاں تھے؟  
انہوں نے عرض کیا : —

” یا رسول اللہ! میں نے جنابت کی حالت میں آپ کی ہم نشینی کو اچھا



نہیں جانا اور غسل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔“  
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷۱)

شعبہ ہجری میں مسجد نبوی کی مرمت اور توسیع کا کام شروع ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ مل کر اینٹیں ڈھونے لگے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے دیکھا کہ آپ نے اتنی زیادہ اینٹیں اٹھا رکھی ہیں کہ اینٹیں آپ کے سینہ مبارک تک پہنچی ہوئی ہیں اور آپ تکلیف محسوس کر رہے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ بے تاب ہو گئے اور عرض کیا، اے اللہ کے حبیب! یہ اینٹیں مجھے دے دیجئے میں پہنچا دیتا ہوں۔  
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اینٹیں تو بہت ہیں جاؤ ان کے علاوہ اور اٹھا لاؤ یہ میرے لیے چھوڑ دو۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں :  
”جاؤ ان کے علاوہ اور لے آؤ تم اللہ سے نیکیاں حاصل کرنے میں مجھ سے زیادہ حاجت مند نہیں۔“

(مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۷۱، تاریخ مدینۃ المنورہ ص ۱۷۱ مولانا محمد عبد العبود)



# حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی علمی زندگی

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمی زندگی ان کی کتاب سیرت کا سب سے جلی عنوان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تحصیل علم کا شوق ان کی فطرت میں ودیعت کیا تھا۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے بعد انہوں نے جس ذوق و شوق سے علم حاصل کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

عہد رسالت میں وہ ہمیں ایک ایسے درویش طالب علم کی حیثیت سے نظر آتے ہیں جس نے اپنا سب کچھ تحصیل علم کے لیے وقف کر دیا ہو۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو تک و دو کی اور جو صعوبتیں برداشت کیں ان کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت اور لطف و کرم نے ان کے ذوق علم کو اور جلاوی یہاں تک کہ معدن علم بن گئے اور خود ذات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تبحر علمی کی تصدیق فرمائی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوہریرہ علم کا تھیلا ہے۔ (مشدک عالم جلد ۳ ص ۵)

عہد رسالت کے بعد حضرت ابوہریرہ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ شاعت حدیث

لے حدیث میں "دعانا لعلم" کے الفاظ آئے ہیں۔ بعض علما نے ان کا ترجمہ "علم کا تھیلا" اور بعض نے "علم کا ظرف" کیا ہے۔ چہڑے کے ایک خاص قسم کے تھیلے کو برتن (ظرف) کے طور بھی استعمال کر دیا جاتا تھا اس لیے اس کو ظرف کہنا بھی صحیح ہے۔

یا اشاعتِ علم میں گزارا۔ اس کی تفصیل مختلف ذیلی عنوانات کے تحت آگے آتی ہے۔

## وسعتِ علم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وسعتِ علم کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو علم کا تھیلہ یا ظرف قرار دیا۔ ”علم“ میں ہر قسم کے علوم (قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ) شامل ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان کا شمار صحابہ کے کبار ائمہ حدیث میں ہوتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دوسرے علوم دینی میں دسترس نہیں رکھتے تھے۔ فی الحقیقت علم حدیث کے علاوہ وہ دوسرے علوم دینی میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے البتہ ان کی علمی زندگی میں روایتِ اشاعتِ حدیث کا پہلو سب سے نمایاں ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مادری زبان عربی تھی۔ اس کے علاوہ وہ فارسی زبان بھی جانتے تھے اور اس میں روانی سے گفتگو کر لیتے تھے۔ سنن ابی داؤد میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

” میں ابوہریرہؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک ایرانی عورت آئی جس کے ہمراہ اس کا (کمن) بیٹا بھی تھا۔ اس کے شوہرنے اس کو طلاق سے دی تھی۔ اس عورت نے فارسی زبان میں کہا کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق سے دی ہے اور اب وہ میرے اس بیٹے کو مجھ سے لینا چاہتا ہے۔

ابوہریرہؓ نے اسی (فارسی) زبان میں جواب دیا کہ تم دونوں (مرد اور عورت) قرعہ اندازی کر لو۔

اتنے میں لڑکے کا باپ بھی آگیا۔ وہ کہنے لگا، میرے بیٹے پر

کون حق جتا سکتا ہے؟ ابوہریرہؓ نے فرمایا، میں نے یہ فیصلہ اس واقعہ کے پیش نظر کیا ہے کہ ایک دفعہ میری موجودگی میں ایک عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، یا رسول اللہ میرا شوہر میرے بیٹے کو مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔ حالانکہ میرا یہ بیٹا مجھے فلاں کنوٹیں سے پائی لاکر دیتا ہے اور میں دوسرے کام بھی اس سے لیتی ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم دونوں قرعہ اندازی کر لو۔ شوہر آکر بولا، میرے بچے کا اور کون حق دار ہو سکتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے سے مخاطب ہو کر فرمایا، یہ ہے تمہاری والدہ اور یہ ہے تمہارا والد، جس کا ہاتھ چاہو پکڑ لو۔ بچے نے مال کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اسے لے کر رخصت ہو گئی۔ یہ ساری گفتگو حضرت ابوہریرہؓ نے فارسی میں کی۔“

(ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۵۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ ان کو تورات کے مسائل سے کافی واقفیت تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے حضرت کعب الاحبارؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے:

وہ میں نے ابوہریرہؓ کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو تورات کو پڑھے بغیر اس کے مندرجہ سے آگاہ ہو۔“ (الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۵)

لکھنے پڑھنے میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے بہت سی احادیث اپنے ہاتھ سے لکھ کر (یا اپنے شاگردوں کو املا کر دیا کر) ان کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جو ایک یا کئی جلدوں میں محفوظ تھا۔ اس کی تفصیل تحریر و کتابت حدیث کے عنوان کے تحت بیان کی گئی ہے۔

## مرویاتِ ابی ہریرہؓ کی تفصیل

جیسا کہ تیجھے ذکر کیا جا چکا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پانچ ہزار تین سو چوبتر (۵۳۷۴) احادیث مروی ہیں۔ حدیث کی ہر قابل اعتماد کتاب میں ان کی کچھ نہ کچھ مرویات ضرور ملتی ہیں۔ یہ احادیث کسی خاص شعبہ زندگی ہی سے متعلق نہیں ہیں بلکہ دین کے تمام احکام و مسائل اور آداب و اخلاق پر محیط ہیں اور عقائد، عبادات، معاملات، تفسیر، فقہ، جہاد، مناقب، رفاق، ذکر و تسبیحات، سیرت و معارفی وغیرہ ہر باب میں ان کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ محققین نے مرویاتِ ابی ہریرہؓ کی تعداد مشہور کتب حدیث میں اس طرح بیان کی ہے۔

(۱) صحاح ستہ اور مؤطا امام مالکؒ میں مجموعی طور پر حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی دو ہزار دو سو اٹھارہ (۲۲۱۸) حدیثیں ملتی ہیں۔

(۲) صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں مرویاتِ ابی ہریرہؓ کی تعداد مجموعی طور پر چھ سو نو (۶۰۹) ہے۔ ان میں سے باختلاف روایت تین سو

پچیس یا تین سو چھتیس احادیث بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہیں (یعنی متفق علیہ ہیں) بقول علامہ عجاج الخطیبؒ تراویح سے احادیث میں

امام بخاریؒ اور ایک سو نو سے ہیں امام مسلمؒ منفرد ہیں (سوانح ابو ہریرہؓ)۔ لیکن سیر الصحابہ (مہاجرین حصہ دوم) میں مولانا شاہ معین الدینؒ نے

حضرت ابو ہریرہؓ کے ترجمہ میں "تہذیب الکمال" کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام بخاریؒ ۷۹ میں اور امام مسلمؒ ۹۲ میں منفرد ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات کی تعداد چار سو چھیالیس شمار کی ہے۔ شیخ عبد المنعم صالح العلیٰ عراقی نے

ان مرویات کی تعداد ایک ہزار گیارہ (۱۰۱۱) بیان کی ہے۔ اس

- اختلاف کی وجہ بعض علماء نے صحیح بخاری کی اکثر روایات میں تکرار اور تقطیع بیان کی ہے۔ (دفاع ابوہریرہ از مولانا مفتی غلام الرحمن ص ۱۰۹) ۳۸۴۸
- (۳) مُسَدِّدِ احمد بن حنبل میں مرویاتِ ابی ہریرہ کی کل تعداد تین ہزار اٹھ سو اٹھائیس ہے۔ یہ مرویات مُسَدِّدِ کے ۲۱۳ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں (جلد ۲ صفحہ ۲۲۸ تا صفحہ ۵۴۱)۔ ان میں بہت سی احادیث لفظاً و معنماً مکرر ہیں مگر مکررات کو نکالنے کے بعد بھی ان احادیث کی خاصی بڑی تعداد باقی رہ جاتی ہے۔
- (۴) سُنَنِ اربعہ (ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور مؤطا امام مالک میں مجموعی طور پر حضرت ابوہریرہ کی ایک ہزار چھ سو نو مرویات ملتی ہیں ان میں سے بعض احادیث پانچوں ائمہ حدیث نے روایت کی ہیں اور بعض جداگانہ طور پر کسی نے روایت کی ہیں اور کسی نے نہیں۔
- (۵) امام بقی بن مخلد (المتوفی ۲۷۶ ہجری) نے اپنی مُسَدِّدِ میں حضرت ابوہریرہ کی پانچ ہزار تین سو چونتیس مرویات درج کی ہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ تعداد ہے جس پر سب محققین کا اتفاق ہے۔
- (۶) امام ابن اسحاق کا قول ہے کہ جن تین ہزار احادیث سے احکام ثابت ہوتے ہیں، ان میں سے ڈیڑھ ہزار روایات صرف حضرت ابوہریرہ سے منقول ہیں۔ (دفاع ابوہریرہ از مفتی غلام الرحمن ص ۱۰۹) احوال حقائق السنن
- (۷) شیخ جمال الدین ابی الحجاج یوسف بن الزکی عبد الرحمن بن یوسف المزی (متوفی ۴۲۲ھ) نے "تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف" میں ۳۵۴ راویوں کے واسطے سے حضرت ابوہریرہ کی تین ہزار تین سو ستتر (۳۳۷۰) مرویات نقل کی ہیں جو دو جلدوں کے سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔
- (دفاع ابوہریرہ از مفتی غلام الرحمن ص ۱۰۹)

یہ تقطیع سے مراد ہے کہ امام بخاری کبھی کسی روایت کے لیے فقط ایک جملہ لانے پر اکتفا کرتے ہیں جس سے متعلقہ باب کا مسئلہ ثابت ہوتا ہو۔

## اَسَايِدَه

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سب سے بڑے استاد خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس لیے ان کی اکثر روایات مرفوع ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ انہوں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ متعدد صحابہ کرامؓ سے بھی روایت کی ہے ان میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت اسامہ بن زید، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابی بن کعب، حضرت کعب بن عجرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت علاء بن الحضرمی، حضرت زید بن ثابت، حضرت فضل بن عباس، حضرت خرم بن فاسک اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شامل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات میں بعض ایسے واقعات کا ذکر بھی آتا ہے جن کا تعلق ان کی بارگاہ رسالت میں حاضری سے قبل کے زمانے سے ہے۔ یہ مرویات بظاہر مرفوع معلوم ہوتی ہیں لیکن فی الحقیقت ان میں مذکورہ واقعات انہوں نے دیکھے صحابہ کرامؓ سے سنے تھے اور پوچھے جا پڑے اس کی وضاحت کر دیتے تھے۔

## رُوَاةٌ اَوْ تَلَامِيذُه

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رُوَاةٌ اَوْ تَلَامِيذُه کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آٹھ سو سے بھی زیادہ راویانِ حدیث نے استفادہ کیا۔

ابن ابی حاتم اور ابن حبان نے ان کے رُوَاةٌ اَوْ تَلَامِيذُه کی کوئی معین تعداد نہیں بتائی البتہ یہ ضرور لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے کسب فیض کرنے والوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔

ان کے رداۃ و تلامذہ میں متعدد صحابہ کرامؓ (بشمول صحابیات) کے علاوہ کثیر التعداد ائمہ تابعین اور جید علمائے حدیث و فقہ شامل ہیں۔ ان میں سے ایک سو بارہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں: —

أم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت ابوالیوب انصاریؓ، حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ، حضرت زید بن ثابت انصاریؓ، حضرت ابی بن کعب، حضرت اشلہ بن اسقع، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی، حضرت مسور بن مخرمہؓ، حضرت شفی بن ماتع، حضرت عبداللہ بن مسرجس، حضرت عبدالرحمن بن عوف۔

حضرت سعید بن مسیبؓ، ابورافعؓ، ابوادریس خولانیؓ، ابوعثمان نہدیؓ، ابراہیم بن اسمعیلؓ، ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف، سلیمان بن یسار، طاووسؓ، عکرمہؓ، اسود بن ہلال، عطاء بن ابی رباح، عامر شعبیؓ، ابواسامہ بن سہل بن حنیف، سعید بن جبیرؓ، قیس بن ابی حازم، حفص بن عاصمؓ، ابوسعید الخدریؓ، شہر بن حوشب، ابوصالحؓ، عروہ بن زبیرؓ، اعرجؓ، عامر بن سعد بن ابی وقاص، مکحول الشامیؓ، ابوزرعہؓ، بشیر بن نہیک، حمید بن عبدالرحمن حمیریؓ، محمد بن منکدر، حنظلہ بن علی سلمیؓ، ابن فارضؓ، سعید بن عمرو بن سعید بن عاص، ابوجعفر مدنی، شرح بن ہانی، سنان بن ابی سنانؓ، عبداللہ بن شفیق، عمرو بن میمونؓ، ابوقیسؓ، بسر بن سعید، سلیمان بن الاغر، مالک بن ابی عامر اصبحی، قبصہ بن ذویب، ابومسلمؓ، ثابت بن عیاضؓ، زرارہ بن ابی ادنیؓ، عبداللہ بن ثعلبہؓ، عبداللہ بن رباح انصاریؓ، خواجہ حسن بصریؓ، محمد بن سیرینؓ، نافع بن جبیر بن مطعم، موسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ عیسیٰؓ، بن طلحہ بن عبید اللہ، عبید اللہ بن ابی رافع، زید بن سلم، عبداللہ بن عبدالرحمنؓ،



عمرو بن ابی سفیانؓ، نافع مولیٰ ابن عمرؓ، ابو الشعثاء المحاربیؓ، ابو بکر بن  
 عبدالرحمنؓ، ابو عطفان بن طریف المریؓ، ابو حازم الاشجعیؓ، نافع مولیٰ  
 ابی قتادہؓ، محمد بن ابی عائشہؓ، صنحاک بن بشر حبیلؓ، یزید بن اصمؓ، موسیٰ بن  
 وردانؓ، موسیٰ بن یسارؓ، ہمام بن منبہؓ، عبید بن حنینؓ، غنیمہ بن سعید  
 بن العاصؓ، عطاء بن میناءؓ، عبدالرحمن بن سعد المقعدؓ، عبدالرحمن بن  
 مہرانؓ، عبید اللہ بن سفیان حضرمیؓ، عطاء بن یزید لثیؓ، محمد بن کعب القرظیؓ،  
 عراق بن مالکؓ، عطاء بن یسارؓ، محمد بن زیاد حمیمیؓ، محمد بن قیس بن مخزومہؓ،  
 یوسف بن مالکؓ، عبدالرحمن بن ابی نعیمؓ، محمد بن عبادؓ، میثم بن ابی سنانؓ،  
 سعید بن حارثؓ، سعید بن سمعانؓ، عبدالرحمن بن ابی عمرہ انصاریؓ،  
 ابو الحبابؓ، سالم ابو الغیثؓ، بعبہ جہنیؓ، خلاص بن عمروؓ، حکیم بن میناءؓ،  
 زیاد بن رباحؓ، ابو الولید عبداللہ بن حارثؓ، عبدالرحمن بن یعقوبؓ،  
 محمد بن عبدالرحمنؓ، سعید بن مرجانہؓ، مالک بن ابی عامر۔

(تہذیب المتہذیب)



## اشتیاقِ حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سننے کا اس قدر شوق تھا کہ اس کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ مدینہ منورہ آنے کے بعد انہوں نے ہمیشہ ہی کوشش کی کہ سفر ہو یا حضر، وہ اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ بارگاہ رسالت میں گزاریں۔ یوں ایک طرف تو آپ کی خدمت کی سعادت حاصل کریں اور دوسری طرف زیادہ سے زیادہ ارشادات نبوی کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لیں۔ اس شوق کے سامنے دنیا کا مال و زر ان کی نظروں میں ہیج تھا۔ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ لوگ مانگ مانگ کر بھی اپنا حصہ لے جا رہے تھے لیکن حضرت ابوہریرہؓ خاموش بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: —

”اے ابوہریرہ! تمہارے ساتھی مالِ غنیمت کا سوال کرتے ہیں تم کیوں اس کا سوال نہیں کرتے؟“

انہوں نے عرض کیا: —

”و یا رسول اللہ! میں آپ سے اس علم کا سوال کرتا ہوں جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔“

(سیر اعلام النبلاء ج ۲ / ص ۵۹۳)

حضرت ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ ”میں نے تین سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزارے۔ ان تین سالوں سے بڑھ کر میری زندگی میں کوئی ایسا وقت نہیں آیا جس میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سمجھنے اور یاد کرنے کا زیادہ ذوق و شوق ہو۔“

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۵۳)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف و کرم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حرصِ حدیث میں بڑا بے باک کر دیا تھا۔ جو سوال ذہن میں آتا بلا جھجک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

” بے شک ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال پوچھنے میں اتنے جری تھے کہ وہ آپ سے ایسی باتیں بھی پوچھ لیتے تھے جن کے پوچھنے کی ہم کو (بروایت دیگر کسی دوسرے کو) جرأت نہ ہوتی تھی۔“

(ابن عساکر ج ۱، ص ۳۴۴۔ دفاع عن ابی ہریرہ ص ۱۴۹)

خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن ہم لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا:

” کون ہے جو مجھ سے سیکھ لے یہ چند خاص باتیں۔ پھر وہ خود ان پر عمل کرے یا دوسرے عمل کرنے والوں کو بتائے۔“

میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ تو آپ نے میرا ہاتھ (ازراہ شفقت) اپنے ہاتھ میں لیا اور گن کر یہ پانچ باتیں بتائیں، فرمایا:

جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں، ان سے بچو اور ان سے پورا پورا پرہیز کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم بہت بڑے عباد گزار ہو۔

اللہ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے اس پر راضی اور مطمئن ہو جاؤ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو بڑے بے نیاز اور دولت مند ہو جاؤ گے۔

اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو

مومن کامل ہو جاؤ گے۔

اور

جو تم اپنے لیے چاہتے اور پسند کرتے ہو وہی دوسرے لوگوں کے لیے بھی چاہو اور پسند کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو حقیقی مسلم اور پورے پورے مسلمان ہو جاؤ گے۔

اور

زیادہ ہنسنا نہ کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔  
(مُسْنَدِ احمد و جامع ترمذی)

رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے اشتیاق یا حرص حدیث سے پوری طرح آگاہ تھے۔ چنانچہ جب ایک موقع پر انہوں نے آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے کون خوش بخت سعادت اندوز ہوں گے، تو آپ نے فرمایا، اے ابو ہریرہ! جب سے میں نے تمہاری حرص حدیث کا اندازہ کیا ہے تو مجھے یقین ہوا کہ تمہارے سوا کوئی دوسرا شخص اس بارے میں مجھ سے سوال نہیں کرے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ / اصل ۲)

مُسْنَدِ احمد میں یہ روایت اس طرح نقل کی گئی ہے :  
” حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب آپ نے اللہ تعالیٰ سے شفاعت کے بارے میں سوال کیا تو بارگاہِ ایزدی سے کیا جواب ملا؟ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے، میں سمجھتا تھا کہ تم میری اُمت میں سے پہلے شخص ہو گے جو اس کے بارے میں پوچھو گے، اس لیے کہ میں تمہارے اشتیاقِ علم سے آگاہ

ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے تصرف میں محمدؐ کی جان ہے مجھے شفاعت کا حق حاصل ہونے کے بجائے یہ بات زیادہ عزیز تھی کہ میری اُمرت کسی طرح جنت میں چلی جائے۔ میری شفاعت تو اس شخص کے لیے ہوگی جو دل و جان سے پورے اخلاص کے ساتھ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہے۔ اس کا دل زبان کی تصدیق کرتا ہو اور زبان دل کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔۔۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ میری شفاعت کی عظیم ترین سعادت اس شخص کے حصہ میں آئے گی جو خلوص دل کے ساتھ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہے۔“

(سوانح حضرت ابوہریرہؓ ص ۱۱۱ بحوالہ مسند احمد ج ۱۵ ص ۲۰۵)

حدیث نمبر ۸۰۵۶ نیز فتح الباری ج ۱ ص ۲۰۳

رحمتِ عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا صحابِ کرام حضرت ابوہریرہؓ پر جھوم جھوم کر برستا رہتا تھا۔ بعض اوقات آپ ان کو بطور خاص کچھ وصیتیں فرماتے اور پھر ان کا اعلان کرنے کی ہدایت دیتے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بیمار ہوئے تو حضرت ابوہریرہؓ عیادت کے لیے حاضر ہوئے۔ ان کو اندر آنے کی اجازت ملی تو وہ سلام کر کے کھڑے ہو گئے (اُس وقت) رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ سے ٹیک لگائے تشریف فرما تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ آپ کے سینہ مبارک پر تھے اور آپ نے پاؤں مبارک لیے کیے ہوئے تھے۔

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا:

” ابوہریرہ! (میرے) قریب ہو جاؤ۔“

حضرت ابوہریرہؓ قریب ہو گئے۔

آپ نے دوبارہ فرمایا، ” ابوہریرہ قریب ہو جاؤ۔“

چنانچہ حضرت ابوہریرہ اور قریب ہو گئے۔  
رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے انہیں تیسری مرتبہ قریب ہونے  
کے لیے ارشاد فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کہتے ہیں کہ  
(اب) میں (آپ کے) اتنا قریب ہو گیا کہ میرے پاؤں کی انگلیاں رسول اللہ  
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (کے پائے اقدس) کی انگلیوں سے مل گئیں۔ پھر آپ  
نے فرمایا: —————

” بیٹھ جاؤ!“

حضرت ابوہریرہ بیٹھ گئے۔

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: —————

” ابوہریرہ اپنی چادر کا کنارہ مجھے دے دو۔“

حضرت ابوہریرہ نے اپنی چادر کا کنارہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
کے دست مبارک میں دے دیا۔

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: —————

” اے ابوہریرہ! میں تمہیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔

تم انہیں نہ چھوڑنا۔“

حضرت ابوہریرہ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ارشاد فرمائیے۔“

پسین آپ نے فرمایا: —————

(۱) جمعہ کے دن غسل کرو۔ جمعہ کی نماز کے لیے جلدی جاؤ اور مسجد

میں فضول باتیں نہ کرو۔

(۲) ہر مہینہ میں تین روزے رکھو۔ یہ تمہارے لیے تمام عمر (نفل) روزہ

رکھنے کے لیے کافی ہوں گے۔

(۳) صبح کی سنتیں نہ چھوڑو اگرچہ پوری رات نماز پڑھتے رہو۔

آپ نے تین مرتبہ یہ ارشادات دہرائے پھر فرمایا: —————

” اے ابو ہریرہ! چادر کھینچ لو۔“  
حضرت ابو ہریرہؓ نے چادر کھینچ کر اپنے سینے سے لگالی۔ اور  
عرض کیا: —

یا رسول اللہ! ان باتوں کو چھپاؤں یا عام لوگوں میں ان کا  
اعلان کروں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: —

” ان کا اعلان کرو۔“ (الاصابہ جلد ۴ ص ۲۰۸)

اس قسم کے اور بھی متعدد واقعات کتب سیر میں مذکور ہیں۔ ان میں  
”واقعة فخلین“ بہت مشہور ہے جو خود حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا ہے۔  
” وہ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہتے ہیں کہ ایک دن  
ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ کے  
گرداگرد بیٹھے تھے اور ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بھی ہمارے ساتھ اس  
مجلس میں موجود تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے  
اٹھے (اور کسی طرف کو تشریف لے گئے) پھر آپ کی واپسی میں بہت  
دیر ہو گئی تو ہمیں خوف ہوا کہ کہیں ہم سے علیحدہ آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچائی  
جائے (یعنی ہماری عدم موجودگی میں کسی دشمن کی طرف سے آپ کو کوئی  
گزند نہ پہنچ جائے) پس اس خیال سے ہم لوگ سخت مضطرب اور متفکر  
ہو گئے اور آپ کو ڈھونڈنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے  
میں گھبراہٹ کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں روانہ  
ہوا یہاں تک کہ (چلتے چلتے) انصار کے خاندان بنی النجار کے ایک باغ  
کے پاس پہنچ گیا جو چار دیواری سے گھرا ہوا تھا اور میں نے اس کے چاروں  
طرف چکر لگایا کہ (باغ کے) اندر جانے کے لیے مجھے کوئی راستہ (دروازہ)  
مل جائے لیکن نہیں ملا۔ پھر مجھے پانی کی ایک گول نالی (چھوٹی سی نہر)

نظر آئی جو باہر کے ایک کنوئیں سے باغ کے اندر جاتی تھی۔ میں سمٹ کر اور  
سکر کر اس نالی کے شکاف سے باغ کے اندر گھس گیا اور رسول اللہ  
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس جا پہنچا (آپ اس باغ کے اندر رونق افروز تھے)  
آپ نے فرمایا: —

”ابو ہریرہ؟“

میں نے عرض کیا، ”جی ہاں یا رسول اللہ میں ہی ہوں۔“

آپ نے فرمایا، ”تم کیسے آئے؟“

میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان تشریف رکھتے  
تھے، پھر اٹھ کر وہاں سے چلے آئے اور پھر جب دیر تک آپ واپس تشریف  
نہ لائے تو ہمیں ڈر ہوا کہ مبادا ہم سے علیحدہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائی  
جائے۔ اسی اندیشے سے گھبرا کر ہم سب چل پڑے اور سب سے پہلے  
گھبرا کر میں ہی نکلا تھا یہاں تک کہ اس باغ تک پہنچ گیا اور (جب مجھے  
کوئی دروازہ نہیں ملا تو) لومڑی کی طرح سمٹ سکر کر میں (اس شکاف  
میں سے کسی طرح) گھس آیا ہوں اور دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے آ  
رہے ہیں۔

پھر رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنے نعلین (جوتے) مجھے عطا فرمائے  
اور ارشاد فرمایا: — اسے اپنا ہیریرہ! میرے یہ جوتے لے جاؤ اور اس  
باغ سے نکل کر جو آدمی بھی تمہیں ایسا ملے جو دل کے پورے یقین کے  
ساتھ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی شہادت دیتا ہو، اس کو جنت کی بشارت  
دے دو۔

میں وہاں سے (مُضَوَّرٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے نعلین مبارک لے کر) چلا  
تو سب سے پہلے میری ملاقات عمر (رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ) سے ہوئی۔ انہوں  
نے مجھ سے پوچھا، تمہارے ہاتھ میں یہ دو جوتے کیسے ہیں؟



میں نے کہا، یہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے نعلین مبارک میں آپ نے مجھے یہ دے کر بھیجا ہے کہ جو کوئی بھی صدقِ دل سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی شہادت دینے والا مجھے ملے، میں اس کو جنت کی خوشخبری سنا دوں۔ پس عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے میرے سینے پر ہاتھ مارا جس سے میں اپنی سرنیوں کے بل پیچھے کو گر پڑا اور مجھ سے انہوں نے کہا — چلو واپس چلو۔

میں روتا ہوا رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس واپس آیا اور عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی میرے پیچھے پیچھے آئے۔

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے (مجھے اس حالت میں دیکھ کر) پوچھا:

”ابو سیرہ! تمہیں کیا ہوا؟“

میں نے عرض کیا کہ عمرؓ مجھے ملے تھے۔ آپ نے جو پیغام دے کر مجھے بھیجا تھا، میں نے انہیں وہ بتایا تو انہوں نے میرے سینے پر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ میں اپنی سرنیوں کے بل گر پڑا اور مجھ سے کہا کہ چلو واپس چلو۔

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”اے عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟“

انہوں نے کہا، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا آپ نے ابو سیرہ کو اپنے نعلین دے کر اس لیے بھیجا تھا کہ جو کوئی دل کے یقین کے ساتھ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی شہادت دینے والا اس کو ملے، وہ اس کو جنت کی بشارت دے دے۔

آپ نے فرمایا، ہاں (میں نے ہی یہ کہہ کے بھیجا تھا) عمرؓ نے عرض کیا، (یا رسول اللہ) ایسا نہ کیجئے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں لوگ بس شہادت ہی پر بھڑسا کر کے (سعی و عمل سے بے پروا ہو کر) بیٹھ جائیں (لہذا انہیں اسی طرح عمل کرنے دیجئے)۔ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، ”توجہ نہ دو“ (صحیح مسلم)

## اشاعتِ حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوالدرداء، حضرت زید بن ثابت اور حضرت جبر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جو ہم سے کوئی بات سُنے اور دوسروں تک پہنچائے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص سمجھ کی بات کسی ایسے شخص کو پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص خود فقیہ نہیں ہوتا مگر فقہ پہنچانے والا بن جاتا ہے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مسند احمد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

کتابِ حدیث میں اسی طرح کی اور بھی متعدد احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث (احکام، تعلیمات اور ہدایات) کی اشاعت کو نہ صرف ایک مستحسن کام قرار دیا بلکہ اس کی بار بار تاکید فرمائی اور روایتِ حدیث کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ حضرت ابو سیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خاص امتیاز حاصل ہوا کہ جس طرح وہ خود علومِ نبوت کے چشمہ صافی سے سیراب ہوئے۔ اسی طرح وہ عمر بھر دوسرے لوگوں کی بھی علمی پیاس بجھاتے رہے۔ انہوں نے فیضانِ نبوی کو وقتِ عام کر دیا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے جہاں بھی کچھ مسلمان مل جاتے وہ ان تک ارشاداتِ نبوی پہنچاتے رہتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ ہر جمعہ کو نماز سے پہلے اس وقت تک حدیثیں بیان کرتے رہتے جب تک اہم اپنے حجرے سے باہر نہ آتا۔ (متدرکِ حاکم جلد ۳ ص ۳۱۱)

فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کے بعد وہ اپنی زندگی میں جہاں بھی رہے یا گئے، احادیثِ نبوی کی نشر و اشاعت میں مشغول رہے۔ دینہ منورہ،

مکہ معظمہ، بحرین، شام، عراق وغیرہ میں جو وقت گزارا، لوگوں کو ارشاداتِ نبوی پہنچاتے رہے۔ بہت سے لوگ خود ان کے پاس پہنچ جاتے اور بڑے ذوق و شوق سے ان سے رسول اکرم ﷺ کی احادیث سنتے۔ جو لوگ ان کے پاس آتے وہ خندہ پیشانی سے ان کی پذیرائی کرتے اور ان کو حدیث کا درس دیتے۔ بعض لوگ کئی کئی دن تک ان کے پاس قیام کرتے وہ نہایت خوش دلی سے ان کی میریائی کرتے اور ان کو احادیث سناتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ بعض اوقات حدیث کی اشاعت اس طرح بھی کرتے تھے کہ کسی کو کوئی خلاف سنت کام کرتا دیکھتے تو فوراً ٹوک دیتے اور بتاتے کہ اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کا حکم (یا طریقہ) یہ ہے۔

امام ابن ماجہ، ابوالشعائر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم مسجد میں حضرت ابوہریرہؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ مؤذن نے اذان کہی۔ ہم میں سے ایک آدمی مجلس سے اٹھا اور مسجد سے باہر چلا گیا۔ ابوہریرہؓ دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا، اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی۔ (کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اذان کے بعد نماز پڑھے بغیر مسجد سے باہر جانے کی ممانعت فرمائی ہے)

( ابن ماجہ جلد ۱ ص ۲۴۲، نیز صحیح مسلم، سنن ابی داؤد )

جامع ترمذی و سنن نسائی

ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک خاتون ملی۔ ان کے پیرامن سے خوشبو کی لپٹ آ رہی تھی۔ انہوں نے اس سے پوچھا، کیا تم مسجد سے آ رہی ہو؟ اس نے کہا، ہاں۔ پھر پوچھا، کیا مخصوص مسجد کے لیے خوشبو لگائی تھی؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ عورت جو مخصوص مسجد جانے کے لیے خوشبو لگاتی ہے، اس کی نماز اس وقت تک قبول نہ ہوگی جب تک کہ غسل نہ کر ڈالے (یعنی

غسل کر کے اس خوشبو کو دھونہ ڈالے) (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۲۱)  
 ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ مدینہ منورہ کے بازار سے گزرے۔ لوگوں  
 کو دنیاوی کاموں میں مشغول پایا تو ان کو پکار کر کہا، اسے اہل مدینہ! تم یہاں  
 بیٹھے ہو اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی  
 ہے۔ لوگوں نے پوچھا، کہاں؟ فرمایا، مسجد نبوی میں۔ لوگ بھاگ بھاگ  
 وہاں پہنچے۔ اس اثناء میں حضرت ابو ہریرہؓ وہیں (بازار میں) کھڑے رہے۔  
 تھوڑی دیر کے بعد سب لوگ واپس حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس آگئے۔ انہوں  
 نے پوچھا، کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا، ہم نے تو مسجد میں کوئی چیز تقسیم ہوتے  
 نہیں دیکھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے استفسار کیا، کیا مسجد میں کوئی نہ تھا؟ انہوں  
 نے کہا، کیوں نہیں، بہت سے لوگ تھے۔ ان میں سے کچھ نماز پڑھ رہے تھے،  
 کچھ قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر الہی میں مشغول تھے اور کچھ حلال و حرام کے  
 متعلق گفتگو کر رہے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، مجھے تمہاری سمجھ پر افسوس ہے (کہ اس پر بھی  
 تم نہیں سمجھے) یہی تو تمہارے نبیؐ کی میراث ہے تم اور کیا چاہتے ہو۔  
 (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۳۶۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۱)  
 مدینہ منورہ میں حضرت ابو ہریرہؓ بالعموم مسجد نبویؐ میں بیٹھ کر حدیثیں بیان  
 کیا کرتے تھے۔ لوگ حدیثیں سننے کے علاوہ مسئلے پوچھنے کے لیے بھی ان کے پاس  
 آیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ تو حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے اصحاب فضل و کمال بھی سائلوں کو ان کے پاس  
 بھیج دیا کرتے تھے (تاکہ وہ اپنی معلومات اور احادیث نبویؐ کی روشنی  
 میں مسائل کا حل بتائیں) کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت ابو ہریرہؓ،  
 اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کے قریب  
 بیٹھ کر حدیثیں بیان کرتے اور پھر کہتے، ”اُمّ المؤمنین! میری باتیں

غلط تو نہیں؟ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نماز سے فارغ ہو کر فرماتیں، غلط تو نہیں البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی طرح تیزی سے باتیں نہیں کرتے تھے۔ (سوانح حضرت ابوہریرہؓ ص ۱۲۲)

مشہور تابعی حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ ہر جمعرات کو انہیں حدیثیں سنایا کرتے تھے۔

بعض اوقات مشتاقانِ حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے وقت اور جگہ کا تعین کر کے حدیثیں سننے کے لیے حاضر ہوتے۔ حضرت مکحول الدمشقیؒ کا بیان ہے کہ لوگوں نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ سے طے کیا کہ وہ فلاں اتامیر معاویہؓ کے تعمیر کیے ہوئے فلاں قبۃ میں آکر ان سے حدیثیں سنیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ وہاں تشریف لے گئے اور رات بھر لوگوں کو حدیثیں سناتے رہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۰۶)

حضرت ابوہریرہؓ احادیثِ نبویؐ کی نشر و اشاعت اس لیے نہیں کرتے تھے کہ لوگ انہیں بڑا عالم یا حافظِ حدیث کہیں بلکہ وہ صرف رضائے الہی کی خاطر ایسا کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم اگر قرآن میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں کبھی کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ  
وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ  
أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ الْمَلَائِكَةُ

(البقرہ آیہ: ۱۵۹)

(ترجمہ) بے شک جو لوگ ہمارے حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرضِ فاسد سے) چھپاتے ہیں۔ اس کے بعد کہ ہم نے لوگوں کے سمجھانے کے لیے ان کو اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ ایسوں پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت

بھیجتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۷۲)  
اس ضمن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی یہ دو حدیثیں بھی ملاحظہ ہو:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: —————

(۱) جس شخص نے نفع دینے والے علم کو چھپایا، قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام دی جائے گی۔

(۲) جس شخص سے کوئی علمی بات پوچھی گئی اور اس نے اسے چھپایا تو اسے روز قیامت آگ کی لگام دی جائے گی۔

فتح الباری ج ۱ ص ۲۲۳۔ مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۵

اشاعت علم یا حدیث کے سلسلے میں مولانا سید سلیمان ندوی اپنی کتاب

”سیرۃ عائشہ“ میں یوں رقمطراز ہیں:

و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام اسلامی

ملکوں میں علم کی اشاعت اور اسلام کی دعوت کے لیے پھیل گئے تھے۔

مکہ معظمہ، طائف، بحرین، یمن، دمشق، مصر، کوفہ، بصرہ وغیرہ بڑے بڑے

مرکزی شہروں میں ان مقدس معلمین کی ایک ایک مختصر جماعت قیام پذیر

تھی خلافت اور حکومت کا سیاسی مرکز ۲ برس کے بعد مدینہ منورہ سے

کوفہ اور پھر دمشق کو منتقل ہو گیا تاہم مدینہ منورہ کی روحانی عظمت اور علمی مرکزیت

ان انقلابی بے بھی مٹ نہ سکی۔ مدینہ پاک میں اس وقت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس

اور حضرت زید بن ثابت وغیرہ کی مستقل درسگاہیں قائم تھیں لیکن

درسگاہِ اعظم مسجد نبویؐ کا وہ گوشہ تھا جو حجرہ نبویؐ کے قریب اور

زوجہ رسولؐ (حضرت عائشہ صدیقہؓ) کے مسکن کے پاس تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حجرہ نبویؐ کے قریب دس دینے کا ذکر

پہچھے آچکا ہے۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ

کو جہاد فی سبیل اللہ یا بعض دوسرے امور کے سلسلے میں مدینہ منورہ سے باہر

(بحرین، شام وغیرہ) بھی جانا پڑا۔ وہ جہاں بھی گئے، اشاعت حدیث کا سلسلہ

برابر جاری رکھا۔

## صیانتِ حدیث

کُتُبِ حَدِيثِ مِیْنِ بَہِیْتِ سِیْ اِیْسِیْ اَحَادِیْثِ مَوْجُوْدِیْنِ حِیْنَ سَے ثَابِتِ  
ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے جہاں اپنی احادیث کی نشر و اشاعت  
کی تاکید فرمائی وہاں ان کی حفاظت اور ان میں جھوٹ کی آمیزش سے اجتناب  
کی بھی سخت تاکید فرمائی — اس سلسلے میں چند احادیث ملاحظہ ہوں یہ  
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ  
نے ارشاد فرمایا کہ میرا نام لے کر جھوٹ نہ بولو کیونکہ جو شخص میرا نام لے کر  
جھوٹ بولے گا (یعنی میرے ساتھ کوئی غلط بات منسوب کرے گا) وہ  
آگ میں داخل ہوگا۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ  
صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: میری باتیں روایت کرو اس میں کوئی حرج  
نہیں مگر جو شخص میری طرف جان بوجھ کر جھوٹی بات منسوب کرے گا  
وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے گا۔ (صحیح مسلم)

حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ  
کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص میرا نام لے کر وہ بات کہے جو میں نے نہیں  
کہی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود  
سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

”میری طرف سے کوئی بات بیان نہ کرو جب تک کہ تمہیں علم نہ  
ہو کہ میں نے وہ کہی ہے کیونکہ جو میری طرف جھوٹی بات منسوب

کرے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے گا۔“

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص میرا نام لے کر قصداً جھوٹی بات میری طرف منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔“

(صحیح بخاری و جامع ترمذی)

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ مکثر حدیث تھے اور احادیث نبوی کی نشر و اشاعت کا بھی مقدور بھرا مشہور کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی وہ اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ حدیث رسولؐ میں کوئی دوسری چیز طے نہ پائے۔ وہ دوسرے لوگوں کو بھی تلقین کرتے کہ حدیث بیان کرنے میں سخت احتیاط سے کام لو۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات ہرگز منسوب نہ کرو۔ ابن عساکر کا بیان ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا معمول تھا کہ بازار میں سے گزرتے تو لوگوں سے مخاطب ہو کر فرماتے:

”لوگو جو شخص مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے۔ جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں ابو ہریرہ ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے مجھ سے قصداً جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا گھر و ذرخ میں بنا لے۔“ (ابن عساکر ج ۱/ ۴۸۸)



## کثرتِ روایت کا پس منظر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کثرتِ روایت کا ایک خاص پس منظر ہے۔ اس کو جاننے کے لیے جلیل القدر صاحبِ رسول حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یکے از عشرہ مبشرہ) کے یہ ارشادات پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: —

”اے ابو محمد! ذرا یہ تو بتائیں کہ کیا یہ ہمیں (ابوہریرہ) ارشاداتِ نبوی کا بڑا حافظ ہے یا آپ لوگ؟ ہم اس سے وہ باتیں سنتے ہیں جو آپ سے نہیں سنتے، کہیں یہ اپنی طرف سے تو حدیثیں (بنا کر) روایت نہیں کرتا؟“

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: —

”اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے بہت سی ایسی حدیثیں سنیں جو ہم لوگوں نے نہیں سنیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم لوگ دولت جاؤ اور والے تھے۔ ہمارے گھر بار اور مالِ عیال تھے۔ ہم ان میں پھنسے رہتے تھے اور صرف دو مرتبہ صبح اور شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دے کر اپنے گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔ اس کے برعکس ابوہریرہ ایک مسکین شخص تھے جو مال و متاع اور مالِ بچوں کے تصنیف سے آزاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ کے مہمان تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے آپ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ہم سب کو یہ

یقین ہے کہ انہوں نے ہم سب سے زیادہ احادیث نبوی سنیں اور ہم میں سے کسی نے ان پر یہ تہمت نہیں دھری کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُننے بغیر ان کو بیان کرتے ہیں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں، جس آدمی میں نیکی کا شائبہ بھی ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بات منسوب نہیں کر سکتا جو آپ نے نہ فرمائی ہو۔ — ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں — ہم نے بھی ابوہریرہ کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنیں مگر انہوں نے ان (سب) کو یاد رکھا اور ہم نے بھلا دیں۔

(ترمذی مناقب ابی ہریرہ - فتح الباری جلد ۸ ص ۵۷)

البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۰۱، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۲

حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ عظیم المرتبت صاحب رسول ہیں جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ورودِ مدینہ (ہجرتِ نبوی) کے بعد آپ کی میزبانی کا عظیم شرف حاصل ہوا اور جو بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ وہ بعض اوقات حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے ان سے سوال کیا کہ آپ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں پھر آپ ابوہریرہ سے کیوں روایت کر رہے ہیں، براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیوں نہیں کرتے؟ حضرت ابوالیوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، بلاشبہ ابوہریرہ نے وہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں جو ہم نہ سن سکے۔ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جو حدیث میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی اسے آپ کے بجائے ابوہریرہ

سے روایت کر دیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸/ ص ۸، سیر اعلام النبلاء جلد ۲/ ص ۲۳۶)  
 فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک موقع  
 پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کثرتِ روایت کا سبب یہ بتایا  
 کہ — ” ابوہریرہ ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اس لیے وہ سب سے بڑھ کر آپ کی  
 احادیث کے عالم بن گئے۔“

(جامع ترمذی ج ۲/ ص ۲۷۹، مستدرک حاکم جلد ۲/ ص ۵۱۱)

ایک دفعہ مروان بن الحکم کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی  
 کوئی بات ناگوار گزری۔ اس نے غصے میں آکر کہا: —

” لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں  
 حالانکہ آپ صحبتِ نبوی میں بہت کم عرصہ رہے اس لیے  
 کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تھوڑی  
 ہی مدت پہلے مدینہ آئے۔“

حضرت ابوہریرہؓ نے جواب دیا: —

” ہاں یہ درست ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی خدمت میں غزوہ خیبر کے موقع پر حاضر ہوا۔ اس وقت میری  
 عمر تین سال سے کچھ اوپر تھی۔ پھر میں اس وقت تک سایہ  
 کی طرح آپ کے ساتھ رہا جب آپ دنیا سے رخصت ہوئے۔  
 میں آپ کے ساتھ آپ کے گھروں میں جاتا تھا۔ آپ کی خدمت  
 کرتا تھا۔ آپ کے پیچھے نماز پڑھتا تھا۔ آپ کی ہمراہی میں حج  
 کیا۔ آپ کے ساتھ غزوں میں شریک رہتا تھا۔ خدا کی قسم  
 میں دوسرے لوگوں سے زیادہ حدیثوں سے واقف ہوں اگرچہ  
 قریش اور انصار آپ کا شرفِ صحبت حاصل کرنے اور ہجرت

کرنے میں مجھ پر سبقت رکھتے ہیں لیکن ان کو بارگاہ رسالت میں میری (مسلل) حاضر باشی کا اعتراف تھا۔ اس لیے وہ مجھ سے حدیثیں پوچھا کرتے تھے۔ ان پوچھنے والوں میں عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر (جیسے اکابر صحابہ بھی) شامل تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸، الاصابہ جلد ۱، صفحہ ۲۵۷)

ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کثرت

روایت کا پس منظر یوں بیان کرتے ہیں: —

”تم کہتے ہو ابوہریرہ بہت حدیثیں روایت کرتا ہے حالانکہ مہاجرین (صحابہ) ایسا نہیں کرتے۔ اللہ شاہد ہے حقیقت حال یہ ہے کہ مہاجرین اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں (کافی) وقت گزارتے تھے۔ لیکن میں ایک مسکین آدمی تھا۔ اپنا پیٹ بھرنے کے سوا مجھے دنیا کی کوئی چیز درکار نہ تھی اس لیے مجھے سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہنے کا موقع میسر آتا۔ جب وہ غیر حاضر ہوتے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ جب وہ آپ کے ارشادات کو بھول جاتے تو میں یاد رکھتا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو اپنی چادر بچھاٹے اور پیرا سے سمیٹ لے۔ ایسے شخص کو مجھ سے سنی ہوئی بات کبھی نہیں بھولے گی میں نے اپنی چادر بچھا دی۔ آپ گفتگو فرماتے رہے پھر (جب آپ نے گفتگو ختم کی) میں نے چادر کو سمیٹ لیا۔ اللہ کی قسم اس کے بعد میں نے آپ کا جو ارشاد بھی سنا اسے کبھی نہیں بھولا۔“

(فتح الباری جلد ۱، صفحہ ۲۲۵، مسند احمد جلد ۱۲، صفحہ ۲۵۷)

## غیر معمولی قوتِ حافظہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذہانت و فطانت کے ساتھ غیر معمولی قوتِ حافظہ بھی عطا کی تھی۔ شروع شروع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات حضرت ابوہریرہؓ کے ذہن سے محو ہو جاتے تھے۔ یہ بات ان کے لیے سوہانِ روح تھی۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: —

”یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت روایات سنتا ہوں لیکن (حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے) آپ کے (بعض) ارشادات بھول جاتا ہوں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”چادر بچھاؤ۔“

میں نے چادر بچھائی تو آپ نے دونوں ہاتھوں سے لپ بنا کر اس چادر میں ڈال دی۔ پھر فرمایا کہ اس چادر کو لپیٹ کر اپنے سینے سے لگاؤ۔ میں نے اسے سینے سے لگایا۔ اس کے بعد میں کبھی آپ کا کوئی ارشاد نہیں بھولا۔“

(صحیح بخاری کتاب العلم ج ۱۰ ص ۲۲)

علامہ ابوبکر القسطلانیؒ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے حضرت ابوہریرہؓ میں نسیان کی کمزوری باقی نہ رہی (حالانکہ تصویری یا زیادہ یہ کمزوری انسانی فطرت کا خاصہ ہے) درحقیقت ایسا ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اور ایسے امور کا عقلِ انسانی احاطہ نہیں کر سکتی۔

(قسطلانی ج ۱ ص ۲۸)

حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:  
 "وہ جو شخص چادر پھیلائے گا یہاں تک کہ میں بات ختم کروں اور پھر اس کو لپیٹ لے تو یہ شخص کبھی میری کوئی بات نہیں بھولے گا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے چادر پھیلائی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات ختم کی۔ پس میں نے چادر کو لپیٹ لیا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کے بعد کوئی روایت (رسول اللہ ﷺ کی فرمائی ہوئی کوئی بات) مجھے نہیں بھولی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۰۵)

یہ روایت طبقات ابن سعد، مسند احمد اور فتح الباری میں بھی

موجود ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شدید خواہش تھی کہ انہیں ایسا علم نصیب ہو جائے جسے وہ کبھی نہ بھولیں۔ ایک موقع پر ان کی یہ خواہش عجیب انداز میں پوری ہو گئی۔ وہ اس طرح کہ ایک دفعہ کوئی شخص حبر الامۃ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ابو ہریرہ سے روایت کرو، پھر خود ہی یہ واقعہ سنایا کہ ایک دن میں، ابو ہریرہ اور فلاں شخص مسجد نبوی میں بیٹھے دعا اور ذکر الہی میں مشغول تھے کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ہمارے پاس بیٹھ گئے۔ ہم خاموش ہو گئے۔ حضور نے فرمایا تم لوگ اپنا کام جاری رکھو۔ اس پر میں اور دوسرے شخص نے باواز بند دعا مانگی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر "آمین" کہا۔ اس کے بعد ابو ہریرہ بارگاہ الہی میں یوں عرض پیرا ہوئے:

» بارِ الہا! جو کچھ میرے ساتھی مجھ سے پہلے مانگ چکے ہیں وہ مجھے بھی عطا کر اس کے علاوہ میں تجھ سے ایسے علم کا سوال کرتا ہوں جو کبھی فراموش نہ ہو۔«  
حضورؐ نے اس پر بھی آمین کہا۔ پھر میں اور میرے دوسرے ساتھی نے عرض کیا: —

» یا رسول اللہ! ہم بھی ایسے علم کا سوال کرتے ہیں جو فراموش نہ ہو۔«

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: —

» دوسری نوجوان اس باب میں تم پر سبقت لے گیا۔«  
(بالفاظ دیگر وہ تو اس دوسری نوجوان کے حصہ میں آچکا۔)

(تہذیب التہذیب ج ۲۰، ص ۲۶۶۔ الاصابہ ج ۴، ص ۲۸)

البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۱۱۱۔ فتح الباری ج ۱، ص ۲۲۶)

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ایک دوسرے صحابی سے ملے تو ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کزشتہ رات عشاء کی نماز میں کونسی سورۃ پڑھی تھی۔

انہوں نے جواب دیا، مجھے پتہ نہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے پوچھا، کیا تم نماز میں شریک نہیں تھے؟  
انہوں نے کہا، شریک تو تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: — »رسول اللہ ﷺ نے فلاں سورۃ تلاوت فرمائی تھی۔«

(ابن عساکر جلد ۴، ص ۴۸۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حفظِ احادیث کو عبادت کا درجہ دیتے تھے اور صرف ان کے ایک دفعہ سن لینے ہی کو کافی نہیں

سمجھتے تھے بلکہ ان کا اعادہ و تکرار بھی کثرت سے کرتے رہتے تھے۔ خود فرماتے ہیں:

”میں نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک تہائی میں نماز پڑھتا تھا، ایک تہائی میں آرام کرتا تھا اور ایک تہائی میں احادیث کا دور کیا کرتا تھا۔“  
(سنن دارمی ج ۱ ص ۸۲)

اپنے قوی حافظہ اور مجموع احادیث کے اعادہ و تکرار کی بدولت وہ صحابہ کرام میں سب سے بڑھ کر حافظ حدیث ہو گئے تھے۔ ان کے مشہور شاگرد حضرت ابوصالح السمانؓ کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ:

”ابوہریرہؓ تمام صحابہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ صحابہ میں سب سے افضل ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ وہ حفظ حدیث میں سب سے بڑھ گئے تھے۔“  
(تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۳، الاصابہ ج ۲ ص ۲۵)

## حافظہ کا امتحان

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں امیر مدینہ مروان بن الحکم نے حفظ حدیث کے معاملے میں حضرت ابوہریرہؓ کا امتحان لینا چاہا۔ اس کے لیے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اپنے معتمد یا کاتب ابوالزینب عنہ کو پردے کے پیچھے بٹھا دیا اور اسے حکم دیا کہ میں ابوہریرہؓ سے جو احادیث پوچھوں اور وہ جس طرح انہیں روایت کریں تم ان کو لکھتے جانا۔ پھر اس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر حدیثیں پوچھنی شروع کیں۔ وہ بیان کرتے جاتے تھے اور ابوالزینب عنہ ان سے درپردہ لکھتا جاتا تھا۔



ابوالمزین عیترعہ کا بیان ہے کہ ایک سال گزرنے کے بعد مردان نے ابوہریرہؓ کو پھر بلایا اور مجھے پس پردہ بٹھا دیا۔ مردان ان سے دوبارہ وہی احادیث پوچھنے لگا جو پچھلے سال پوچھے چکا تھا اور جنہیں میں نے لکھ لیا تھا۔ ابوہریرہؓ جواب دیتے رہے اور میں پچھلے سال کی مکتوبہ احادیث دیکھتا رہا یہاں تک کہ تمام احادیث سن لیں۔ ابوہریرہؓ نے بلا کم وکاست تمام احادیث اسی طرح بیان کیں جس طرح پچھلے سال بیان کر چکے تھے۔ یہاں تک کہ ترتیب میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں، ”انہوں نے نہ کوئی زیادتی کی اور نہ کسی کلمہ کو آگے پیچھے کیا۔“ ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف نہیں رکھا۔“

(سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۵۹۸ - الاصابہ ج ۴ ص ۲۰۸)

(البیایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۰۶)



## بعض احادیث کا انفاء

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام میں سب سے بڑے راوی حدیث ہیں۔ اس کے باوصف اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ انہوں نے (مجموعی طور پر) جو احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (یا آپ کے بعض صحابہ) سے سُنیں، وہ ان کی مرویات کی معلوم اور مشہور تعداد (۳۷۳) سے کہیں زیادہ ہیں۔ جو روایات حضرت ابو ہریرہ نے بیان نہیں کیں ان کی تعداد کسی نے بیان نہیں کی۔ اس سلسلے میں خود حضرت ابو ہریرہؓ سے کئی احادیث مروی ہیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی ان احادیث کی معین تعداد نہیں بتائی گئی جن کو انہوں نے بیان نہیں کیا۔

ایک روایت میں کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو تھیلے سیکھے (یعنی دو قسم کے علوم حاصل کیے) ایک کو میں نے لوگوں میں پھیلایا اور دوسرے کو اگر میں پھیلاؤں تو میرا یہ نر خرہ کاٹ ڈالا جائے گا۔ (صحیح بخاری باب حفظ العلوم ج/۱ ص ۱۱۱)

ایک اور روایت میں کہتے ہیں کہ: —

” لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ زیادہ حدیثیں روایت کرتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں تم لوگوں کو وہ سب کچھ بتا دیتا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا تو تم مجھے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دیتے اور پھر مجھے آنکھ بھر کر دیکھنا بھی پسند نہ کرتے۔“

(سوانح حضرت ابو ہریرہؓ از محمد عجاج الخطیب بحوالہ فتح الباری جلد ۲۲ ص ۲۲۲)

”طبقات ابن سعد“ میں ہے کہ ”حضرت ابو ہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ

جو کچھ میں جانتا ہوں اگر عوام الناس کو بتا دوں تو وہ میری تکذیب کریں گے کہیں گے کہ ابوہریرہ پاگل ہو گیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جو کچھ میرے سینے (پیٹ) میں ہے اگر لوگوں کو بتا دوں تو وہ مجھ پر مینگنیاں پھینکنے لگیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرنے والے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوہریرہ نے سچ کہا، اگر وہ بتا دیتے کہ خانہ کعبہ کو گرا دیا جائے گا یا جلا دیا جائے گا تو لوگ اس بات کو ہرگز تسلیم نہ کرتے۔  
(طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۵۵)

حضرت ابوہریرہؓ کے بعض احادیث بیان نہ کرنے کی علماء نے مختلف توجیہات کی ہیں۔ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم سیر الصحابہ (مہاجرین حصہ دوم) میں لکھتے ہیں: —

”آپ (حضرت ابوہریرہؓ) کے دامن کمال میں جس قدر علمی جواہر تھے، سب عام مسلمانوں میں تقسیم کر دیے، لیکن وہ احادیث جو فتنہ سے متعلق تھیں اور جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کے طور پر فرمایا تھا، زبان سے نہ نکالیں کہ یہ خود فتنہ کی بنیاد بن جائیں۔ فرماتے تھے کہ میں نے احادیث نبوی دو طرف میں محفوظ کی ہیں۔ ایک طرف کی پھیلاؤں میں اگر دو سہرے کو پھیلا دوں تو ترخہ کاٹ ڈالا جائے۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن) صوفیہ کہتے ہیں کہ یہ اسرار توحید کی امانت تھے۔ متکلمین کہتے ہیں کہ وہ اسرار دین تھے لیکن محدثین کا فتویٰ یہی ہے کہ وہ فتنہ کی حدیثیں تھیں۔“

(مہاجرین حصہ دوم ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ)

مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب اپنی کتاب ”دفاع ابوہریرہ“ میں

” حضرت ابوہریرہؓ کا (بعض روایات) بیان نہ کرنا کتمانِ علم نہیں کیونکہ یہ ایسی روایات تھیں جن کا تعلق فتن اور خاص کر سلسلہ سحری کے بعد رونما ہونے والے واقعات سے تھا۔ اُمّت میں مثالی اتفاق و اتحاد دیکھ کر اس وقت ان واقعات کی تصدیق کے لیے کوئی تیار نہیں تھا۔ اخوتِ اسلامی کی وجہ سے کوئی شخص یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ صحابہؓ رسولؐ کے درمیان بھی اختلافات رونما ہوں گے۔ یہ ایسے امور تھے جو عقل کے ادراک سے بلند و بالا تھے اور پھر ان سے احکام کا تعلق بھی نہیں تھا اس لیے حضرت ابوہریرہؓ نے یہ واقعات بیان نہیں کیے تاکہ جھٹلانے کی نوبت نہ آئے۔“ (ص ۱۱۱)

عرب کے فاضل شہیر علامہ محمد عجاج الخطیب نے اپنی کتاب ”سوانح حضرت ابوہریرہؓ“ میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ انہوں نے متعدد معتبر کتابوں کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے جن باتوں کا اظہار نہیں کیا تھا، ان کا تعلق نہ تو دینی احکام سے تھا اور نہ آداب و اخلاق کے ساتھ۔ بہت ممکن ہے کہ ان کا تعلق علاماتِ قیامت کے ساتھ ہو گا یا ان فتنوں کے ساتھ جو آگے چل کر اُمّت کو پیش آنے والے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے امرایہٴ سوء کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا ہو۔ میرے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ ابوہریرہؓ ان باتوں کو چھپاتے تھے اور جان کے خطرہ کے باعث ان کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ — حضرت ابوہریرہؓ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ لوگوں کو وہی باتیں بتائی جائیں جو ان کے یہاں جانی پہچانی ہوں۔ اس لیے کہ غیر معروف باتیں بتانے کی صورت میں اس امر

کا خطرہ دامن گیر تھا کہ لوگ ان کو تسلیم نہیں کریں گے اور اس طرح اللہ اور رسولؐ کی تکذیب پر اتر آئیں گے۔

امام بخاریؒ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں کو وہی باتیں بتاؤ جن سے وہ شناسا ہوں۔ کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی تکذیب کی جائے ؟ علامہ محمد عجاج الخطیب نے ان توجیہات کے ضمن میں جن کتابوں کے حوالے دیئے ہیں ان کے نام یہ ہیں : —

فتح الباری - البدایہ والنہایہ - سیر اعلام النبلاء - الثقات لابن حبان - مفتی غلام الرحمن صاحب نے بعض حدیثوں کا حوالہ دے کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ : —

و ایسی روایات جن کا تعلق احکام شریعت سے بالذات نہ ہو اور عوام کے سامنے بیان کرنے سے غلط فہمی کا اندیشہ ہو یا ان روایات کے بیان سے مخاطبین کے تصور فہم کی وجہ سے تکذیب اور جھٹلانے کا خطرہ ہو تو ان روایات کا بیان نہ کرنا شرعاً حرام نہیں۔“

فی الحقیقت یہ بحث بہت طویل ہے جس کی یہ کتاب متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اوپر جو کچھ بیان ہوا ہے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔



## حدیث کی تحریر و کتابت

منکرین حدیث یا حدیث کے متعلق بے اعتمادی پھیلانے والے لوگ کہتے ہیں کہ احادیث رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قلمبند نہیں کی گئی تھیں بلکہ حضور ﷺ نے ان کے لکھنے سے منع فرمایا تھا۔ اپنے موقف کی تائید میں وہ صحیح مسلم کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں :-

” حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے (سُن کر) کچھ نہ لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہے اس کو چاہیے کہ اسے مٹا دے۔ اور مجھ سے (سُن کر) حدیثیں دوسروں تک (زبانی) پہنچاؤ اس میں کچھ حرج نہیں اور جو کوئی جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے گا۔“

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۱۴)

لیکن امام بخاریؒ اور بعض دوسرے محدثین نے اس حدیث کو مضطرب یا موقوف قرار دیا ہے۔ اگر اس حدیث کو مضطرب یا موقوف نہیں بلکہ مرفوع اور مستند تسلیم کر لیا جائے تب بھی بہت سی دوسری مستند

۱۔ اگر حدیث کے متن یا اس کی سند میں راویوں کا باہم اختلاف ہو۔ تاخیر و تقدیم کا یا عبارت کی کمی بیشی کا یا تبدیل جگہ وغیرہ کے بارے میں نزاع ہو تو یہ حدیث مضطرب کہلاتی ہے اگر اس میں دفع اختلاف کی کوئی صورت نکل سکتی ہو تو ایسی حدیث لے لی جائے گی ورنہ اس میں توقف کیا جائے گا۔

۲۔ حدیث موقوف وہ ہے جس میں کسی صحابی کے قول یا فعل کا ذکر ہو۔

احادیث کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتابت حدیث کی ممانعت وقتی اور عارضی تھی جو اس زمانے میں قرآن حکیم کی حفاظت کے سلسلے میں کی گئی تھی۔ کیونکہ اندیشہ تھا کہ نئے نئے لوگ جو ابھی ابھی قرآن سے آشنا ہو رہے ہیں وہ اگر ایک طرف آیات قرآنی کی کتابت کریں گے اور دوسری طرف ارشادات نبوی کی، تو کہیں آیات قرآنی اور ارشادات نبوی کو خلط ملط نہ کر دیں اور اگر خلط ملط نہ کریں تو بھی کسی وقت شک پیدا ہو سکتا ہے کہ کوئی تخریر قرآن پاک کی عمارت سے یا حدیث رسولؐ — اسی لیے شروع شروع میں آنحضرتؐ نے کتابت حدیث سے منع فرمایا ہوگا مگر جب یہ حالت نہ رہی اور ارشادات نبوی کے آیات قرآنی سے اشتباہ کا اندیشہ نہ رہا تو آپؐ نے احادیث لکھنے کی اجازت دے دی۔ اس کی تائید میں بہت سی مستند روایات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں :

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا اس کو لکھ لیا کرتا تھا۔ بعض اصحاب نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی رضا کی حالت میں بولتے ہیں اور کبھی غضب کی حالت میں، تم سب کچھ لکھ لیتے ہو۔ اس پر میں نے فیصلہ کیا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ لوں، آپ کی کوئی بات نہ لکھوں گا۔ پھر جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، لکھو اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

(ابوداؤد، احمد بن حنبل، دارمی، حاکم، بیہقی، فی البدخل)

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، قید و العلم بالکتاب (تحریر کے ذریعے علم کی حفاظت کرو)

(جامع بیان العلم لابن عبد البرج / اصلک والمحدث الفاصل ص ۳۶۸)

(۳) حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث لکھنے کی اجازت چاہی تو آپ نے ایسا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (جامع ترمذی جلد ۲ / ص ۲۰۸)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جس میں حرم مکہ کے احکام اور قتل کے معاملہ میں چند قوانین بیان فرمائے۔ اہل یمن میں سے ایک شخص ابو شاہ نے اٹھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ احکام مجھے لکھوادیں۔ آپ نے صحابہ کرام کو ہدایت فرمائی۔ ابو شاہ کے لیے یہ احکام لکھ کر دے دو۔“

(صحیح بخاری کتاب العلم باب کتابہ العلم ج ۱ / ص ۲۲)

(۵) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے بہت سی چیزیں سنتے ہیں کیا ہم ان کو لکھ لیا کریں آپ نے فرمایا، لکھ لیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۱ / ص ۱۵۱ بحوالہ طبرانی - تدریب الراوی ص ۲۸۶)

المحدث الفاصل ص ۳۶۹

(۶) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ سے احادیث سنتا ہوں مگر مجھے یاد نہیں رہتیں۔ آپ



نے فرمایا: —

”اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو اور (یہ فرما کر) آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ فرمایا۔“ (جامع ترمذی ص ۱۸۱)

عہد رسالت میں قرآن مجید کے علاوہ جو چیزیں لکھی گئیں ان میں سے کچھ کی تفصیل یہ ہے: —

- (۱) وہ احادیث جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر لیں۔ (صحیحین - ابوداؤد - نسائی - احمد بن حنبل)
- (۲) وہ مکاتیب جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حکمرانوں اور رئیسوں کو لکھے تھے۔ (صحیح بخاری - تذکرۃ الحفاظ)
- (۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لکھا ہوا مجموعہ احادیث ”الصداقہ“ جس میں ایک ہزار حدیثیں تھیں۔ (بخاری - الاصابہ - تہذیب التہذیب - طبقات ابن سعد)
- (۴) فتح مکہ کا خطبہ جو حضور نے حضرت ابوشاہ کو لکھوا کر دیا تھا۔ (صحیح بخاری)
- (۵) کتاب الصدقہ - فریضہ زکوٰۃ سے متعلق شریعت کے احکام جو حضور نے ایک دستاویز میں تفصیلی طور پر املا کروائے تھے۔ (سنن ابی داؤد)
- (۶) مختلف صوبوں کے عمال کو تحریری ہدایات (مختلف کتبِ حدیث)
- (۷) بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے والے مختلف وفد کو تحریری ہدایات (مختلف کتبِ حدیث)
- (۸) صلحنامہ حدیبیہ۔
- (۹) وہ معاہدات جو آپ نے اہل نجران اور بعض دوسرے قبائل کے

کے ساتھ تحریری طور پر کیے۔ (طبقات ابن سعد الاستیعاب، البدایہ والنہایہ وغیرہ)  
 (۱۰) صحیفہ عمر بن حزم۔ وہ فرمان جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت  
 عمر بن حزم انصاری کو یمن کا حاکم مقرر کرتے وقت ان کو دیا۔ اس  
 میں فرائض، صدقات، صلوٰۃ، دیات، طلاق، عتاق وغیرہ کے  
 احکام تھے۔ (مسند احمد، مستدرک حاکم، کنز العمال وغیرہ)

(۱۱) فہرست صحابہ جس میں پندرہ سو صحابہ کے نام تھے۔ (تاریخ علم حدیث بحوالہ بخاری)  
 (۱۲) حضرت صہبک بن سفیان کے پاس حضور کی تحریر کرائی ہوئی ایک  
 ہدایت جس میں بیوی کو مقتول شوہر کی دیت دلانے کا حکم تھا۔  
 (البدایہ والنہایہ، دارقطنی)

اوپر ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں بہت کچھ اضافہ کی گنجائش ہے  
 لیکن ہمارے خیال میں اتنے ہی شواہد یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ  
 احادیث نبوی کی تحریر و کتابت اور تدوین کا کام عہد رسالت ہی میں شروع  
 ہو چکا تھا۔ آپ کے بعد بھی صحابہ کرام نے یہ کام جاری رکھا۔ ان کے بعد  
 تابعین، تبع تابعین اور بعد کے ادوار میں بھی تدوین حدیث پر مسلسل کام  
 کیا جاتا رہا۔ بعض لوگوں کا دعویٰ کہ یہ کام تیسری صدی ہجری سے قبل شروع  
 نہیں ہو سکا تھا، بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

## مرویات ابی ہریرہ کی کتابت

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار ان صحابہ کرام  
 میں ہوتا ہے جنہوں نے ارشادات نبوی لوگوں کو نہ صرف (اپنی زبان سے)  
 سنائے بلکہ ان کو معرض تحریر میں لاکر محفوظ بھی کیا۔ شروع شروع میں  
 (یا عہد رسالت میں اپنے حلقے پر بھروسہ کر کے) انہوں نے احادیث  
 قلمبند نہیں کیں جیسا کہ صحیح بخاری کی اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

” حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ روایت کرنے والا کوئی نہیں البتہ عبداللہ بن عمرو (بن العاص) نے بہت احادیث روایت کی ہیں کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔“

(صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۲)

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی احادیث کی تعداد صرف سات سو ہے جبکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات کی تعداد پانچ ہزار <sup>۵۲۴۷</sup> ہیں سو چوتھریں ہیں۔ پھر انہوں نے یہ کیوں کہا کہ عبداللہ بن عمروؓ مجھ سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتح الباری“ میں اس اشکال کے متعدد محققانہ جواب دیئے ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ —

” حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبادت میں زیادہ مشغول رہتے تھے۔ تعلیم اور بیان حدیث کا موقع کم ملتا تھا، نیز مصر اور طائف میں ان کا زیادہ قیام رہا جو طالبان حدیث کے مرجع نہ تھے۔ بخلاف اڑیں حضرت ابو ہریرہؓ کا زیادہ تر قیام مدینہ منورہ میں رہا جو مسلمانوں کا مرکز و مرجع ہے اس لیے حضرت ابو ہریرہؓ کو حدیث کی نشر و اشاعت کے زیادہ مواقع ملے۔“

اکثر علماء نے حافظ ابن حجرؒ کی توجیہ سے اتفاق کیا ہے۔ اس ضمن میں عصر حاضر کے یگانہ روزگار عالم مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ”یہ بات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خیال اور تخمینہ کے اعتبار سے کہی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ امت محمدیہ کو حضرت ابو ہریرہؓ سے زیادہ احادیث ملی ہیں اور یہ بھی ممکن

سے کہ ذخیرہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پاس زیادہ ہو مگر روایت کی نوبت ان کو کم آئی اور خود زیادہ روایت نہیں کی۔ قلت روایت اس کی دلیل نہیں کہ آپ کے پاس ذخیرہ حدیث کم تھا۔ چنانچہ خلفاء اربعہ خصوصاً صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اہل المؤمنین ہیں، خلوت و جلوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح ہمیشہ مصاحب رہے کہ یا رِ عَارِ اَیْکِ مَحَادِرِہِ ہِیْ بِنِ کَیَا۔ کیا ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات کم پہنچے ہوں گے۔ اس کا ایک منٹ کے لیے بھی تصور نہیں کیا جاسکتا۔“ (فضل الباری جلد ۲ ص ۱۴۸)

اب رہا یہ سوال کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات کب اور کیسے معرض تحریر میں آئیں۔ تو اس بات کے ٹھکانے شواہد موجود ہیں کہ ان مرویات کا بیشتر حصہ ان کی زندگی ہی میں معرض تحریر میں آچکا تھا۔ ارباب علم نے عام طور پر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ احادیث عہد رسالت کے بعد لکھی گئیں۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ تمام احادیث حضرت ابوہریرہؓ نے خود اپنے ہاتھ سے لکھیں یا اپنے شاگردوں کو املا کرائیں۔ صورت حال کچھ بھی ہو یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت سی مرویات ان کی زندگی ہی میں تحریری شکل میں محفوظ ہو چکی تھیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کے ایک شاگرد حسن بن عمروؓ کے بیٹے فضل بن حسنؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد حسن بن عمرو نے ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے سنی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک دفعہ میرے والد نے وہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کو سنائی۔ انہوں نے اس سے لاعلمی ظاہر کی۔

۱۴۰  
لہٰ یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ دعائے رسولؐ کی بدولت حضرت ابوہریرہؓ  
(باقی عاشرہ اگلے صفحہ پر)

حسن نے کہا کہ بہت دن ہوئے ہیں نے یہ حدیث آپ ہی سے سُنی تھی۔ انہوں نے فرمایا، اگر یہ حدیث تم نے مجھ سے سُنی ہے تو میرے پاس ضرور لکھی ہوئی ہوگی۔ یہ کہہ کر وہ حسن کو اپنے گھر لے گئے، اور ایک کتاب نکالی جس میں حدیثیں لکھی ہوئی تھیں۔ ان حدیثوں میں وہ حدیث بھی موجود تھی جو میرے والد نے ان کو سنائی تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اس کو دیکھ کر فرمایا، میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ اگر یہ حدیث تم نے مجھ سے سُنی ہے تو میرے پاس ضرور لکھی ہوئی ہوگی۔“ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۱۵) حافظ ابن حجرؒ نے ”فتح الباری“ میں حسن بن عمروؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور احادیث نبویؐ کی کئی کتابیں دکھا کر فرمایا کہ دیکھو یہ احادیث میرے پاس لکھی ہوئی موجود ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۴۵)

حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد حضرت بشیر بن نہیکؓ کا بیان ہے کہ:

وہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے جو حدیثیں سنتا تھا ان کو لکھ لیتا تھا۔ پھر جب میں نے ان سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو اس کتاب کو لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کو ان کے سامنے پڑھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کو تو نہ بھولنے والا حافظہ عطا ہوا تھا پھر انہیں یہ حدیث کیسے بھول گئی۔ بعض علماء نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ جہاں تک نفس حدیث کا تعلق ہے تو یہ انہیں یاد تھی اسے انہوں نے کسی وقت سنایا بھی اور تحریری شکل میں بھی محفوظ کر لیا۔ بعد میں تقاضے عمر کے سبب انہیں یاد نہ رہا کہ حدیث انہوں نے سنائی یا نہیں۔ بہر صورت ایسا کوئی شاذ واقعہ اس امر کے متناقض نہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظہ عطا کیا تھا۔

کرنایا اور پھر ان سے پوچھا کہ یہ سب وہی حدیثیں ہیں جو میں نے آپ سے سنی ہیں۔ انہوں نے کہا، ہاں۔

(سنن دارمی باب من رخص کتاب العلم)

ایک اور روایت میں حضرت بشیر بن نہیک کا بیان اس طرح نقل ہوا ہے کہ:

”میں حضرت ابو ہریرہ سے حدیث کی کتابیں عاریتاً لے کر نقل کرتا تھا۔ نقل سے فارغ ہو کر ان کو سب سنا دیتا تھا اور سنانے کے بعد عرض کرتا تھا کہ میں نے جو سنایا ہے وہ سب آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ وہ فرماتے تھے کہ ہاں۔“

(طحاوی ج ۲ ص ۳۸۵)

## صحیفہ ہمام بن منبہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک شاگرد حضرت ہمام بن منبہ تھے۔ انہوں نے اپنے استاد گرامی سے جو حدیثیں سنیں انہیں لکھ کر ایک رسالہ میں جمع کیا جس کا نام ”الصحیفۃ الصحیحۃ“ رکھا۔ اب یہ ”صحیفہ ہمام بن منبہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا مکمل متن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”مسنَد“ میں شامل کر لیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے ”تہذیب التہذیب“ میں لکھا ہے کہ شیخین

۱۔ حضرت ہمام بن منبہ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ وہ یمن کے رہنے والے تھے ۳۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۱ھ میں فوت ہوئے۔ آغاز شباب میں مدینہ منورہ پہنچے اور ایک مدت تک حضرت ابو ہریرہ کی خدمت میں رہ کر ان سے کتاب فیض کیا۔

(امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ) نے بھی متفرق طور پر اس سے روایات لی ہیں۔ اس صحیفے کا اصل مستودہ صدیوں تک گوشہٴ جمول میں پڑا رہا۔ ۱۳۶۳ھ (مطابق ۱۹۵۲ء) میں اس کے دو قلمی نسخے دمشق اور برلن کی لائبریریوں میں دریافت ہوئے۔ پھر اس کا تیسرا مخطوطہ دارالکتب المصریہ میں دریافت ہوا۔ پہلے دو مخطوطے دریافت کرنے کا سہرا عالم اسلام کے نامور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے سر ہے۔ انہوں نے ان دونوں مخطوطوں میں کمال درجے کی مشابہت پائی اور پھر انہیں ایک تفصیلی تعارف کے ساتھ حیدرآباد (دکن) سے شائع کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا بیان ہے کہ میں نے ان دونوں مخطوطوں کے متون کا مقابلہ ”مسند امام احمد“ میں ملنے والے متن سے بھی کیا اور ان دونوں متون کے درمیان کوئی بھی حقیقی اور واقعی اختلاف یا فرق نہیں پایا۔ چند مقامات پر معمولی سا لفظی اختلاف ہے جس کی کوئی اہمیت نہیں۔

”صحیفہ ہمام بن منبہ“ میں ایک سوار <sup>۱۳۸</sup>تیس احادیث ہیں۔ ان کو تمام نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ہمام سے معمر بن راشد نے اور معمر بن راشد سے عبد اللہ بن زبیر نے روایت کیا ہے۔ اس سلسلہ سند کو اصح الطرق میں شمار کیا گیا ہے۔

## مُسْنَدِ ابِي هُرَيْرَةَ

۲۸۵ھ ہجری میں ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم بن عبد اللہ نے متعدد صحابہ کرامؓ کی مرویات مسانید کی شکل میں مرتب کیں۔ ان صحابہ کرامؓ میں حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ چنانچہ ان کی مرویات ابو اسحاق ابراہیمؒ کی مرتب کردہ ”مُسْنَدِ ابِي هُرَيْرَةَ“ میں بھی موجود و محفوظ ہیں۔

## حضرت ابو ہریرہ کی روایات میں اصح الطرق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات جن واسطوں سے ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے آٹھ نو واسطوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یعنی ان روایات کے سلسلہ سند کو مستند یا صحیح ترین سمجھا جاتا ہے اور علم الدرایۃ اور اسناد الرجال کی روشنی میں ان احادیث کو اعلیٰ اور عمدہ مقام اور مرتبہ کی حامل قرار دیا جاتا ہے۔ ان مستند واسطوں ( اصح الاسانید یا اصح الطرق ) کی تفصیل یہ ہے :

مالک عن زہری عن سعید بن المسیب عن ابو ہریرہ  
 سفیان بن عیینہ عن زہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرہ  
 معمر عن زہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرہ  
 معمر عن ہمام بن منبہ عن ابی ہریرہ  
 حماد بن زید عن ایوب عن محمد بن سیرین عن ابی ہریرہ  
 اسمعیل بن ابی الجحکم عن عبیدہ بن سفیان الحضرمی عن ابی ہریرہ  
 ( مسند احمد ج ۱ ص ۱۴۹-۱۵۰ )

سلیمان بن داؤد کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات میں اصح الاسانید حسب ذیل ہیں :

یحییٰ بن ابی کثیر عن ابی ہریرہ  
 ابوالزناد عن اعرج عن ابی ہریرہ  
 زہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرہ  
 ابن عون عن محمد بن سیرین عن ابی ہریرہ  
 ایوب عن محمد بن سیرین عن ابی ہریرہ  
 ( سوانح حضرت ابو ہریرہ بحوالہ الکفایہ ص ۳۹۸ - تدریب الراوی ص ۲۶ توضیح الافکار ج ۱ ص ۳۵ )



مُحَدِّثِ ابْنِ الْمَدِينِيِّ رَحْمَةً اللهُ عَلَيْهِ كَقَوْلِهِ هِيَ كَهَيْئَةِ ابْنِ هَرِيرَةَ فِي رَوَايَاتِهِ  
 كِي صَحِيحٌ تَرِينٌ سَنَدِيهِ هِيَ : —————

حماد بن زيد عن ايوّب عن محمد بن سيرين عن ابى هريرة  
 امام احمد بن حنبل رحمته اللہ علیہ کے نزدیک مرویات ابى هريرة میں  
 سب سے معتبر سلسلہ سند وہ ہے جو محمد بن سيرين کے واسطے سے نقل  
 ہوا ہو۔ اس کے بعد وہ ہے جو سعید بن المسیب کے واسطے سے ہم تک  
 پہنچا ہو۔

امام المدینى اور ابن معین نے حضرت ابو هريرة کے ان آٹھ شاگردوں  
 کو اعلیٰ ترین مقام و مرتبہ کا حامل قرار دیا ہے :-

محمد بن سيرين، سعید بن المسیب، ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن  
 عوف، عبد الرحمن بن ہرمز المعروف بالاعرج، ابوصالح،  
 المقبری، ابورافع، طاؤس۔

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمته اللہ علیہ نے جن صحابہ کرام  
 کے واسطے سے حضرت ابو هريرة کی روایات نقل کی ہیں وہ حضرت انس اور  
 حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے  
 تقریباً ساون ایسے تابعین عظام کے واسطے سے مرویات ابى هريرة نقل کی  
 ہیں جو ان کی شرائط پر پورے اترتے تھے۔ انہوں نے "ماروی عن ابى الزناد  
 عن الاعرج عن ابى هريرة" کے سلسلہ سند کو خاص اہمیت دی ہے۔

سطور بالا کا یہ مطلب نہیں کہ جن واسطوں کو اصح الطرق سمجھا جاتا ہے  
 ان کے علاوہ جن واسطوں سے روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ قابل اعتبار نہیں  
 ہیں۔ ان میں سے بھی زیادہ تر روایات صحیح ثابت ہوئی ہیں البتہ بعض جرح  
 و تعدیل کی کسوٹی پر پوری نہیں اتریں اس لیے ضعیف قرار دی گئیں یا ان کی نسبت  
 حضرت ابو هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے غلط یا مشکوک ہے۔

## حضرت ابوہریرہؓ بحیثیت مفتی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف ایک عظیم راوی حدیث ہی نہیں تھے بلکہ اپنے دور کے اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ کا قول ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ علم کا طرف تھے اور صاحب فتویٰ ائمہ کی جماعت میں بلند پایہ رکھتے تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج۔ ۱ ص ۲۸)

ایک اور روایت میں زیاد بن میناؓ کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابوسعید خدریؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرام مدینہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۲۳)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتویٰ دینے میں خاصے محتاط تھے اس لیے ان سے کچھ زیادہ فتاویٰ منقول نہیں ہیں۔ اور وہ صاحب افتاء صحابہ کے طبقہ متوسط میں شمار ہوتے ہیں۔

ابن حزمؒ کا قول ہے کہ :  
 و حضرت ابو بکر صدیقؓ، اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عثمانؓ بن عفان ان صحابہ میں شمار کیے جاتے ہیں جو فتویٰ دینے میں متوسط تھے۔“

(اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۲)

مختصر یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ کا بہت سے اکابر صحابہ کی موجودگی میں فتویٰ دینا قوی شواہد سے ثابت ہے۔ ایک روایت کے مطابق وہ سالہا سال تک دینی مسائل میں فتویٰ دیتے رہے حالانکہ اس وقت اکابر صحابہ کی ایک

معقول تعدد و بقید حیات تھی۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "سیرۃ عائشہ" میں لکھتے ہیں :

و مدینہ طیبہ اکابر صحابہ کا مرکز تھا۔ خلافتِ شیخین تک حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو ذر، حضرت ابو درداء، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا شانہ اسلام کے اساطین علم و فتویٰ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ان میں سے اکثر نے وفات پائی۔ ان کے بعد نوجوان صحابہ کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس کے سرِ عسکر حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم تھے۔

(سیرۃ عائشہ زیر عنوان افتاء)

اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں :۔

و اکابر صحابہ کے بعد مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ زیادہ تر یہی چار بزرگوار فقہ و فتاویٰ کی مجلس کے مشن تھے۔ غیر منصوص احکام کے فیصلہ میں ان چاروں بزرگوں کے پیش نظر مختلف اصول تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ کا مسلک یہ تھا کہ پیش شدہ مسئلہ کے متعلق اگر کتاب و سنت و اثر سے کوئی جواب معلوم ہو جاتا تو سائل کو بتا دیتے۔ اگر کوئی آیت یا حدیث یا خلفائے سابقین کا اثر معلوم نہ ہوتا تھا

تو خاموش رہ جاتے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایسی حالت میں گزشتہ منصوص احکام یا فیصل شدہ مسائل پر ہر جدید مسئلہ کو قیاس کر کے اس کا جواب اپنی عقل کے مطابق جو سمجھ میں آتا دیتے۔ حضرت عائشہؓ کے استنباط کا اصول یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے قرآن مجید پر نظر کرتی تھیں اگر اس میں ناکامی ہوتی تو احادیث کی طرف رجوع کرتیں پھر قیاس عقلی کا درجہ تھا،

(سیرۃ عائشہؓ زیر عنوان فقہ و قیاس)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں علمی پندار کا شائبہ تک نہ تھا اور وہ اپنے کسی فتوے کو کبھی اپنی انا کا مسئلہ نہیں بناتے تھے۔ اگر ان کے کسی فتوے پر کسی طرف سے استدراک کیا جاتا اور جس بنیاد پر انہوں نے فتویٰ دیا ہوتا اس کے خلاف کوئی قوی دلیل یا شہادت پیش کر دی جاتی تو وہ اسے خوشدلی سے قبول کر لیتے اور اپنے فتوے سے رجوع کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے وعظ میں بیان کیا کہ اگر آیامِ صوم میں کسی کو صبح نہانے کی ضرورت پیش آجائے (یعنی حالت جنابت میں اس کو صبح ہو جائے) تو اس دن وہ روزہ نہ رکھے۔ لوگوں نے جا کر اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل اس کے خلاف تھا۔ لوگوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو اُمّہات المؤمنین کے موقف سے آگاہ کیا تو انہوں نے اپنے فتوے سے رجوع کر لیا۔

(صحیح مسلم مؤطا امام الکتاب الصوم)

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت ابوہریرہؓ کو حضرت عائشہؓ اور حضرت اُمّ سلمہؓ کے موقف سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ مجھ سے بہتر جانتی ہیں۔ میں نے یہ حدیث خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

سے نہیں سنی بلکہ فضل بن عباسؓ سے سنی تھی۔ گویا حضرت فضلؓ سے سنی ہوئی حدیث کی بنا پر انہوں نے فتویٰ دیا تھا جس سے رجوع کر لیا کیونکہ ائمہات المؤمنینؓ کی شہادت بہر صورت حضرت فضلؓ بن عباسؓ کی روایت سے زیادہ مقبر تھی۔

بعض فقہاء نے حضرت فضلؓ بن عباسؓ کی روایت کی یہ توجیہ کی ہے کہ مشروع میں یہی حکم تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا۔ حضرت فضلؓ کو اس نسخ کا علم نہ تھا اس لیے انہوں نے یہ حکم حضرت ابوہریرہؓ کے سامنے بیان کر دیا۔ ان کو بھی اس حکم کے منسوخ ہونے کا علم نہ تھا اس لیے اسی کے مطابق فتویٰ دیا۔ جب ائمہات المؤمنینؓ کے ذریعے صحیح صورت حال سامنے آئی تو انہوں نے بلا تامل اپنے فتوے سے رجوع کر لیا۔

(سوانح حضرت ابوہریرہؓ از محمد عجاج الخطیب)

حوالہ اخبار اہل الرسوخ فی الفقہ والتحدیث ص ۱۹۱ بمقدار  
منسوخ من الحدیث)

۱۔ حضرت ابو محمد فضل بن عباسؓ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے غزوہ بدر سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور فتح مکہ سے چند دن پہلے اپنے والدین کو اور حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے ساتھ ہجرت کی۔ سب سے پہلے غزوہ فتح مکہ میں شریک ہوئے، اس کے بعد غزوہ حنین میں ادریشجا دی۔ حجۃ الوداع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ اور آپ کی سواری پر سوار تھے اس لیے ”رؤف رسول اللہ“ یعنی ہمہ رکاب رسول اللہ کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کو غسل دینے والوں میں حضرت فضلؓ بھی شامل تھے۔ امام بخاریؒ کے قول کے مطابق انہوں نے اجنادین کے معرکے میں شہادت پائی۔ اپنے پیچھے صرف ایک لڑکی ”امم مکتوم“ چھوڑی۔ نہایت حسین و جمیل تھے۔ ان سے ۲۴ احادیث مروی ہیں۔

## حضرت ابوہریرہؓ کی فقاہت

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت و کردار پر متقدمین اور متاخرین (ارباب علم) نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں سے بعض نے ان کی فقاہت کے بارے میں طویل بحثیں کی ہیں۔ کچھ نے تو ان کو بلند پایہ فقیہ قرار دیا ہے اور بعض نے ان کے فقیہ ہونے سے انکار کیا ہے۔ ہمارے نزدیک مناسب یہ ہے کہ اس بحث میں الجھنے کے بجائے راہ اعتدال اختیار کی جائے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ابوہریرہؓ دینی مسائل میں فتویٰ دیا کرتے تھے اور بعض مواقع پر انہوں نے قاضی کے فرائض بھی انجام دیے تو پھر ان کے فقیہ ہونے سے یکسر انکار کرنے کا کوئی جواز نہیں، البتہ یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے فقہاء صحابہؓ کے ہم پلہ فقیہ نہیں تھے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ ان کو فقیہ ہونے کی حیثیت سے وہ شہرت حاصل نہیں ہوئی جو بعض دوسرے فقہاء صحابہؓ کو حاصل ہوئی۔

حافظ ابن قیم نے فقہاء صحابہؓ کی جو فہرست مرتب کی ہے اس میں انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کا نام طبقہ ثانیہ میں پیش کیا ہے۔

(اعلام الموقعین ج ۱/ ص ۳۵)

مولانا سید سلیمان ندوی "سیرۃ عائشہ" لکھتے ہیں:

و اکثرین روایت میں جن سات بزرگوں (حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت انس بن مالکؓ، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ) کے نام داخل ہیں۔ ان میں پانچ اصحاب اصولیین کے نزدیک صرف روایت کش سمجھے جاتے ہیں

ان کا شمار فقہائے صحابہ میں نہیں ہے۔ چنانچہ روایت کا جو ذخیرہ اس وقت ہمارے پاس موجود ہے اس میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ سے کوئی فقہی اجتہاد اور قرآن و سنت سے کسی غیر منصوص مسئلہ کا استنباط ثابت نہیں۔

(سیرۃ عائشہؓ زیر عنوان حدیث)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اصول فقہ کی بعض کتابوں میں جن صحابہ کرامؓ کو فقہاء میں شمار نہیں کیا گیا، ان میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ بھی شامل ہیں لیکن دوسری طرف اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جمہور علماء اہل سنت کا ان بزرگوں کی جلالت علمی پر اتفاق سے اور کتب سیر میں ان کی نقاہت کا برملا اعتراف کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تو لقب ہی ”فقہ الامت“ ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کو اپنے دور کا بہت بڑا فقیہ سمجھا جاتا تھا، حضرت انس بن مالکؓ فقہ و اجتہاد میں درجہ کمال پر فائز تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ تفسیر حدیث اور فقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیسیوں فقہی احکام و مسائل مروی ہیں۔ یہ تمام اصحاب سالہا سال تک درس و افتاء کی مسندوں پر رونق افروز رہے۔ ان کے تراجم میں مختلف قسم کے مسائل میں قرآن و سنت سے استنباط کی مثالیں بھی موجود ہیں اور فقہی اجتہاد کی بھی۔ اس لیے ان اصحاب کو فقیہ تسلیم نہ کرنا انصاف سے بعید ہے۔ جو اصولیین ان کو غیر فقیہ قرار دیتے ہیں ہم انہیں بند کر کے ان کی رائے قبول کرنے کے مکلف نہیں ہیں۔ اگر یہ بزرگ کسی سائل کے استفتاء کے جواب میں سکوت اختیار کرتے تھے یا انہیں کسی دوسرے

صحابی (یا صحابیہ) کے پاس بھیج دیتے تھے تو اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں مثلاً وہ پیش شدہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں کے بارے میں اتنا علم یا معلومات نہیں رکھتے تھے کہ سائل کو مطمئن کر سکیں۔ یہ ان کی عظمت کی دلیل تھی کہ اپنے آپ کو ”ہمہ دان“ ثابت کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرتے تھے اور جس مسئلہ کے بارے میں پورا علم نہ ہو، اس میں فتویٰ صادر کرنے سے احتراز کرتے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس مسئلہ کے حل کے لیے اپنے ہمعصر کسی دوسرے صحابی یا صحابیہ کو موزوں سمجھتے ہوں اس لیے سائل کو ان کے پاس بھیج دیتے ہوں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بعض صحابہ کسی خاص علم میں خصوصی مہارت رکھتے تھے اور اس علم سے متعلقہ مسائل میں لوگ ان کو حجت (AUTHORITY) تسلیم کرتے تھے مثلاً حضرت زید بن ثابت انصاری علم الفرائض میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، علم اسرار الدین اور فقہ و قیاس میں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ تفسیر قرآن میں وغیرہ وغیرہ۔ اگر کسی صاحب اقتاد صحابی نے خود کسی مسئلہ میں فتویٰ دینے کے بجائے سائل کو کسی دوسرے صحابی (یا صحابیہ) کے پاس بھیج دیا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خود فقیہ نہیں تھے۔ ہمارے خیال میں تو صحابہ کے مبارک دور میں کسی صاحب رسولؐ کا مسند قضا یا مسند اقتاد پر بیٹھنا ہی ان کی فقہانیت کی سب سے بڑی دلیل تھی۔ آخر ہزاروں دوسرے صحابہ بھی تو موجود تھے وہ کیوں فتویٰ نہیں دیتے تھے؟ یہ درست ہے کہ بعض فقہی مسائل کے علماء نے حضرت ابوہریرہؓ کی بعض احادیث پر عمل کرنے کے بجائے دوسرے صحابہ کی احادیث پر عمل کیا ہے لیکن اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابوہریرہؓ فقیہ نہیں تھے کیونکہ بعض دوسرے مسلمہ فقہاء صحابہ کی بعض احادیث سے بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ اصل ایسے اختلافات کے مختلف اسباب ہیں جن پر بحث کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔



# حضرت ابو ہریرہؓ کا مقام و مرتبہ

پچھلے صفحات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ فی الحقیقت ان کی جلالتِ قدر کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور اصحابِ صفہ کی مقدس جماعت کے ایک معزز رکن ہیں۔ صحابہ کرامؓ وہ نفوسِ قدسی ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ  
اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ  
وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا  
أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (التوبة آیت ۱۰۰)

ترجمہ (وہ مہاجر اور انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر  
بتیک کہنے میں سبقت کی نیز وہ جو بعد میں راستبازی کے ساتھ ان کے  
پیچھے آئے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اللہ  
نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں  
اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے)  
سورہ انفال میں ارشاد ہوا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
وَالَّذِينَ آذَوْا وَأَنْصَرُوا أُولَئِكَ صَمٌّ مَكْمُونٌ عَقَابَ  
لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ○ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ

بَعْدُ وَهَاجِرًا وَاجْهَدْ دَامَ مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ  
(الانفال آیت ۷۲)

ترجمہ (جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جدوجہد کی اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی، وہی سچے مؤمن ہیں ان کے لیے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے آگئے اور تمہارے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے لگے وہ بھی تم میں شامل ہیں۔)

قرآن حکیم میں اور بھی بہت سے مقامات پر صحابہ کرام کی تحسین و ستائش کی گئی ہے۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بے شمار مواقع پر اپنے اصحاب کی تعریف و تحسین فرمائی ہے۔ نیز ارشاد فرمایا ہے کہ جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ گویا مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ گویا مجھ سے بغض رکھتا ہے۔ (جامع ترمذی)

جہاں تک شرف صحابیت کا تعلق ہے تو یہ سب صحابہ کرام میں مشترک ہے، البتہ بعض خصائص کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ اہل سنت کے نزدیک فضائل و مناقب کے اعتبار سے صحابہ کرام و صحابیات کے درج کی ترتیب یہ ہے: —

(۱) خلفائے راشدینؓ (حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ) تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ ان میں باہمی فضیلت بلحاظ ترتیب خلافت ہے۔

(۲) ازواجِ مطہراتؓ (ان میں حضرت خدیجہ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بعض جہتوں کے اعتبار سے دوسری اہمات المؤمنین پر فضیلت حاصل ہے۔

(۳) مہاجرین اولین — ان میں باہم ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی جاسکتی۔

(۴) اہل عقبہ — یعنی وہ انصار جو ہجرت نبویؐ سے پہلے مدینہ سے مکہ آئے اور عقبہ کی گھائی میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔

ان کے بعد

(۵) اہل مشاہد کو درجہ بدرجہ فضیلت حاصل ہے یعنی جو غزوہ پہلے ہوا، اس میں شریک ہونے والے ان صحابہ سے افضل ہیں جو اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔

(۶) اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرنے والے جملہ صحابہ کرام ان تمام صحابہؓ سے افضل ہیں جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ اس پر فقہ صریح موجود ہے۔ سورہ الحدید میں ارشاد ہوا ہے: —

لَا يَسْتَوِيٰ مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلِ أُولَئِكَ  
أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقْتِكُمْ  
وَكَلَّا وَكَذَلِكَ اللَّهُ الْمُحْسِنُ (آیة ۱۰)

ترجمہ (تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ) سے پہلے (راہِ خدا میں مال) خرچ کیے اور جہاد کیا وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا، اپنے وطن سے ہجرت کی، ایک غلام آزاد کرنے کی صورت میں اپنا مال خرچ کیا اور سب سے پہلے غزوہ خیبر (محرم ۶۲۷ھ ہجری) میں جہاد فی سبیل اللہ کا شرف حاصل کیا — ان تصریحات کی روشنی میں قارئین فضائل و مناقب کے اعتبار سے ان کے مقام و مرتبہ کا آسانی سے

تعیین کر سکتے ہیں۔

علمائے قلت و کثرت روایت کی بناء پر صحابہ کرامؓ اور صحابیات کے پانچ طبقے قائم کیے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

طبقہ اول — اس میں وہ صحابہ شامل ہیں جن کی روایات ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں۔

طبقہ دوم — اس میں وہ صحابہ شامل ہیں جن کی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زیادہ مگر ایک ہزار سے کم ہیں۔

طبقہ سوم — اس میں وہ صحابہ شامل ہیں جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ مگر پانچ سو سے کم ہیں۔

طبقہ چہارم — اس میں وہ صحابہ شامل ہیں جن کی مرویات کی تعداد چالیس سے تھوٹک ہے۔

طبقہ پنجم — اس میں وہ صحابہ شامل ہیں جن کی روایتیں چالیس سے کم ہیں۔

(جب ہم راویانِ حدیث صحابہ کہتے ہیں تو اس میں صحابیات بھی شامل ہوتی ہیں)۔

طبقہ اول میں سات مقدس ہستیاں شامل ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

تعدادِ مرویات	اسمِ گرامی
۵۳۷۴	(۱) حضرت ابوہریرہؓ
۲۶۶۰	(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ
۲۲۱۰	(۳) اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ
۱۶۳۰	(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ
۱۵۴۰	(۵) حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ

(۶) حضرت انس بن مالک انصاری

(۷) حضرت ابوسعید خدریؓ

۱۲۸۶

۱۱۷۰

گویا طبقہ اول میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی سرفہرست ہے اور یہی ان کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو ہے۔ بالفاظ دیگر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار محسن انسانیت رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان شیدائیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے آپ کے زیادہ سے زیادہ ارشادات اُمت تک پہنچائے اور دینِ حنیف کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و اشاعت میں اپنی زندگیاں کھپا دیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارگاہِ نبویؐ میں جو مقام حاصل تھا اور جس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سحابِ لطف و کرم ان پر جبوم جبوم کر برستار رہتا تھا اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ اب ہم چند صفحات اُمت کی آراء یہاں درج کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ ان بزرگوں کے نزدیک روایتِ حدیث اور علم و فضل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا مقام و مرتبہ تھا۔

(۱) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یکے از عشرہ مبشرہ) کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: —

”اے ابو محمد! کیا یہ یعنی شخص (ابوہریرہ) آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہے۔ ہم تو اس سے ایسی روایات سنتے ہیں جو آپ اصحاب سے نہیں سنتے (کیا اس کی روایتیں واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں یا) کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اپنی باتیں رسول اللہ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے منسوب کر کے بیان کر رہا ہو۔“

حضرت طلحہؓ نے فرمایا:

”خبردار اس نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے ایسی آیات

سنی ہیں جو ہم نے نہیں سنیں۔“ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۹۷)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت طلحہؓ نے فرمایا:

”ابوہریرہ نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے جو کچھ سنا وہ ہم

نے بھی سنا مگر ہم بھول گئے اور اس نے یاد رکھا۔“

(فتح الباری ج ۸ ص ۷۷)

(۲) سلیم بن الاسودؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مدینہ منورہ آیا۔ وہاں میری

ملاقات حضرت ابویوب انصاریؓ (میربان رسولؐ) سے ہوئی جو

حضرت ابوہریرہؓ سے روایات بیان کر رہے تھے۔

میں نے ابویوبؓ سے کہا، اے ابویوب! آپ ابوہریرہؓ سے روایت

کر رہے ہیں حالانکہ آپ خود بارگاہ رسالت میں ایک مقام رکھتے ہیں۔

(اس لیے آپ خود اپنی طرف سے کیوں روایت نہیں کرتے)

حضرت ابویوبؓ نے فرمایا:

”بے شک ابوہریرہؓ نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے وہ

کچھ سنا جو ہم نہ سن سکے۔ میں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سے جو احادیث نہیں سنیں، مجھے بہت پسند ہے کہ میں ان کو

ابوہریرہؓ سے روایت کروں۔“

(دفاع ابوہریرہؓ از مولانا مفتی غلام الرحمن ص ۱۰۱)

بحوالہ الروا القویم علی البحر ص ۲۹۷ از محمود بن عبد اللہ

(۳) فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ:

”ابوہریرہؓ! آپ ہم سے زیادہ صحبت نبویؐ میں رہے۔ اس لیے

ہم سب سے بڑھ کر حدیث کے عالم ہیں۔“

(ترمذی ج ۲ صفحہ ۱۲۴۔ مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۵)

(۴) سید القراء حضرت اُبی بن کعب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:—

”ابو ہریرہ بڑے جری تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ باتیں بھی پوچھ لیا کرتے تھے جن کے دریافت کرنے کی ہم کو جرأت نہیں ہوتی تھی۔“

(ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۴، البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۱۰۱۔ الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۴)

(فتح الباری ج ۱ صفحہ ۲۲۵)

(۵) ایک دفعہ ایک شخص نے حبر الائمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ اس وقت حضرت ابو ہریرہؓ بھی ان کے پاس موجود تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا، اس کو جواب دیجئے، بڑا مشکل مسئلہ آپ سے دریافت کیا گیا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۲ صفحہ ۴۳۴، تہذیب التہذیب ج ۱۲ صفحہ ۲۶۶)

(۶) حبر الائمہ کاتب الوحی حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی شخص نے کوئی بات پوچھی تو انہوں نے فرمایا، ابو ہریرہؓ کا دامن ہاتھ سے مرت چھوڑو (یعنی یہ بات یا مسئلہ ان سے دریافت کرو۔)

(تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۲۶۶، سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۴۳۴)

(۷) محمد بن عمارہ بن حزم کا بیان ہے کہ مجھے ایک مجلس میں جانے کا اتفاق ہوا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ موجود تھے اور ابو ہریرہؓ ان کو حدیثیں سنارہے تھے۔ جب کسی کو حدیث کے الفاظ

بھول جاتے تو وہ ابو ہریرہؓ سے دریافت کرتے۔ مجھے اس دن معلوم ہوا کہ ابو ہریرہؓ تمام صحابہ میں عظیم حافظ حدیث ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ صفحہ ۲۲۵)

(۸) اعمشؒ، ابوصالح السمانؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ تمام صحابہ میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ ابوہریرہؓ صحابہ میں سب سے افضل ہیں بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ سب سے بڑھ کر حافظِ حدیث ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۳۳، ابن عساکر ج ۴ ص ۴۸۲)

(۹) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۱)

(۱۰) علامہ ذہبیؒ کا قول ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ علم کا ظرف تھے اور صاحبِ فتویٰ ائمہ کی جماعت میں بلند پایہ رکھتے تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۸)

(۱۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ سے آٹھ سو اصحابِ علم نے استفادہ کیا۔ وہ اپنے عہد میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۲۶۵، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳)

(ابن عساکر ج ۴ ص ۴۸۳)

(۱۲) حافظ ابن عبد البر اندلسیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ اصحابِ رسولؐ میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴ ص ۳۱۵)

(۱۳) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: —

”حضرت ابوہریرہؓ اپنے ہم عصر رواد میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ تمام صحابہ میں کسی نے حدیث کا اتنا ذخیرہ فراہم نہیں کیا۔ اصحابِ رسولؐ میں ان کی کثرتِ روایت پر محدثین کا اتفاق ہے

(الاصحاب ج ۲ ص ۲۰۲، تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۲۶۶)



(۱۴) امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ: —

” ابوہریرہ تمام اُمت کے نامور حافظِ حدیث تھے۔ انہوں نے حدیث کی ایسی روایت کی جیسی سنی۔ (دفاع ابوہریرہ بحوالہ الرد القویم علی المجرم الاثم ص ۲۶) (۱۵) حافظ ابن قیم نے شیخ امام ابن تیمیہ کی رائے کی موافقت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ” وہ (حضرت ابوہریرہ) علی الاطلاق حافظ اُمت تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے جو احادیث روایت کی ہیں وہ صحیح ہیں۔“

(دفاع ابوہریرہ بحوالہ الرد القویم علی المجرم الاثم ص ۲۶)

(۱۶) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: —

” حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حفظ و آمان، امانت و دیانت، زبرد و عبادت اور عمل صالح کا زندہ پیکر تھے۔ انہوں نے بکثرت احادیث روایت کیں۔ ان کا شمار حفاظِ حدیث صحابہ کے زمرہ میں ہوتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۱) (۱۷) یحییٰ بن ابی بکر عامری لکھتے ہیں: —

” ابوہریرہ اصحابِ صفہ کے سردار تھے۔ وہ فقر و فاقہ اور صبر میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے بے حد عقیدت اور محبت تھی۔ انہوں نے آپ کے دامنِ اقدس کو کبھی نہ چھوڑا۔ حضور کی متواتر صحبت اور حفظ و ضبط کے اوصاف کی بنا پر وہ تمام صحابہ میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ وہ ثقہ راوی، عظیم حافظ، ذہین و فطین بلند پایہ مفتی اور صاحبِ قیام و صیام تھے۔“ (سوانح حضرت ابوہریرہ از محمد عجاج الخطیب بحوالہ الریاض المطاہرۃ ص ۱۰۸)

(۱۸) مشہور مؤرخ ابن العواد حنبلی (متوفی ۱۰۸۹ھ) کا بیان ہے کہ: —

” حضرت ابوہریرہ بڑے عابدِ شب زندہ دار اور کثرت سے ذکرِ الہی کرنے والے تھے۔ اس کے ساتھ اللہ نے ان کو اخلاقِ حسنہ سے بھی نوازا تھا۔ وہ مدینہ کے امیر رہ چکے تھے۔ صحابہ میں عظیم حافظِ حدیث اور کثیر الروایت تھے۔“

(سوانح حضرت ابوہریرہ از محمد عجاج الخطیب بحوالہ شذرات الذهب ج ۱ ص ۶۳)

(۱۹) تیسری صدی ہجری کے یگانہ روزگار محدث، فقیہ اور مجتہد امام ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ (۲۲۳-۳۱۱ ہجری) لکھتے ہیں کہ: —

” حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ احادیث وہی لوگ ہے۔  
تسلیم نہیں کرتے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اندھا کر دیا ہو اور وہ ان احادیث  
کے مطالب و معانی سمجھنے سے قاصر ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کی مرویات کے منکرین کی چند قسمیں یہ ہیں : —————

(۱) فرقة جہمیہ و معتطلہ

(۲) خواج

(۳) قدریہ (منکرین تقدیر)

(۴) جہلاء ————— یہ وہ لوگ ہیں جو جاہل ہونے کے باوجود اپنے

آپ کو فقیہ سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ جب حضرت ابوہریرہؓ کی (بعض) مرویات

کو اپنے مسک کے خلاف دیکھتے ہیں تو ان کو رد کر دیتے ہیں اور حضرت

ابوہریرہؓ پر طرح طرح کے اعتراضات کرنے لگتے ہیں اور جب ان کی

(بعض) مرویات کو اپنے مسک کے مطابق پاتے ہیں تو ان کو تسلیم کر

لیتے ہیں۔“ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۳)

(۲۰) مشہور مصری عالم علامہ محمد عجاج الخطیب اپنی تصنیف ”سوانح

حضرت ابوہریرہ“ کے آخر میں لکھتے ہیں : —————

” حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ میں عظیم ترین

حافظ حدیث تھے۔ علم و فضل اور اخلاق میں بہت بلند پایہ

تھے۔ آپ نے اپنے حفظ و ضبط اور اتقان کی بدولت اہل

اسلام کے لیے ان کے دین کو محفوظ کر دیا۔ اس لیے آپ کا

شمار ان اکابر و اعلام صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے بن حنیف

کی حفاظت اور اس کی نشر و اشاعت میں زبردست حصہ لیا

اور تاریخ اسلام نے علماء عظام کے زمرہ میں ان کے اسم گرامی

کو تا ابد محفوظ کر لیا۔ رضی اللہ عنہ و آرضاہ۔

( اردو ترجمہ مولانا علامہ احمد حریری مرحوم )

## حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر افتراء

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس اعتبار سے محسن اُمت ہیں کہ انہوں نے محسن انسانیت خیر المخلوق رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ ارشادات اُمت تک پہنچائے لیکن افسوس کہ ہمارے درمیان کچھ ایسے گروہ بھی موجود ہیں جو حضرت ابوہریرہ کے احسان کا اعتراف کرنے کے بجائے ان کو طرح طرح کے لغو اعتراضات کا نشانہ بناتے رہتے ہیں۔ ان معترضین میں یہ گروہ پیش پیش ہیں۔

(۱) منکرینِ حدیث

یہ لوگ سرے سے حدیث کے قائل ہی نہیں۔ ان میں سے کچھ اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں اور کچھ حقیقی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

(۲) بعض قلیل التعداد فرقے

ان کے بیشتر عقائد جمہور مسلمانوں کے عقائد سے مختلف ہیں۔ یہ صرف ان حدیثوں کو مانتے ہیں جو ان کے اپنے عقائد کے موافق ہوں۔

(۳) تہذیب زدہ لوگ

یہ لوگ بظاہر پڑھے لکھے ہیں۔ ان میں سے بعض عالم ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں لیکن فی الحقیقت وہ مغربی افکار و نظریات سے بڑی طرح متاثر ہیں اور ان کی تہذیب زدگی نے انہیں راہِ راست سے بھٹکا دیا ہے۔

(۴) منافقین

یہ لوگ بظاہر تو حدیث کو مانتے ہیں لیکن مشغلہ ان کا یہ ہے کہ حدیثوں میں مین میخ نکال کر عامۃ المسلمین کو ان سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے

رہتے ہیں۔ وہ سُنَّتِ یا حدیث کی تشریحی یا اُلمنی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے  
بالفاظِ دیگر وہ حجتِ حدیث *AUTHORITY OF SUNNAH* کے منکر  
ہیں اور حدیث کو صرف ”تاریخ“ کا درجہ دیتے ہیں۔

ان گروہوں کا حضرت ابوہریرہؓ پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے  
کہ وہ وضاع تھے یعنی اپنے پاس سے حدیثیں گھڑ گھڑ کر لوگوں کو سناتے  
رہتے تھے (معاذ اللہ) ورنہ یہ ناممکن تھا کہ ان کی مرویات کی تعداد ہزاروں  
تک جا پہنچتی۔

ایسا یہودہ اعتراض کرتے وقت یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ حضرت  
ابوہریرہؓ صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت کے ایک رکن تھے اور کسی  
صاحبِ رسولؐ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ کاذب یا وضاع احادیث  
تھے، ان پر شرمناک افتراء ہے۔

## عظمتِ صحابہؓ

حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اقرار یا نہ ہونے والوں کو اچھی  
طرح جان لینا چاہیے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ  
سیرت و کردار کے اعتبار سے اتنے ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ کہ  
انبیاء علیہم السلام کو چھوڑ کر آج تک ان سے بہتر کسی انسان پر آفتاب  
طلوع نہیں ہوا۔ یہ آسمانِ ہدایت کے وہ روشن ستارے ہیں جن کے صدق و  
اخلاص، امانت و دیانت، خیر و ایثار اور زہد و اتقا کی قسم کھائی جا  
سکتی ہے۔ دینِ حنیف کی ترویج و اشاعت اور پرچمِ حق کی سر بلندی  
کے لیے انہوں نے زندگی کے ہر میدان میں وہ قربانیاں دیں کہ ان کا جہاں  
اور انفرادی کردار قیامت تک فرزندِ انِ توحید کے لیے مشعلِ راہ بن گیا۔  
ان قدسی صفات انسانوں نے رضائے الہی کی خاطر اپنے قبیلے اور وطنِ عزیز

کو خیر یاد کیا، گھر بار لٹائے، فلتے سہے، ہر قسم کی اذیتیں اور صعوبتیں برداشت  
 کیں یہاں تک کہ ضرورت پڑنے پر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا۔ آنحضرت  
 صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے سامنے ہی نہیں، آپ کے دنیا سے رخصت ہو جانے  
 کے بعد بھی صحابہ کرام نے اللہ کے دین کی جس درمندی اور خلوص کے ساتھ  
 خدمت، حفاظت اور اشاعت کی، اس کا اعتراف ہمارے ایمان کا تقاضا  
 ہے۔ بلاشبہ یہ نفوس قدسی اُمتِ اسلامیہ کے محسن ہیں اور یہ اُمت  
 ان کے احسانات کے بارگراں سے تاقیامت سبکدوش نہیں ہو سکتی۔  
 حقیقت یہ ہے کہ ہر صحابی اپنی ذات میں آیتِ الہی تھا۔ کتاب اللہ  
 اور سنتِ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انہی عظیم رجالِ کار کے واسطہ  
 سے ہم تک پہنچی ہے۔ جو لوگ اہل قرآن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور  
 قرآنِ حکیم کے سوا کسی اور چیز کو تسلیم نہیں کرتے وہ ذرا سوچیں اور خوفِ خدا  
 سے کام لیں تو خود بخود ہی اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ قرآن پاک کا  
 ایک ایک لفظ رسولِ اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر نازل ہوا۔ پھر آنحضرت  
 صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے یہ ایک ایک لفظ اپنے صحابہ کرام تک پہنچایا۔  
 اور یہ صحابہ کرام ہی تھے جن کے ذریعے قرآنِ حکیم کا ایک ایک لفظ اُمت  
 تک پہنچا۔ اگر لسانِ رسالت پر جاری ہونے والے قرآنِ حکیم کے الفاظ  
 کے بارے میں آپ صحابہ کرام کی امانت و دیانت پر بھروسہ کر سکتے ہیں  
 تو پھر کیا سبب ہے کہ آپ ارشاداتِ نبوی کے بارے میں صحابہ کرام  
 کی امانت و دیانت کو صدقِ دل سے تسلیم نہیں کرتے۔ صحابہ کرام  
 تو آسمانِ صداقت کے وہ روشن ستارے ہیں جنہیں دیکھ کر اُمت کے سفینہ  
 کے لیے منزلِ مقصود کا رخ متعین کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پاکباز  
 اور برگزیدہ بندوں کا حسن کردار اور حسن گفتار بارگاہِ خداوندی میں اٹنا مقبول  
 ہوا کہ قرآن پاک میں جگہ جگہ ان کے اوصاف بیان کیے گئے۔ ان کی

تعریف و تحسین کی گئی اور کھلے لفظوں میں ان کو جنت کی بشارت دی گئی۔ جب رب ذوالجلال والا کرام خود اصحاب رسول کی شان بیان کرتا ہو تو پھر ان نفوس قدسی کی عظمت اور ان کے راستباز ہونے کے ثبوت کے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ فی الحقیقت صحابہ کرام کی صداقت و عدالت پر کامل اعتقاد دین کا بنیادی تقاضا ہے۔ ان سے محبت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے اور ان کی مخالفت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے کے مترادف ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

« اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے معاملہ میں، میرے بعد ان کو ہدف تنقید نہ بنانا کیونکہ جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے ان کو اذیت پہنچائی اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی اور جس نے اللہ کو اذیت پہنچائی قریب ہے کہ اللہ اس کو پکڑے۔ »  
(جامع ترمذی عن عبد اللہ بن مسعود)

## عدالت صحابہ رضی

قریب قریب سبھی محدثین، فقہاء اور علمائے اُمت کا عقیدہ ہے کہ الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عَدُولٌ یعنی تمام صحابہ راست باز ہیں۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہم تک دین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے پہنچا۔ اگر ان کی عدالت یا صدق مقالی میں ذرہ برابر شبہ پیدا ہو جائے تو سارا دین ہی مشتبہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہر صحیح العقیدہ مسلمان کا اس بات پر پختہ ایمان ہے کہ کسی صاحب رسول نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے یا آپ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں کبھی راستی

سے ہرگز تجاوز نہیں کیا۔ گویا تمام صحابہ کرامؓ کسی استثناس کے بغیر رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے میں قطعی طور پر قابل اعتماد ہیں۔ اس اصول کی بنیاد پر اگر یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں حدیث فی الواقع کسی صحابہؓ نے روایت کی ہے تو اس کو موضوع کہنا ایسی ناپاک جسارت ہے جسے افتراء پر دازی کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔

## احادیث کی جانچ پڑتال

اس میں شک نہیں کہ احادیث کے عظیم الشان ذخیرے میں، اللہ کے خوف سے عاری بعض لوگوں نے جھوٹی روایات یا نام نہاد احادیث اپنے پاس سے گھڑ کر شامل کر دیں اور انہیں کسی صاحب رسولؐ سے منسوب کر دیا۔ لیکن محدثین کرام، محققین عالی مقام اور علمائے حق نے ایسی روایات کی واضح طور پر نشاندہی کر دی۔ انہوں نے روایات کی جانچ پڑتال اور چھان بین کے لیے جانگسل کاوشوں کے بعد ایک ایسی سائنس تشکیل دی جس کا نام ”اسماء الرجال“ کا علم یافن ہے (یعنی رواۃ حدیث کے سوانح و سیرۃ کے بیان کا فن) اسی علم یافن کی دوسری شاخ ”جرح و تعیل“ ہے۔ ان کو ایک ہی فن سمجھئے یا دو الگ الگ فن بہر صورت یہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں! اسماء الرجال کے ماہرین نے اپنی عمریں اسی بات میں کھپا دیں کہ ہر ایسے فرد کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کی جائیں جس نے کوئی حدیث روایت کی ہے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے دروازہ بلاد و امصار کے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔ راویوں سے ملے۔ پھر ان کے ہمسایوں، شاگردوں اور دوستوں سے مل کر ان کے بارے میں ہر نوع کی معلومات حاصل کیں۔ جو رواۃ ان کے زمانے میں موجود نہیں تھے اور ان سے پہلے فوت ہو چکے تھے، ان کے جاننے والوں سے یا ان کے

ذریعے سے) دوسرے قابل اعتماد لوگوں سے ان کے حالات معلوم کیے۔ اس طرح "اسماء الرجال" کا عظیم الشان فن معرض وجود میں آیا۔ اس کے بارے میں مشہور مستشرق ڈاکٹر شپرنگر نے "الأصابع فی احوال الصحابة" (لابن حجر) کے انگریزی دیباچے میں لکھا ہے: —

”دنیا میں نہ کوئی قوم ایسی گزری اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔“

جن اسلاف کرام نے اس انتہائی اہم اور مشکل فن کی ایجاد و تکمیل کا بیڑا اٹھایا۔ وہ اپنے دور کے نہایت ایماندار، محنتی اور نڈر لوگ تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے نہ لومہ لائم کی پروا کی نہ وہ کسی کے دباؤ میں آئے۔ نہ کسی کا اثر و رسوخ، جاہ و منصب، علم و ہنر یا مال و دولت انہیں بے راہ کر سکا نہ کوئی ذمیوی مفاد انہیں اپنے مقصد عظیم سے برگشتہ کر سکا۔ انہوں نے انتہائی ذمہ داری کے ساتھ اپنی شبانہ روز کاوشوں اور عرق ریزی سے حدیث کے بارے میں تمام شبہات کا ازالہ کر دیا اور شک و شبہ کی کوئی مصورت باقی نہ رہنے دی۔ چنانچہ ریوڈنڈ باسور تھے سمجھے جیسا متعصب مستشرق بھی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ —

”یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر شخص تک پہنچ سکتی ہے۔“

(MOHAMMAD AND MOHAMMADAN ISM)

محدثین اور علماء نے روایات کے اخذ و قبول کے لیے جو کڑی شرائط مقرر کیں اور انتہائی سخت قسم کے اصول مدون کیے، ان کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

مرویات کے اخذ و قبول کا ایک اصول یہ تھا کہ صرف وہی روایت



قبول کی جائے جس کا راوی خود شریکِ واقعہ اور اس کا راوی اول ہو اور اگر وہ خود شریکِ واقعہ نہ تھا تو شریکِ واقعہ تک تمام راویوں کا سلسلہ محفوظ ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ تمام راویوں کے نام ترتیب کے ساتھ بیان کیے جائیں اور روایت کا سلسلہ اصل واقعے تک کہیں منقطع نہ ہو اور پھر اس بات کا اہتمام بھی لازمی ہے کہ پوری چھان بین اور تحقیق و تفتیش کے بعد یہ بھی متعین کر لیا جائے کہ سند یا سلسلہ روایت میں جن راویوں کے نام آئے ہیں، وہ کون اور کیسے لوگ ہیں، روایت و روایت میں ان کا کیا مقام ہے، حفظ و اتقان میں ان کا کیا مرتبہ ہے، وہ کس سوجھ بوجھ اور فہم و فراست کے مالک ہیں، ان کی عدالت اور ثقاہت کیسی ہے، معتقدات کیا ہیں، چال چلن کیسا ہے، معاملات میں کیسے ہیں، بائیکاٹ اور نکتہ رس ہیں یا کند ذہن اور غبی؟ کب اور کہاں پیدا ہوئے اور کب فوت ہوئے۔ کس ماحول میں زندگی گزاری، عہد شباب کیا تھا۔ کہولت اور پیری کی منزلیں کہاں اور کس انداز سے طے کیں، تعلیم اور تعلم کا کیا حال تھا، شیوخ و اساتذہ کون تھے، طالب علمی کا زمانہ کیا تھا، میل جول کن اور کیسے لوگوں کے ساتھ رہا، فرمانرواؤں اور حاکموں کے ساتھ تعلق رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر رکھتے تھے تو خوشامد اور اخفائے مسحت سے تو کام نہ لیتے تھے۔ زہد و عبادت کا کیا حال تھا، اعزہ و اقارب سے تعلقات کی نوعیت کیسی تھی، توہم پرست تو نہیں تھے، گفتار و عمل میں غیر محتاط تو نہیں تھے، دماغ میں کوئی فتور تو نہیں تھا، اہل ہوی اور نادقہ سے تو تعلق نہیں رکھتے تھے، مزاج میں توازن اور اعتدال تھا یا نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

غرض ہر راوی کے بارے میں اس قسم کی جزئیات اور تفصیلات کی چھان بین کی جاتی تھی۔ پھر رواۃ کے مدارج اور طبقات قائم کیے جاتے تھے کیونکہ ظاہر ہے کہ بعض راوی ذہانت و فطانت اور فہم و فراست کے

اعتبار سے بہت اونچا مقام رکھتے تھے اور بعض میں یہ اوصاف کم درجے میں پائے جاتے تھے۔ بعض حافظہ اور عدالت کے لحاظ سے بہت بلند مقام پر فائز تھے اور بعض ان اوصاف و کمالات میں کم درجے کے حامل تھے۔ اس کے لیے طبقہ اولیٰ، طبقہ ثانیہ، طبقہ ثالثہ اور طبقہ رابعہ وغیرہ کی اصطلاحیں معرض وجود میں آئیں۔ اس اختلاف مراتب کی بنا پر مجسّمے بڑے معرکہ آرا مسائل کا تصفیہ ہوتا ہے کیونکہ واقعہ جس اہمیت کا حامل ہو شہادت بھی اسی مرتبے کی ہونی چاہیے۔

کسی روایت اور حدیث کو قابل اعتماد ٹھہرانے سے قبل اسما و الرجال کی روشنی میں اس پر جرح و تعدیل کی جاتی پھر جرح و تعدیل کی کسوٹی پر وہ جس حیثیت کی ثابت ہوتی اسے وہی درجہ دیا جاتا۔

جہاں تک معتبر اور مستند ہونے کے اعتبار سے احادیث کی حیثیت یا نوعیت کا تعلق ہے تو محدثین نے احادیث کی بیسیوں اقسام قرار دی ہیں البتہ بنیادی طور پر ان کی چار بڑی اقسام یہ ہیں:

(۱) صحیح (درست)

(۲) حسن (خوب)

(۳) ضعیف (کمزور)

(۴) موضوع یا وضعی روایات جو جھوٹے راویوں نے گھڑ کر انہیں حدیث کا نام دے دیا۔

احکام شریعت کا استنباط پہلی دو اقسام (صحیح اور حسن) ہی سے کیا جاتا ہے۔ ضعیف احادیث کی اہمیت قانونی اور نظریاتی معاملات میں بہت کم یا نہ ہونے کے برابر ہے۔

کسی حدیث کو "صحیح" یا "حسن" قرار دینے سے پہلے اسے نہایت کڑے امتحانات کے ذریعے پرکھا جاتا ہے۔ یہ امتحانات کیا ہیں؟ اولاً

کی ایک جھلک ملاحظہ ہو: —

(۱) رُوَاةِ كِي چھان بین

(۲) راویوں کی سند مسلسل اور متصل ہونے کی تحقیق۔

(۳) روایت کی سند اور متن کا اسی معاملے کی دوسری روایتوں یا طُرُق کے ساتھ موازنہ۔

(۴) حدیث کی سند اور متن کا اسی موضوع پر دستیاب دوسرے مواد کی روشنی میں تجزیہ اور اس کا اطمینان کہ سند اور متن میں کوئی کجالت (نقص) نہیں ہے۔

اب ہم ان امتحانات کا ایک اجمالی جائزہ لیتے ہیں: —

① رُوَاةِ كِي چھان بین

یہی چھان بین یا جانچ پڑتال ہے جس کے لیے علم اسماء الرجال معرض وجود میں آیا۔ اس کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اسماء الرجال کی روشنی میں ہر حدیث پر جرح و تعدیل کی جاتی تھی اور اس کے ہر راوی کی زندگی (سیرت و کردار) کے ہر پہلو (تقویٰ، صداقت، دیانت، امانت، تعلیم، عقائد، فہم و فراست، ذہانت، لقاہت، عادات، شب و روز کے معمولات، یادداشت، معاشرت وغیرہ) کا نہایت وقت نظری سے جائزہ لیا جاتا تھا۔ اس کی روایت اسی وقت قبول کی جاتی تھی جب وہ ان شرائط پر پورا اترتا ہو جو محدثین نے کسی حدیث کی صحت کا معیار متعین کرنے کے لیے وضع کی ہیں۔ علماء اسلام نے اس موضوع پر سینکڑوں کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	ضخامت	راویوں کی تعداد
۱	تاریخ البکیر	امام بخاریؒ	۹ جلد	۱۳۷۸۱

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	ضخامت	راویوں کی تعداد
(۲)	المجرح والتعديل	ابن ابی حاتم	۹ جلد	۱۸۰۵۰
(۳)	تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانی	۱۲ جلد	۱۲۴۵۵
(۴)	میزان الاعتدال فی نقد الرجال	حافظ ذہبی	۴ جلد	۱۱۰۵۳
(۵)	لسان المیزان	حافظ ابن حجر	۷ جلد	۵۹۹۱
(۶)	الثقات	احمد بن عبد اللہ عجمی	۱ جلد	۲۱۱۶
(۷)	المغنی فی الضعفاء	حافظ ذہبی	۲ جلد	۷۸۵۴

ان کے علاوہ امام مسلم کی "کتاب المفردات والوحدان" امام نسائی کی "الضعفاء والمتروکین" ابو احمد علی بن عدی علی قطان کی "الکامل فی المجرح والتعديل" عبد المغنی مقدسی کی "الکمال فی اسما الرجال" یوسف بن زکی مزی کی "تہذیب الکمال فی اسما الرجال" امام بیہقی کی کتاب "کتاب الاسما والمصفاة" حافظ ابن کثیر کی "تکمیل فی معرفۃ الثقاۃ والضعفاء والمجاہل" ابن حبان کی "الثقات" امام نووی کی "تہذیب الاسما" ابن جوزی کی "اسما الضعفاء والواضعین" حافظ سیوطی کی "زوائد الرجال علی تہذیب الکمال" فن رجال میں بڑی اہمیت کی حامل کتابیں ہیں۔

### ۲) اتصالِ سند

کسی حدیث کو مستند قرار دینے کے لیے "سند متصل" کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی قابل اعتماد روایت کا سلسلہ روایت کسی انقطاع کے بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہو۔ کوئی راوی سند میں گم ہوا اور کڑیاں باہم مربوط نہ ہوں (یعنی سند مسلسل نہ ہو) تو روایت غیر مستند قرار پاتی ہے۔ اتصالِ سند کی چھان بین کے لیے یہ تحقیق بھی کی جاتی تھی۔ کہ

فلاں فلاں راوی کا سالِ ولادت اور سالِ وفات کیا تھا اور کیا تاریخی طور پر یہ ممکن تھا کہ وہ راوی اس شخص سے ملا ہو جس سے حدیث کی سماعت کا وہ دعویٰ کر رہا ہے۔

جو روایتیں سند متصل کی شرط پوری نہیں کرتیں ان کی بہت سی قسمیں ہیں مثلاً حدیث منقطع، حدیث معلق، حدیث مرسل، حدیث مفصل، حدیث مدلس وغیرہ۔ محدثین نے ایسی تمام روایات کا درجہ متعین کر دیا ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

③ دوسری روایات سے تقابل و موازنہ

بعض اوقات ایک ہی واقعے یا قول سے متعلق کوئی حدیث بہت سے راویوں سے مروی ہوتی ہے۔ اس کو پرکھتے وقت محدثین اس کے تمام طرق کا مجموعی تجزیہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی حدیث قابل اعتماد راویوں کی اکثریت ایک خاص طریقے سے روایت کر رہی ہو لیکن ان میں سے ایک راوی کا طریقہ روایت مفہوم کے اعتبار سے دوسری احادیث سے مختلف ہو تو ایسی روایت کو ”حدیث شاذ“ کہا جاتا ہے۔ ایسی حدیث کو راوی کے قابل اعتماد ہونے کے باوجود ”صحیح“ حدیث کے طور پر قبول نہیں کیا جاتا، ہاں کسی داخلی یا خارجی شہادت کی بنا پر اس کی مزید تصدیق ہو جائے تو پھر اسے معتبر تسلیم کر لیا جاتا ہے۔

④ حدیث کا مجموعی تجزیہ

کسی حدیث کی نوعیت اور درجہ متعین کرنے کے لیے محدثین صرف رواۃ کے حالات کی چھان بین اور اسناد کی جانچ پڑتال پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس موضوع پر دوسرے متعلقہ دستیاب شدہ مواد کا بھی جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ راویوں کی سند اصلی بھی ہے یا نہیں، کیا روایت کے الفاظ ایسے ہیں کہ ان کو لسانِ رسالت سے منسوب کیا

جاسکے، کیا روایت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے یا جو قول حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا گیا ہے وہ ناممکنات سے تو نہیں، کیا وہ واقعات جن پر تاریخ نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے، حدیث پر منطبق ہوتے ہیں یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان تمام سوالات کا تسلی بخش جواب مل جائے تب کہیں جا کر کسی حدیث کو صحیح یا حسن قرار دیا جاتا ہے۔ بصورت دیگر اس نقص یا علت کی نشان دہی جاتی ہے جو سند حدیث یا متن حدیث میں پائی جاتی ہے۔

اوپر ہم نے ضمنی طور پر جو کچھ بیان کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی ذہنیت کا اندازہ کر سکیں جو منکرین حدیث ہیں یا حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات کو مستند تسلیم نہیں کرتے اور انہیں ناقابل حجت ٹھہراتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ایسے ہیں جو علوم حدیث، علوم رجال، اصول حدیث، اصول روایت اور قوانین درایت وغیرہ سے واقفیت تو کجا صرف و نحو سے بھی پوری طرح واقف نہیں۔ اگر جرح و تعدیل کی روشنی میں کوئی ایسی روایت موضوع قرار پاتی ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے منسوب کی گئی ہے تو اس میں حضرت ابو ہریرہؓ کا کیا قصور؟ یہ تو اس راوی کا قصور ہے جس نے یہ روایت گھڑ کر اسے حضرت ابو ہریرہؓ سے منسوب کر دیا۔ اور اگر کوئی حدیث جرح و تعدیل کے بعد صحیح قرار پاتی ہے اور اس کا سلسلہ سند پوری شرائط کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ تک پہنچتا ہے تو حضرت ابو ہریرہؓ کا پر زبان طعن دراز کرنے کا کیا جواز ہے؟



## حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ

تیجھے ”وادی سینا کا سفر“ کے زیر عنوان مشہور تابعی حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک ملاقات کا ذکر آچکے ہیں اور حاشیہ میں حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات زندگی بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ منکرین حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ”وہ کعب احبار کے شاگرد تھے، انہوں نے اکثر روایات کعب احبار سے سنی تھیں لیکن وہ ان کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تھے۔“ کعب احبار کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ ”انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا فی الحقیقت وہ یہودی تھے اور انہوں نے اسرائیلی روایات کی تشہیر کے لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو استعمال کیا۔“

اس الزام کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کو تہمت اور بہتان طرازی کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ جہاں تک حضرت کعب الاحبار کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ قبول اسلام سے پہلے یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے لیکن حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد انہوں نے مدینہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کی اور بقول حافظ ذہبی ”بعض صحابہ کرام نے ان سے اہل کتاب کے علوم سیکھے۔ کئی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اکابر صحابہ بھی ان کے تبحر علمی کے معترف تھے اور ان کا احترام کرتے تھے۔ کبھی کسی نے ان کے اسلام پر شبہ نہیں کیا بلکہ بعض صحابہ نے ان سے روایت کی ہے۔“

حضرت ابوالدرداء انصاریؓ فرمایا کرتے تھے کہ ”ابن جمیرہ (کعب الاحبار) کے پاس بڑا علم ہے۔“ (طبقات ابن سعد ج ۷ - ق ۲ - ص ۱۵۶)

امیر معاویہؓ فرماتے تھے کہ ابوالدرداء حکماء میں ہیں اور کعب علماء میں۔ ان کے پاس سمندر جیسا علم تھا۔ (الاصابہ ج ۵ - ص ۳۳۳)

امام بخاریؒ نے ”تاریخ الکبیر والصغیر“ میں حضرت کعب الاحبارؓ کے مفصل حالات لکھے ہیں اور کہیں بھی ان پر اعتراض نہیں کیا۔ ابن ابی حاتمؒ، حافظ ذہبیؒ، امام نوویؒ اور بہت سے دوسرے علماء نے کعب الاحبار کی جلالت علمی کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کیا ہے۔

ان ساری باتوں کے باوجود حضرت کعب احبارؓ کے ایمان سے انکار کرنا بڑی ناپاک جسارت ہے۔ صحابہؓ میں حضرت کعب احبارؓ سے روایت کرنے والوں میں حضرت ابوہریرہؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور امیر معاویہؓ بھی شامل ہیں۔ بقول ابن صلاحؒ عبادلہؓ ثلاثہ نے کعب الاحبارؓ سے روایت کی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ کعب الاحبارؓ سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ تابعین میں اصحابیؒ، عبداللہ بن رباح انصاریؒ، عطاء بن ابی رباح، مالک بن ابی عامر، عبداللہ بن حمزہ سلولی، عبدالرحمن بن شعیب اور سعید بن مسیبؒ وغیرہم نے ان سے روایت کی ہے۔

یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کعب الاحبارؓ اگرچہ عہد رسالت میں موجود تھے لیکن ان کو شرف صحابیت حاصل نہیں ہوا اس لیے انہوں نے کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست نہیں سنی۔ البتہ قبول اسلام کے بعد بعض صحابہ کرامؓ سے احادیث ضرور سنیں اور پھر دوسرے صحابہ یا تابعین کے سامنے بیان کیں۔ ان کی روایتوں میں زیادہ تعداد امراسلی روایتوں کی ہے۔ ان کے راوی وہ خود ہیں۔ ان



میں گزشتہ اقوام کے حالات اور بہت سی عجیب و غریب باتیں ہیں۔ جن صحابہ (بشمول حضرت ابو ہریرہؓ) نے حضرت کعب احبارؓ سے یہ روایات سُنی ہیں انہوں نے ان کے نام سے دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کیں۔ یہ غلط ہے کہ وہ ان روایات کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرتے تھے۔ کوئی حدیث روایت کرتے وقت صحابہ کرامؓ کے سامنے ہمیشہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہوتا تھا کہ ”جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔“ ان نفوسِ فاسقہ کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ حضرت کعب احبارؓ سے کوئی حدیث سُنی اور اس کو بیان کرتے وقت کہیں کہ ہم نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے۔ اب یہی یہ بات کہ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت کعب احبارؓ کے شاگرد تھے تو یہ بات بدابہتہ غلط ہے۔ ایک صاحبِ رسولؐ کو محض اس بنا پر ایک تابعی کا شاگرد ٹھہرانا کہ انہوں نے تابعی سے روایت کی ہے، کج فہمی اور نامعقول جسارت ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ حضرت کعب احبارؓ نے بعض صحابہ کرامؓ سے احادیث کی سماعت کی اور صحابہ کرامؓ نے ان سے ایسی روایات لیں جن کا تعلق بالعموم تورات یا اقوامِ ماضی سے تھا۔ اس میں استادِ شاگردی کا کوئی سوال نہیں تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

”کسی مقام و مرتبہ یا عمر کے لحاظ سے بڑی شخصیت اپنے ہم عمر یا چھوٹے شخص سے روایت کرے تو یہ جائز ہے۔“

(دفاع ابی ہریرہؓ ص ۲۶)

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ یا کسی دوسرے صاحبِ رسولؐ نے کوئی حدیث بیان کی اور حضرت کعب احبارؓ نے اس کی تائید میں تورات کا کوئی حوالہ پیش کر دیا۔ اگر حضرت ابو ہریرہؓ نے انہی کسی روایت میں کعب احبارؓ کا کوئی اس نوع کا قول نقل کر دیا تو اس کو قبول کرنے

میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟  
 جہاں تک حضرت کعب احبار کی مرویات کا تعلق ہے تو بلاشبہ ان  
 میں بہت سی بے سرو پا اسرائیلی حکایتیں بھی شامل ہیں جن کو محدثین نے  
 جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پرکھ کر رد کر دیا ہے۔ مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی  
 اپنی کتاب ”اہل کتاب صحابہ و تابعین“ میں لکھتے ہیں: —

”و کعب کی علمی جلالت میں کوئی شک نہیں۔ وہ یہودی مذہب  
 کے بڑے نامور عالم تھے لیکن چونکہ خود یہودیوں کا سرمایہ علم زیادہ تر  
 قصص و حکایات تھیں اس لیے کعب کا سرمایہ معلومات بھی  
 تمام تر یہی تھا۔ اس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ بہت سی بے سرو پا  
 اسرائیلی روایات ان کے ذریعہ اسلامی لٹریچر میں داخل ہو گئیں  
 اسی بنا پر بعض ائمہ حدیث کعب کو روایات میں ساقط الاعتبار  
 سمجھتے ہیں۔“

(ترجمہ حضرت کعب احبار)  
 لیکن دوسری طرف جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت کعب احبار کی بعض روایات  
 قرآن و حدیث کی مؤید ہیں تو ایسی روایات کو رد کرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا  
 مگر یہ بات بڑی عجیب ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے معترضین ان کی بعض  
 مرویات کو محض اس بنا پر ”اسرائیلیات“ میں شمار کرتے ہیں کہ ان کی  
 حضرت کعب نے تائید کی تھی۔ مثلاً ”مُسَدِّ احْمَد“ میں حضرت ابو ہریرہؓ  
 سے مروی یہ حدیث: —

”رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ فِي بَيْتِي فِي يَوْمٍ  
 اتْنَا بَطْرًا هُوَ سَوَّارٌ اس کے سایہ میں سو برس تک چلتا رہے گا۔  
 اگر چاہو تو اس کی تائید میں قرآن کی یہ آیت پڑھ لو وَخَلِي  
 مَسَدُودٍ (اور دراز سایہ)“

جو یہی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کی، کعب بولے، آپ نے سچ

فرمایا، اس ذات کی قسم جس نے تورات حضرت موسیٰ اور قرآن حضرت محمد صلی علیہ وسلم پر نازل فرمایا؛  
حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کو اسرائیلیات میں شمار کرنا اور اس سے انکار کرنا،  
ستم ظریفی کی انتہا ہے۔ اس حدیث کو تو حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت سہل بن سعد اور  
کئی دوسرے صحابہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم)

اگر اس کا انکار اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ جس درخت کا اس حدیث میں ذکر کیا  
گیا ہے اس کا جنت میں پایا جانا ممکن نہیں (یعنی یہ بات خلاف عقل ہے) تو پھر  
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بارے میں کیا کہا جائے گا کہ جنت میں وہ  
چیزیں ہیں جو نہ کبھی آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کالوں نے سُنیں اور نہ انسان کے دل  
میں کبھی ان کا خیال گزرا۔ (صحیح مسلم جلد ۴ ص ۲۱۷۵)

حقیقت یہ ہے کہ جنت کے عجائب اور اس کی حیرت انگیز نعمتوں کا صرف  
احادیث نبوی ہی میں ذکر نہیں ہے بلکہ قرآن حکیم میں بھی جا بجا ان کا ذکر آتا ہے۔ یہ  
عجائب اور تخیل خیز نعمتیں انسانی حد اور اک سے باہر ہیں لیکن ہر مسلمان کا ان پر ایمان ہے۔  
اب اگر کسی حدیث میں کسی ایسی چیز کا ذکر ہو جو انسانی عقل و فکر کے احاطہ سے  
باہر ہو تو اس حدیث کو اسرائیلیات کی قبیل میں شمار کرنا اور اس سے یکسر انکار کر دینا  
کسی مرد مومن کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو روایات قرآن کریم اور مستند احادیث کے  
متعارض ہوں ان کو بلا تاثر رد کیا جاسکتا ہے۔ مخدثین اور آداب جرح و تعدیل نے  
ایسا ہی کیا ہے اور کوئی دوسرا بھی ان کو تسلیم کرنے کا مکلف نہیں۔

جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ اس بات کو تو قطعاً تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت  
ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی روایت حضرت کعب احبارؓ سے لی ہو اور اس کو  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیا ہو۔ ہاں اس بات کا امکان ہے کہ ان کے  
بعض ملائذہ نے غلط فہمی کی بناء پر ان کی حضرت کعبؓ سے لی ہوئی۔ بعض  
روایات کو بعض ایسی احادیث میں گڑبڑ کر دیا ہو جو انہوں نے رسول اکرم  
صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں۔ اس امکان کا اشارہ اس تقریر سے ملتا ہے جو مشہور  
صحابی حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کے ایک مجمع کے سامنے

۱۔ حضرت بشیر بن سعد انصاری کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے ان  
(باقی مآخذ کے صفحہ پر)

کی تھی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا :  
 ” لوگو! اللہ سے ڈرو اور حدیثوں کو خوب یاد رکھو۔ واللہ ہم ابوہریرہ  
 کی مجلسوں میں شریک ہوتے رہے ہیں وہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ  
 سے بھی حدیثیں روایت کرتے اور کعب سے بھی۔ اب میں دیکھ رہا ہوں  
 کہ جو لوگ ان مجلسوں میں ہمارے ساتھ شریک ہوتے تھے وہ رسول اللہ  
 صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے منقول روایات کو کعب کی طرف اور کعب سے مروی قصص و  
 اخبار کو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی جانب منسوب کرتے ہیں۔“

(سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۲۳۶)

بعد میں ارباب جرح و تعدیل نے دونوں قسم کی روایات میں فرق و امتیاز واضح  
 کر دیا۔ بہر صورت اگر کسی حدیث نبویؐ اور روایت کعب میں کہیں گدڑ طمہ ہو گئی تو اس کی  
 تمام تر ذمہ داری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رواۃ اور تلامذہ کے سر ہے  
 ان کا اپنا اس میں مطلق کوئی قصور نہیں اس لیے ان پر زبانِ طعن راز کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کا تعلق خزرج کے خاندان حارث بن خزرج سے تھا۔ ہجرت نبویؐ سے پہلے مشرف بہ اسلام  
 ہوئے اور پھر ۳۱ھ بعد بعثت میں مکہ جا کر بیعت عقبہ کبیرہ میں شریک ہو  
 کی عظیم سعادت حاصل کی۔

ہجرت نبویؐ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت بشیرؓ نے بدر سے  
 لے کر تبوک تک تمام غزوات میں رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی ہمراہی کا  
 شرف حاصل کیا۔ بعض سرایا میں بھی شریک تھے۔ ۳۱ھ ہجری میں آنحضرت  
 صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی رحلت کے بعد وہ انصار میں پہلے شخص تھے جنہوں نے حضرت  
 ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کی۔ پھر فتنہ ارتداد کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا۔ ایرانیوں  
 سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت بشیرؓ بھی اسلامی لشکر میں شامل ہو کر عراقِ عرب  
 کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے اور کئی معرکوں میں داؤ شجاعت دی۔ اس سلسلے کا آخری  
 معرکہ عین التمر (۳۱ھ) کا تھا۔ انہوں نے اسی میں شہادت پائی۔

## پچھ اور اعتراضات اور ان کا ابطال

معتزلہ، منکرین حدیث، تہجد زدہ نام نہاد محققین اور مستشرقین نے سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جن متعدد اعتراضات کا نشانہ بنایا ہے ان میں دو سب سے بڑے اعتراضات یہ ہیں: —

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت کعب الاحبارؓ (تابعی) کے شاگرد تھے اور وہ ان سے حدیثیں سن کر انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیتے تھے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ وضاع تھے اور اپنے پاس سے حدیثیں گھڑ گھڑ کر بیان کرتے تھے۔

ان دونوں بیہودہ اعتراضات کا ابطال ہم تفصیل کے ساتھ پچھلے صفحہ میں کر چکے ہیں۔ معترضین کے دوسرے اعتراضات زیادہ تر ان کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس معاملے میں یہ لوگ اخلاق اور شرافت کے تمام حدود کو پھلانگ گئے ہیں۔ انہوں نے نہایت بے شرمی کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کے نام، نسب، خاندان، ذریعہ معاش معمولات اور مشاغل زندگی ہر چیز میں کیرے ڈالنے کی کوشش کی ہے اور ایک صاحب رسولؐ پر کیچڑ اچھلتے ہوئے اپنے ضمیر میں ذرا سی چھین بھی محسوس نہیں کی۔ اس قسم کے یہودہ ذاتی نویت کے اعتراضات اس قابل نہیں کہ ان کا جواب دیا جائے۔ البتہ بعض ایسے اعتراضات کا جواب دینا ضروری معلوم ہوتا ہے جو بعض ناواقف یا سادہ مزاج لوگوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے کا موجب بن سکتے ہیں۔

ہم یہاں ہر اعتراض کا خلاصہ بیان کریں گے اور پھر مناظرانہ انداز

اختیار کرنے کے بجائے اختصار کے ساتھ اس کا جواب عرض کریں گے۔  
اعتراض ۱: — امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے  
نزدیک حضرت ابوہریرہؓ کا ذب تھے اس لیے وہ ان کو حدیں وایت  
کرنے سے منع کرتے تھے۔

جواب: — یہ بات بالکل بے بنیاد ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت  
ابوہریرہؓ کو کاذب سمجھتے تھے۔ اس کے برعکس وہ ان کو ایک قابل اعتماد  
آدمی سمجھتے تھے اور ان کی عزت کرتے تھے۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
جیسے مردم شناس خلیفہ کو حضرت ابوہریرہؓ پر اعتماد نہ ہوتا تو وہ ان  
کو بحرین کا حاکم کیوں بناتے؟

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ ادھر سے  
گزرے۔ انہوں نے حضرت حسانؓ کو مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع  
کیا۔ حضرت حسانؓ نے امیر المؤمنین کو جواب دیا، میں مسجد میں اشعار  
پڑھا کرتا تھا اور آپ سے بہتر شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) وہاں  
موجود ہوتے۔ پھر انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ (جو وہاں موجود تھے) سے  
مخاطب ہو کر کہا، اے ابوہریرہ! میں تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں  
کیا تم نے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے بارے میں  
یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ (اے حسان) میری طرف سے مشرکین  
کو جواب دو، اے اللہ اس کی تائید روح القدس سے فرما۔  
حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، ”ہاں میں نے سنا ہے۔“

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳)

حضرت ابوہریرہؓ کی گواہی سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ کیا  
حضرت عمرؓ کسی ایسے آدمی کی گواہی قبول کر سکتے تھے جس کو وہ دروغ بان

سمجھتے ہوں؟

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک گودنے والی عورت کو حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں (حاضرین مجلس) سے پوچھا، کیا تم میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے گودنے کے بارے میں روایت سنی ہے؟

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا اور کہا امیر المؤمنین! میں نے سنی ہے۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا، تم نے کیا سنا؟

حضرت ابو ہریرہؓ نے جواب دیا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا، اے عورتو! تم گودی مت لگاؤ اور نہ گودنے کے لیے کسی سے کہو۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی گواہی (متعدد دوسرے) صحابہ کے سامنے قبول کر لی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۸)

ایک دفعہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروقؓ حج کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت ابو ہریرہؓ کو بھی ساتھ لے لیا (یعنی اپنے قافلہ حج میں حضرت ابو ہریرہؓ کو بھی شریک کر لیا)۔ اثنائے حج میں تیز ہوا چل پڑی (یا آندھی آگئی)۔ حضرت عمرؓ نے اپنے رفیق سے دریافت کیا کہ کیا کسی کو اس تیز ہوا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی ارشاد یاد ہے؟ مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو (جو قافلے میں بہت پیچھے آ رہے تھے) حضرت عمرؓ کے سوال کا پتہ چلا تو وہ اپنی سواری کو تیزی سے ہانکتے ہوئے حضرت عمرؓ کے قریب پہنچے۔ اور عرض کیا، مجھے آپ کے سوال کا علم ہوا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ ہوا اللہ کی رحمت کی دلیل ہے۔ (مسند احمد جلد ۱ ص ۷۱۹)

اگر حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت ابوہریرہؓ پر اعتماد نہ ہوتا تو ان کے سامنے حضرت ابوہریرہؓ کو حدیث بیان کرنے کی جرأت کیسے ہو سکتی تھی؟

حقیقت یہ ہے کہ معترضین نے جس بات کا تبنگہ بنا دیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ روایت حدیث کے معاملے میں بے حد محتاط تھے اور جانتے تھے کہ حدیثیں کم از کم روایت کی جائیں۔ ان کو اندیشہ تھا کہ اگر کوئی شخص کثرت سے حدیثیں روایت کرے گا تو ان میں آمیزش یا غلطیوں کا احتمال ہے۔ وہ صرف حضرت ابوہریرہؓ ہی کو نہیں دوسرے صحابہؓ کو بھی یہی مشورہ دیا کرتے تھے کہ حدیثیں کم روایت کریں۔ معترضین نے اپنے اعتراض کی بنیاد ”البدایہ والنہایہ“ میں سائب بن زید کی اس روایت پر رکھی ہے کہ ”میں نے حضرت عمرؓ کو حضرت ابوہریرہؓ سے یہ کہتے سنا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرنا چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں ارضِ دوس (حضرت ابوہریرہؓ کا وطن) میں پہنچا کر چھوڑوں گا۔“ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۰۸)

اول تو بعض علماء کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کے سلسلہ اسناد میں دو راوی محمد بن زرعہ اور اسمعیل بن عبد اللہ قابل اعتبار نہیں اور اگر اسے قبول بھی کر لیا جائے تو معترضین حافظ ابن کثیرؒ کی وہ رائے دانستہ نظر انداز کر دیتے ہیں جو انہوں نے یہ روایت کرنے کے بعد ظاہر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وہ یہ ممانعت اور جلا وطنی کی دھمکی اس پر محمول کی جاسکتی ہے کہ حضرت عمرؓ کو کچھ روایات کے بارے میں اندیشہ تھا کہ ان کو لوگ (ان کا صحیح مفہوم نہ سمجھ کر) بے محل نہ استعمال کر بیٹھیں نیز لوگ رخصتوں اور سہولتوں والی روایات پر تکیہ کر کے فضائل اور دفع درجات سے محروم نہ ہوں۔ بعض روایات میں ہے کہ بعد میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کو حدیث بیان کرنے



کی اجازت دے دی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۰۸)

خود حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو میرے حدیث روایت کرنے کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے مجھے بلا کر فرمایا، جب تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فلاں شخص کے گھر گئے تھے تو کیا تم وہاں موجود تھے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ یہ بات مجھ سے کیوں دریافت کر رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ بولے، اچھا بتاؤ میں نے یہ بات تم سے کیوں پوچھی ہے؟ میں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز فرمایا تھا کہ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا اس نے اپنا گھر دوزخ میں بنا لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اچھا اگر آپ کو یہ بات معلوم ہے تو جیسے حدیثیں روایت کیجئے۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اب جتنی احادیث چاہیں روایت کریں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۰۹، سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۶۳)

ابن عساکر جلد ۴ ص ۶۸

علماء حدیث نے اور بھی بہت سی مثالیں دی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ فاروقؓ کے نزدیک حضرت ابو ہریرہؓ ایک قابل اعتماد راوی حدیث تھے اور حضرت فاروقؓ نے ان کو حدیث روایت کرنے کی اجازت دے دی تھی۔  
اعتراض ۲: — اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابو ہریرہؓ کی احادیث کی تردید کرتی تھیں۔

جواب: — یہ غلط ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی تمام احادیث کی تردید کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ جب اُمّ المؤمنین کے سامنے کوئی حدیث روایت کرتے یا ان سے مروی کوئی حدیث اُمّ المؤمنین تک کسی ذریعے سے پہنچتی تو وہ بعض اوقات اس کی تصدیق کرتیں اور بعض دفعہ اس پر استدراک کرتیں

اور اس کی تصحیح / اصلاح کر دیتیں۔ ان کا یہ طرزِ عمل صرف حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ انہوں نے دوسرے متعدد صحابہ (بشمول اکابر صحابہ) کی بعض احادیث پر بھی استدراک کیا ہے۔ اس لیے اس معاملے میں حضرت ابوہریرہؓ کو اعتراض کا ہدف بنانا انصاف سے بعید ہے۔ دراصل بعض مسائل میں صحابہ / صحابیات میں جو اختلاف روایت سے وہ بڑی حد تک اختلافِ فہم پر مبنی ہے۔ اس میں معاذ اللہ کسی بدیہی، خواہشِ نفس یا دروغ بانی کا مطلق کوئی دخل نہیں ہے۔ کوئی سچا مسلمان صحابہ کرامؓ کے بارے میں ایسا تصور بھی دل میں نہیں لاسکتا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اللہ تعالیٰ نے جو فہم و فراست عطا کی تھی اس میں وہ منفرد حیثیت رکھتی ہیں۔ مزید برآں بارگاہِ نبوت میں ان کو جو درجہ تقرب حاصل تھا اور مختلف مسائل کے بارے میں رسول اکرم ﷺ سے ذاتی واقفیت کے جو ذرائع ان کو حاصل تھے، دوسروں کے لیے ناممکن تھے۔ بقول مولانا سید سلیمان ندویؒ "متعدد مسائل ایسے ہیں جن میں صحابہ نے اپنے اجتہاد یا کسی روایت کی بناء پر کوئی مسئلہ بیان کیا اور حضرت عائشہؓ نے اپنی ذاتی واقفیت کی بناء پر اس کو رد کر دیا۔" (سیرۃ عائشہؓ)

یہ درست ہے کہ ائمہ المؤمنینؓ نے بعض روایات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن بالعموم وہ ان کی اصلاح یا تصحیح کر دیتی تھیں اور بعض اوقات وہ کسی روایت کا مفہوم اس مفہوم سے مختلف بیان کرتیں جو راوی حدیث یا دوسروں نے سمجھا ہوتا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں: —

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک دفعہ روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مردہ پر اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ روایت بیان کی گئی تو انہوں نے فرمایا، اللہ ابو عبد الرحمن (حضرت ابن عمرؓ کی کنیت) کو معاف فرمائے، وہ جھوٹ نہیں بولے لیکن یا تو بھول گئے یا غلطی کی۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ اتفاقاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک یہودیہ کے چنانے پر ہوا اس کے رشتہ دار اس پر داویلا کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا، یہ لوگ بد رہے ہیں اور اس پر عذاب ہو رہا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الجنائز)

ایک سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کا گوشت تین دن کے اندر کھالیا کرو۔ حضرت ابوسعید خدریؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ نے اس حکم کو دائمی سمجھا اور اسی کے مطابق فتویٰ صادر کیا۔ حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا:۔

” ہم لوگ قربانی کے گوشت کو نکالنا کر رکھ چھوڑتے تھے، مدینہ میں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا، تین دن کے بعد نہ کھایا کرو۔ یہ حکم قطعی نہ تھا بلکہ آپ یہ چاہتے تھے کہ لوگ اس میں سے کچھ دوسروں کو کھلا دیا کریں۔“

گویا حضرت عائشہؓ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم استحبابی تھا، دائمی نہ تھا اور یہ آپ نے اس لیے دیا تھا کہ ان دنوں قربانی کرنے والے لوگ کم تھے (یعنی کم لوگوں کو قربانی کرنے کی استطاعت تھی) اور آپ چاہتے تھے کہ قربانی کرنے والے ان لوگوں کو بھی قربانی کا گوشت کھلائیں جو قربانی نہیں کر سکے۔ (چنانچہ آج تک حضرت عائشہؓ کے اسی فتوے پر عمل ہوتا ہے) (صحیح بخاری کتاب الاضاحی)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اور کئی دوسرے صحابہ) سے مروی ہے کہ صبح اور عصر کی نمازوں کے بعد کسی قسم کی کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا، اللہ عمرؓ پر رحم کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ فرمایا ہے کہ آفتاب کے غروب اور طلوع کے وقت کو تاک کر نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ (صحیح بخاری و جامع ترمذی باب اوقات الصلوٰۃ و مستند احمد ج ۱ ص ۱۲۴)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر صبح ہو جائے اور نماز وتر قضا ہو گئی ہو تو پھر وتر نہ پڑھے۔

حضرت عائشہ نے سنا تو فرمایا، ابوالدرداء نے صحیح نہیں کہا۔ صبح ہو جاتی تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھ لیتے تھے۔

(مستند احمد ج ۶ ص ۱۳۳)

حضرت ابوسعید خدری نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔

حضرت عائشہ نے غسل جمعہ کو واجب قرار نہیں دیا اور فرمایا: ” لوگ اپنے اپنے گھروں سے اور مدینہ کے باہر کی آبادیوں سے آتے تھے اور گرد و غبار اور پسینہ سے شرابور ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ان میں سے ایک صاحب آپ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا، بہتر ہوتا اگر تم اس دن (یعنی جمعہ کے دن) غسل کر لیا کرتے۔“ (صحیح بخاری)

گویا حضرت عائشہ کے نزدیک غسل جمعہ واجب تو نہیں ہے لیکن اس میں بڑی پاکیزگی اور خیر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن (نماز کے لیے آنے سے پہلے) غسل کرنے کو پسند فرماتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے نئے کپڑے منگوا کر پہنے اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مسلمان جس لباس میں مرتا ہے اسی میں اٹھایا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ نے یہ واقعہ سنا تو فرمایا، اللہ تعالیٰ ابوسعید پر رحمت نازل کرے، لباس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد انسان کے اعمال ہیں، ورنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا توصف ارشاد ہے کہ قیامت کے دن گو  
برہنہ تن، برہنہ سر اور برہنہ پیا اکھیں گے۔

(ابوداؤد کتاب الجنائز، ابن حبان، حاکم، سیوطی، بحوالہ زرکشی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ — رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے دست کا گوشت بہت پسند تھا۔ (صحیحین)

حضرت عائشہ نے یہ روایت سنی تو فرمایا، دست کا گوشت فی نفسہ  
پسند نہ تھا بلکہ بات یہ تھی کہ گوشت بہت کم میسر آتا تھا چونکہ دست کا گوشت  
بہت جلد گل جاتا تھا اس لیے آپ اس کو پسند کرتے تھے۔ (شامل ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں یہ قصہ بیان  
کیا گیا ہے کہ ایک عورت نے ایک بلی باندھ رکھی تھی اور اس کو کھانے پینے  
کے لیے کچھ نہیں دیتی تھی۔ بھوک پیاس کی تاب نہ لا کر وہ بلی مر گئی۔ اس بناء  
پر اس عورت پر عذاب ہوا۔

حضرت ابو ہریرہؓ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے  
تو اُمّ المؤمنین نے ان سے فرمایا، تم ہی ہو جو ایک بلی کے بدلے میں ایک عورت  
کو عذاب دیے جانے کی روایت بیان کرتے ہو۔

انہوں نے عرض کیا، میں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔  
حضرت عائشہ نے فرمایا، اللہ کے نزدیک ایک مؤمن کی ذات اس سے  
بہت بلند ہے کہ ایک بلی کے بدلے میں اس پر عذاب ہو۔ وہ عورت  
اس گناہ کے علاوہ کافرہ بھی تھی۔ اسے ابو ہریرہ! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
سے کوئی بات روایت کرو تو دیکھ لو کہ کیا کہتے ہو یہ۔

(ابوداؤد طیالسی مسند عائشہ)

۱۰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایت  
(باقی مآخذ کے صفحہ پر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بدشگونی تین چیزوں میں ہوتی ہے، عورت میں، گھوڑے میں اور گھر میں۔

لوگوں نے حضرت عائشہؓ کے سامنے اس روایت کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا، یہ صحیح نہیں، ابوہریرہ نے ادھی بات سُنی اور ادھی نہیں سنی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلا فقرہ کہہ چکے تھے کہ ابوہریرہ پہنچے (در اصل) آپ نے یہ فرمایا کہ یہود کہتے ہیں کہ بدشگونی تین چیزوں میں ہے عورت میں، گھوڑے میں اور گھر میں۔ اے

حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کی کہ جس نے نماز وتر نہیں پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں۔ — حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا: —  
” ہم سب نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اور اسے اتیک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سے منع نہیں کیا بلکہ ان کو ہدایت کی کہ روایت کرتے وقت اس کے اسبابِ علل پر بھی غور کر لیا کرو یا یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی اصل (منغز سخن) تک پہنچنے کی کوشش کیا کرو۔ دراصل یہ حضرت عائشہؓ کی عمومی خواہش تھی اور وہ ہر راوی حدیث صحابی سے اس کی توقع کرتی تھیں۔  
اے مولانا سید سلیمان ندوی؟ ”سیرۃ عائشہ“ میں لکھتے ہیں:

” بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان تینوں میں بدشگونی ہوتی ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اگر بدشگونی کوئی چیز ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی۔ یہ بطور واقعہ کے نہیں بلکہ بطور تعلق کے ہے۔“

(سیرۃ عائشہؓ، ص ۱۹، طبع سوم، اعظم گڑھ، ۱۳۴۲ھ / ۱۹۵۳ء)

ہم بھولے نہیں کہ جو یا نچوں وقت کی نمازیں وضو کے ساتھ صحیح وقت پر پورے رکوع و سجود کے ساتھ ادا کرتا رہا اور اس میں کوئی کمی نہیں کی اس نے اللہ سے عہد لے لیا کہ وہ اس پر عذاب نہ کرے گا اور جس نے کمی کی اس نے عہد نہیں لیا۔ اللہ چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے تو عذاب دے۔“ (طبرانی فی الاوسط)

ادپر کی مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی بعض روایات پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے استدراک یا ان کی تشریح و توضیح کی کیا نوعیت اور کیفیت تھی۔ اس کی بنا پر یہ کہنا کہ اُمّ المؤمنینؓ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی (تمام) روایات کو رد کر دیا کرتی تھیں، حقیقت سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔

اعتراض ۳: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی تکذیب کی ہے۔

جواب: اس اعتراض کی بنیاد ایک ضعیف اور مشکوک روایت پر رکھی گئی ہے۔ روایت یہ ہے:

”سائب بن یزید کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عثمانؓ نے ابوہریرہؓ کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ امیر المؤمنین عثمانؓ کہتے ہیں کہ یہ تم نے روایت کی حدیث کا کیا سلسلہ شروع کر رکھا ہے؟ تم حد اعتدال سے آگے بڑھ گئے ہو اس طرز عمل کو ترک کر دو ورنہ میں تمہیں قبیلہ دوس کی پہاڑیوں تک پہنچا کر چھوڑوں گا۔“

سائب کہتے ہیں کہ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے مجھے کعب الاحبار کی طرف بھیجا کہ اس سے کہو مجھے امیر المؤمنین عثمانؓ نے تمہاری طرف یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تم نے روایت حدیث کا یہ کیا سلسلہ جاری کر رکھا ہے کہ ساری دنیا کو حدیثوں سے بھر دیتا ہے۔“

اس سے باز آ جاؤ ورنہ میں تمہیں بندروں والے پہاڑوں تک پہنچا کر چھوڑوں گا۔“  
(المحدث الفاضل ص ۱۳۳)

”البدایہ والنہایہ“ میں حضرت سائبؓ کی ایسی ہی روایت میں حضرت عثمانؓ کی جگہ حضرت عمرؓ فاروقؓ کا نام لیا گیا ہے اسی لیے اس کی صحت مشکوک ہے۔ سند کے اعتبار سے بھی (جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے) یہ روایت ضعیف ہے۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ”تاویل مختلف الحدیث“ میں یہ روایت نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کی ہے۔ روایت کی رو سے بھی یہ روایت ناقابل اعتبار معلوم ہوتی ہے کیونکہ سیدنا حضرت عثمانؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے باہمی تعلقات ہمیشہ بہت خوشگوار رہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقع پر حضرت ابو ہریرہؓ نے جس طرح ان کے دفاع میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔

علامہ محمد عجاج الخطیب اپنی کتاب ”حضرت ابو ہریرہؓ“ میں لکھتے ہیں:  
”اگر اس روایت کی صحت کو فرض بھی کر لیا جائے تو اس میں حضرت ابو ہریرہؓ کو مطعون نہیں کیا گیا۔ حضرت عثمانؓ نے ابو ہریرہؓ کو صرف کثرت حدیث سے منع کیا ہے خصوصاً جب کہ کثرت کی ضرورت بھی نہ ہو۔“

اعتراض ۴: — حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو جھوٹا قرار دیا۔

جواب: — معترضین نے اعتراض کی تائید میں ابو جعفر اسکانی کی یہ روایت پیش کی ہے۔

”جب حضرت علیؓ کو ابو ہریرہؓ کی کثرت روایت کا پتہ چلا تو انہوں نے کہا کہ سب لوگوں یا سب زندوں میں بڑا جھوٹا ابو ہریرہؓ دوسری ہے۔“ (شرح نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۴۶۹)



یہ روایت ضعیف اور مردود ہے کیونکہ محدثین نے اس کے راوی ابو جعفر اسکا کو بدعتی اور بدعت کی دعوت دینے والا قرار دیا ہے نیز یہ کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں حضرت علیؓ کے ایک دو اور اقوال بھی نقل کیے جاتے ہیں لیکن یہ سب نظام معتزلی کے ذہن کی اختراع ہیں اور اباب جرح و تعدیل نے ان کو رد کر دیا ہے۔

اعتراض ۵ — حضرت ابن عمرؓ نے الزام لگایا کہ حضرت ابو ہریرہؓ حدیث میں اپنی طرف سے بعض الفاظ کا اضافہ کر دیتے ہیں۔

جواب: — اس الزام کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے موشیوں کی رکھوالی یا شکار کی خاطر کتا پالنے کے علاوہ کوئی اور کتا پالا ہو تو اس کے نیک عمل کے ثواب میں روزانہ دو قیراط کی کمی ہوتی رہے گی۔“

جب حضرت ابن عمرؓ کو بتایا گیا کہ ابو ہریرہؓ تو اس حدیث میں اس کتے کا بھی اضافہ کرتے ہیں (یعنی اس کتے کو بھی مستثنیٰ قرار دیتے ہیں) جو کھیتی کی حفاظت کے لیے رکھا گیا ہو، تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا، اللہ ابو ہریرہؓ پر رحم کرے وہ صاحبِ زرع (کھیتی کے مالک، زمیندار یا کسان) تھے۔  
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۱)

مقرضین نے حضرت ابن عمرؓ کے قول سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنی ذاتی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے حدیث میں کھیتی کی حفاظت کرنے والے کتے کا اضافہ کر دیا۔ علماء سلف نے لکھا ہے کہ ابن عمرؓ کے قول سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بالکل غلط اور دور از کار بات ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کو حدیث کے یہ الفاظ یاد نہ رہے اور حضرت ابو ہریرہؓ چونکہ صاحبِ زرع تھے اس لیے ان کو یہ (تیسری قسم کے کتے کے استثناء کے بارے میں) الفاظ یاد رہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: —

” علماء کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے ابوہریرہ کی روایت پر شک نہیں کیا بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ ابوہریرہ صاحبِ ذرع تھے اس لیے ان کو یہ بات اچھی طرح یاد رہی۔ (نوی علی المسلم ج ۲ ص ۲۰۰)

ابن عساکر نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے (ابوہریرہ از محمد عجاج الخطیب) پھر یہ روایت صرف حضرت ابوہریرہؓ سے مروی نہیں بلکہ حضرت عبدالقادر بن مغفل اور سفیان بن ابی زہیر نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ایک اور حدیث میں تیسری قسم کے کتے کا ذکر بھی آیا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۹)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ کے مداح تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کے بارے میں ان کی رائے ہم ”حضرت ابوہریرہؓ کا مقام و مرتبہ“ کے زیر عنوان نقل کر چکے ہیں۔

اعتراض ۶: — حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابوہریرہؓ کی روایتوں سے اختلاف کرتے تھے۔

جواب: — یہ بالکل غلط اور من گھڑت بات ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کو حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایتوں سے مجموعی طور پر اختلاف تھا۔ اس کے برعکس بارہا ایسا ہوا کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایتوں کی تصدیق کی۔

حضرت طاؤسؓ (تابعی) نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے گناہِ صغیرہ میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو ابوہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے بیان نہ کی ہو۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۲)

بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کے آپس میں دوستانہ تعلقات تھے۔ کئی بار حضرت ابوہریرہؓ نے

حضرت ابن عباسؓ کی موجودگی میں فتویٰ دیا اور انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ باقی رہا بعض روایات میں ان کا حضرت ابو ہریرہؓ سے اختلاف تو ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں صحابہ نے ایک دوسرے کی رائے یا روایت سے اختلاف کیا ہے۔ اس اختلاف کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ایک دوسرے کی تکذیب کرتے تھے۔ اس کے کئی اسباب تھے جن پر محدثین نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور پھر جس روایت کو راجح قرار دیا ہے اس کے دلائل بھی دیئے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی جن چند ایک روایات سے (بقول معترضین) حضرت ابن عباسؓ سے اختلاف کیا ان میں یہ روایت بڑے زور شور سے پیش کی جاتی ہے کہ — ”جو شخص جنازہ اٹھائے اس کو چاہیے کہ اس کے بعد دوبارہ وضو کرے“ حضرت ابن عباسؓ نے اس روایت کو قبول نہیں کیا اور فرمایا خشک لکڑیوں (یعنی میت کی چارپائی) کو اٹھانے سے وضو کرنا لازم نہیں آتا۔ جامع ترمذی میں یہ حدیث ان الفاظ میں مروی ہے؛

”جو شخص میت کو غسل دے وہ غسل کرے اور جو اسے اٹھائے وہ وضو کرے“  
(ترمذی جلد ۱ ص ۱۵۰)

امام بیہقی فرماتے ہیں: —

”اس باب میں ابو ہریرہؓ سے جس قدر روایا بھی منقول ہیں سب ضعیف ہیں اس لیے کہ ان کے بعض راوی ضعیف اور بعض مجہول ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں بلکہ موقوف روایت اور ابو ہریرہؓ کا قول ہے اگر اس روایت کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ابو ہریرہؓ کی ذاتی رائے ہے

لہ حضرت ابو ہریرہؓ سے منسوب اس روایت یا فتویٰ پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا استدراک بھی ان الفاظ میں منقول ہے — ”کیا مسلمان مردہ بھی ناپاک ہوتا ہے؟ اور اگر کوئی لکڑی اٹھائے تو اس کو کیا ہوتا ہے۔“ (عین الامارہ بیوطی بحوالہ ابو منصور بغدادی)

لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹی بات منسوب کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ صحابہ کرام نے حضرت ابو ہریرہؓ کی تکذیب کی تھی۔

(ابو ہریرہؓ از محمد عجاج الخطیب بحوالہ الاجابۃ الایراد ص ۱۳۶-۱۳۷)

یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کو ”حدیث حسن“ قرار دیا ہے اور ابن القیمؒ نے ”تہذیب السنن“ میں اس حدیث کو گیارہ طریقوں سے نقل کرنے کے بعد اسے حدیث محفوظ قرار دیا ہے۔ جہاں تک میت کو غسل دینے کے بعد غسل کے غسل کرنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں کئی دوسرے صحابہ سے بھی مروی احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں۔ ان میں حضرت علیؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ شامل ہیں۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزوں کے لیے غسل کرنے کی ہدایت فرمائی، جنابت، حجامت اور مردے کو غسل دینے کے بعد اور جمعہ کے دن۔“ (ابو داؤد جلد ۲ ص ۹۷)

ان حقائق کے پیش نظر حضرت ابو ہریرہؓ پر زبان طعن دراز کرنے کا کیا جواز ہے؟ اعتراض ۷: — حواری رسولؐ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو کاذب کہا۔

جواب: — معترضین نے اپنے اعتراض کی بنیاد ”البدایہ والنہایہ“ کی ایک روایت کے ان الفاظ پر رکھی ہے:

”حضرت زبیرؓ نے ابو ہریرہؓ کی روایات سنیں تو فرمایا، صدق کذب“

معترضین نے اپنے اعتراض میں وزن پیدا کرنے کے لیے پوری روایت نقل نہیں کی جو اس طرح ہے:

”عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ میرے والد زبیرؓ نے کہا، بیٹے!

مجھے اس مبنی شخص (ابو ہریرہؓ) کے پاس لے چلو جو کثرت سے حدیثیں روایت کرتا ہے۔ چنانچہ میں ان کو ابو ہریرہ کے پاس لے گیا۔ ابو ہریرہ حسب معمول حدیث بیان کرنے لگے۔ زبیرؓ انہیں سن سن کر صدق و کذب کہتے رہے۔ میں نے والد سے پوچھا، آبا جان سچ بھی اور جھوٹ بھی اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ انہوں نے جواب دیا، اسے بیٹے (سچ کا مطلب یہ ہے کہ) اس میں کوئی شک نہیں کہ اس (ابو ہریرہ) نے یہ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں اور (جھوٹ کا مطلب یہ ہے کہ) سننے کے بعد بعض حدیثوں کو بروقت اور بعض کو بے موقع روایت کیا۔“

(اللبایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۰۹)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں محمد بن سلمہ راوی ہے۔ یہ شخص متروک اور ضعیف ہے (اس لیے اس روایت کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا) (الإصابہ جلد ۷ ص ۲۰۵)

”صاحب الإصابہ“ کی اس تحقیق کے پیش نظر اس اعتراض کی بنیاد ہی ٹھس جاتی ہے۔

اگر اس روایت کو کسی درجے میں درست بھی فرض کر لیا جائے تو یہ حقیقت بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ اس میں حضرت زبیرؓ نے تصدیق کی کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے جو حدیثیں بیان کیں وہ انہوں نے فی الواقع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں (تکذیب تو اس وقت ہوتی جب انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کے

لے ”صاحب الإصابہ“ کہتے ہیں کہ محمد بن سلمہ نام کے چار راوی ہیں۔ محمد بن سلمہ بن قریبہ بغدادی، محمد بن سلمہ بن کہیل، محمد بن سلمہ البنانی، محمد بن سلمہ بن فرقد۔ یہ چاروں متروک اور ضعیف ہیں۔ اگر ان کے علاوہ کسی اور محمد بن سلمہ نے یہ روایت کی ہے تو وہ مجہول ہے۔

سماع حدیث سے انکار کیا ہوتا)۔ ان کے کذب کہنے کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے حدیث بے محل بیان کی اور (لوں کر کے) انہوں نے غلطی کی۔ (یہ نہیں کہ انہوں نے دروغ گوئی کی)۔ اس کی دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ بعض آیات کا جو مضموم حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا، حضرت زبیرؓ کو اس سے اتفاق نہیں تھا اور اس کا تعلق اجتہادی مسائل سے تھا۔ ایسے اختلاف کو تکذیب نہیں کہا جاسکتا۔

اعتراض ۸: — حضرت ابو ہریرہؓ کی کثرتِ روایت کا سبب یہ ہے کہ ان کے نزدیک جب کوئی روایت حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کرتی تو ایسی روایات بنانے میں کوئی حرج نہیں۔

جواب: — یہ اعتراض محض یا وہ کوئی اور اس کی حیثیت تہمت طرازی سے زیادہ نہیں۔ معترضین اس کی تائید میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ دو روایتیں منسوب کرتے ہیں۔ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہیں کرتے ہو تو معنی سمجھ جانے کے بعد روایت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (طبرانی) (۲) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا، جس نے کوئی حدیث اشکِ رضا کے لیے بیان کی تو وہ میری کہی ہوئی ہے اگرچہ میں نے وہ نہ کہی ہو۔ (ابن عساکر) ان دونوں روایتوں کی حقیقت یہ ہے کہ پہلی روایت حضرت ابو ہریرہؓ کے نام سے مروی نہیں ہے محض قیاس کر لیا گیا ہے کہ اس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔ پوری روایت یہ ہے: —

و یعقوب بن عبد اللہ بن سلیمان بن اکیمة اللیثی اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتا ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم نے کہا، یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، ہم آپ سے حدیث سنتے ہیں پھر اس طرح سننے کی طاقت نہیں رکھتے۔

آپ نے فرمایا جب تم کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کرتے تو معنی سمجھ جانے کے بعد روایت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

استاد عبد الرحمن المعلمی الیمانی اپنی کتاب "انوار الکاشفة" میں لکھتے ہیں کہ اس روایت کے سلسلہٴ اسناد میں یعقوب اور اس کا باپ ادا مجہول ہیں لہذا یہ روایت ثابت نہیں۔

تاہم اگر اس روایت کو درست بھی فرض کر لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے روایت بالمعنی کی مشروط اجازت دی، یہ نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی حدیث بنا کر پیش کریں۔

جہاں تک دوسری روایت کا تعلق ہے تو ابن عساکر نے اس روایت کی سند بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ روایت بختری بن عبید نے اپنے باپ سے اور اس نے حضرت ابوہریرہ سے سنی اور بختری بن عبید جھوٹا آدمی ہے اور اس کا باپ بھی مجہول ہے۔ (انوار الکاشفہ ص ۱۵۴) گویا یہ روایت بھی مردود ہے۔ یہ کتنی شرمناک جسامت ہے کہ ایسی روایات کی بناء پر حضرت ابوہریرہؓ کو مطعون کیا جائے۔

سطور بالا میں ہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین کے بڑے بڑے اعتراضات کا ابطال اختصار کے ساتھ کر دیا ہے۔ علماء حق نے اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ان کا ابطال کیا ہے۔ ان میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

- (۱) فتح الباری — حافظ ابن حجر عسقلانی
- (۲) البدایہ والنہایہ — حافظ ابن کثیر
- (۳) دفاع عن ابی ہریرہؓ — عبدالمنعم صالح العلی
- (۴) انوار الکاشفہ — استاد عبدالرحمن مکملی ایمانی
- (۵) ابوہریرہ فی المیزان — استاد محمد السامحی
- (۶) المنہج الحدیث — استاد محمد السامحی
- (۷) ظلمات ابی ریحہ — استاد محمد عبدالرزاق حمزہ
- (۸) حضرت ابوہریرہؓ — علامہ محمد عجاج الخطیب
- (۹) دفاع ابی ہریرہؓ — مولانا مفتی غلام الرحمن

علاوہ ازیں کتب حدیث کی شرح میں بھی حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات پر اعتراضات کا بہت کچھ جواب مل جاتا ہے۔



# صحیحین سے منتخب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی

ایک سو مرویات





## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(۱)

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ شوہر دیدہ عورت (یعنی بیوہ یا مطلقہ) کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے دریافت نہ کر لیا جائے۔ اور باکرہ (کنواری) لڑکی کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس کی اجازت کا طریقہ کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ (دریافت کرنے پر) اس کا خاموش ہو جانا (اس کی اجازت سمجھا جائے گا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲)

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اس ولیمہ کا کھانا برا کھانا ہے جس میں صرف امیروں کو بلایا جائے اور فقراء (غریبوں، حاجت مندوں) کو چھوڑ دیا جائے۔ اور جس نے دعوت کو (بلا عذر شرعی) قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳)

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جو کوئی صاحب ایمان بندہ و دخت کا پودا لگائے یا کاشت کرے پھر اس میں سے پرندے کھائیں یا آدمی یا کوئی جانور کھائے تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴)

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے کارندوں سے کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص تنگ دست ہو تو اس سے درگزر کیا کرو، شاید (اس کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے۔

جب وہ فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے درگزر فرمایا۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی لوگوں سے (قرض اُدھار) مال لے اور اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے ادا کرا دے گا۔ (یعنی ادائیگی میں اس کی مدد فرمائے گا) اور جو کوئی کسی سے قرض اُدھا لے اور اس کا ارادہ ہی اس کو مار لینے کا ہو (یعنی واپس کرنے کی نیت نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ اس کو تلف کرا دے گا (یعنی دنیا میں بھی وہ نقصان اٹھائے گا اور آخرت میں بھی)۔  
(صحیح بخاری)

(۶)

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اپنے قرض کا سختی سے تقاضا کرنے لگا۔ آپ کے صحابہؓ نے اس کو پکڑنا چاہا۔ آپ نے فرمایا جلنے دو، اسے چھوڑ دو کیونکہ جس کو حق لینا ہو اس کو کہنے سننے کا حق ہے۔ پھر فرمایا، اس کو اس کے اونٹ کے بدلے میں ویسا ہی اونٹ دے دو (آپ نے اس سے ایک اونٹ لیا تھا) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ویسا اونٹ تو اس وقت ملتا نہیں ہاں اس سے بہتر اونٹ موجود ہے۔ آپ نے فرمایا، وہی دے دو کیونکہ اچھا آدمی وہ ہے جو قرض کی ادائیگی میں بھی احسان کرتا ہے۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات مہلک اور تباہ کردینے والے گناہوں سے بچو۔  
صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! وہ کون سے سات گناہ ہیں؟  
آپ نے فرمایا: \_\_\_\_\_

! اللہ کے ساتھ (اس کی عبادت یا صفات یا افعال میں) کسی کو شریک کرنا۔

اور جادو کرنا

اور کسی آدمی کو ناحق قتل کرنا۔

اور سود کھانا

اور تمیم کا مال کھانا

اور جہاد میں شکرِ اسلام کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جانا۔

اور پاک دامن بھولی بھالی خواتین پر بدکاری کی تہمت لگانا

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۸)  
رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے (جو ایک دکاندار کا تھا) آپ نے اپنا ہاتھ اس غلے کے ڈھیر کے اندر داخل کر دیا تو آپ کی انگلیوں نے نمی محسوس کی۔ آپ نے اس غلہ فروش دکاندار سے فرمایا:  
تمہارے (ڈھیر کے اندر) یہ تری اور نمی کیسی ہے؟

اس نے عرض کیا: —

”یا رسول اللہ بغلے پر بارش کی بوندیں پڑ گئی تھیں۔“

آپ نے فرمایا: —

”اس بھیگے ہوئے غلے کو تم نے ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رہنے دیا تاکہ خریدنے والے لوگ اس کو دیکھ سکتے۔ (سن لو) جو آدمی دھوکے باز کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (صحیح مسلم)

(۹)

ایک شخص نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے پوچھا کہ مجھ پر خدمت اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، تمہاری ماں کا۔ میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں کا، میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں کا۔ اس

کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے۔ اس کے بعد جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، غبار آلود ہوناک اس کی، غبار آلود ہوناک اس کی، غبار آلود ہوناک اس کی (یعنی وہ آدمی ذلیل ہو، خوار ہو، سوا ہو) عرض کیا گیا، یا رسول اللہ کون؟ آپ نے فرمایا، وہ بدنصیب، جو ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک ہی کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر (ان کی خدمت اور ان کا دل خوش کر کے) جنت حاصل نہ کر لے۔  
(صحیح مسلم)

(۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن) ارشاد فرمایا کہ:  
اللہ کی قسم وہ شخص صاحب ایمان نہیں،  
اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں۔ اللہ کی قسم اس شخص میں ایمان نہیں۔  
عرض کیا گیا، یا رسول اللہ کون شخص؟ آپ نے ارشاد فرمایا، وہ آدمی جس کے پیڑوسی اس کی شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں سے مامون اور بے خوف نہ ہوں۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرزند آدم سے فرمائے گا کہ "اے ابن آدم میں بیمار پڑا تھا تو نے میری خبر نہیں لی،" بندہ عرض کرے گا، اے میرے رب میں کیسے تیری بیمار پیڑوسی کر سکتا تھا۔ تو تو رب العالمین ہے (یعنی بیماری کا تجھ سے کیا واسطہ)  
اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تجھے علم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلان بندہ بیمار پڑا تھا، تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ کیا تو نہیں جانتا تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کے لیے جاتا تو مجھے اس کے پاس ہی پاتا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے

کھانا مانگا تھا تو نے مجھے نہیں کھلایا؟ بندہ عرض کرے گا، اے میرے رب میں تجھے کیسے کھلا سکتا تھا (تجھے کھانے کی کیا حاجت) تو تو رَبُّ الْعَالَمِينَ ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اس کو کھانا نہیں دیا۔ کیا تجھے علم نہیں ہے کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اس کو میرے پاس پالیتا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے پینے کے لیے پانی مانگا تھا تو نے مجھے نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا، اے میرے رب! میں تجھے پانی کیسے پلاتا تو تو رَبُّ الْعَالَمِينَ ہے (تجھے پانی کی کیا حاجت) اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے فلاں بندے نے تجھ سے پینے کے لیے پانی مانگا تھا تو نے اس کو نہیں پلایا، سن! اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پالیتا۔ (صحیح مسلم)

(۱۳)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لیے کھانا تیار کرے پھر وہ اس کے پاس لے آئے اور اس نے اس کے پکانے اور بنانے میں گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے تو آقا کو چاہیے کہ کھانا تیار کرنے والے اس خادم کو بھی اپنے ساتھ بٹھائے اور وہ بھی کھائے پس اگر (کبھی) وہ کھانا تھوڑا ہو (جو دونوں کے لیے کافی نہ ہو سکے) تو آقا کو چاہیے کہ اس کھانے میں سے ایک دو لقمے ہی اس خادم کو دے دے۔ (صحیح مسلم)

(۱۴)

میں (ابو ہریرہ) نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے سنا کہ:-  
قیامت کے دن سب سے پہلے ایک ایسے شخص کے پاس میں (بارگاہِ الہی سے) فیصلہ صادر کیا جائے گا جس نے (بظاہر راہِ حق میں) شہادت پائی ہوگی (جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا تو) اللہ تعالیٰ اسے اپنی سب نعمتیں یاد دلائے گا وہ ان نعمتوں کے ملنے کا اعتراف کرے گا۔ تب اللہ تعالیٰ

اس سے پوچھے گا کہ تو نے میری نعمتیں پا کر کیا کام کیے؟ وہ عرض کرے گا، میں تیری رضا کی خاطر (دین کے دشمنوں کے خلاف) لڑا یہاں تک کہ اپنی جان دے دی۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، تو نے جھوٹ بولا، (فی الحقیقت) تو نے اس لیے جنگ کی کہ لوگ تجھے بہادر کہیں، سو لوگوں میں تو ایسا ہی مشہور ہو گیا (یعنی دنیا میں تجھے اس کا صلہ مل گیا)۔

پھر حکم ہوگا (فرشتوں کو) کہ اس کو منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ۔ اور (دوزخ کی) آگ میں ڈال دو۔ پس اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر ایک دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیا جائے گا جو دین کا علم معلم اور قرآن کا قاری ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلانے کا اور وہ ان کو تسلیم کرے گا۔

تب اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا، یہ نعمتیں پا کر تو نے کیا عمل کیے؟ وہ عرض کرے گا، الہی میں نے تیری خاطر (تیرے دین کا) علم سیکھا اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی اور تیری خاطر قرآن پڑھا۔

اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، تو نے جھوٹ بولا، تو نے اس لیے علم حاصل کیا (اور دوسروں کو سکھایا) کہ لوگ تجھے عالم کہیں اور قرآن تو نے اس لیے پڑھا کہ لوگ تجھے قاری کہیں۔ سو لوگوں نے تجھے ایسا ہی کہا (یعنی دنیا ہی میں تو نے اس کا صلہ پایا)۔

پھر حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ اور حوالہ مار کر دو۔ چنانچہ اسے (جہنم کی) آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

اور تیسرا آدمی وہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں وسعتِ رزق سے نوازا تھا اور ہر قسم کا مال عطا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی اپنی سب نعمتیں یاد دلانے کا اور وہ انہیں تسلیم کرے گا۔

تب اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا، یہ نعمتیں پانے کے بعد تو نے کیا کیا؟

وہ عرض کرے گا، جن جن راستوں میں خرچ کرنا تیری خوشنودی کا باعث تھا ان سب راستوں میں تیری خاطر میں نے خرچ کیا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو نے غلط بیانی کی، تو نے یہ مال اس لیے خرچ کیا کہ لوگ تجھے سخی کہیں سو یہ لقب دنیا میں تجھے مل گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اسے منہ کے بل گھیٹتے ہوئے لے جاؤ اور آگ میں ڈال دو۔ چنانچہ اسے لے جا کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

(۱۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: — ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (لہذا) نہ خود اس پر ظلم کرے اور نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لیے اس کو بے یار و مددگار چھوڑے، نہ اس کی تحقیر کرے — اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک کی طرف تین مرتبہ اشارہ کر کے فرمایا، ”تقویٰ یہاں ہوتا ہے“ کسی آدمی کے لیے یہی بُرائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔ ایک مسلمان کے لیے حرام ہے دوسرے مسلمان کا خون، مال اور آبرو۔ (صحیح مسلم)

(۱۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: — ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں — سلام کا جواب دینا۔ بیمار کی عیادت کرنا۔ جنازے کے ساتھ جانا۔ دعوت قبول کرنا۔ چھینک آنے پر یُرحمُکَ اللہ کہہ کر اس کے لیے دعائے رحمت کرنا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بد چلن عورت کی اسی عمل پر منقرت ہو گئی کہ وہ ایک کتے کے پاس سے گزری جو ایک کنوئیں کے پاس اس حال میں تھا کہ اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور وہ ہانپ رہا تھا اور قریب تھا کہ

پیاس سے مر جائے۔

اس عورت نے پاؤں سے اپنے چمڑے کا موزہ اتارا، پھر اپنی اورھنی میں اس کو باندھا اور اس پیاس سے کتے کے بیٹھے رکھوئیں سے) پانی نکال کر اس کو پلایا۔ تو اسی بات پر اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریا کیا گیا، کیا جانوروں کے (کھلانے پلانے) میں بھی اجر ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، بے شک ہر زندہ جانور کے کھلانے پلانے میں اجر ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(صحیحین میں حضرت ابوہریرہ سے مروی اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی ہے لیکن اس میں بدلچن عورت کے بجائے ایک آدمی (رجُل) کا ذکر ہے)

(۱۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ظالم عورت کو ایک بلی کو (بے رحمی سے) مار ڈالنے کے جرم میں عذاب دیا گیا ہے۔ اس نے اس بلی کو بند کر لیا پھر نہ تو خود اس کو کچھ کھانے کے لیے دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑوں مکوڑوں سے اپنا پیٹ بھر لیتی (اس طرح اس کو بھوکا پیاسا ترپا ترپا کر مار ڈالا پس اسی جرم میں وہ عذاب میں ڈالی گئی ہے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم لوگ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک تم ایمان نہ لاؤ اور تم ہرگز ایمان نہیں لا سکتے جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو اور لوگوں میں تم کو آگاہ نہ کر دوں ایک ایسی بات سے کہ اگر تم وہ کر دو آپس میں محبت پیدا ہوگی۔ سو وہ یہ ہے کہ آپس میں بہت سلام کیا کرو (صحیح مسلم)

(۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوٹا بڑے کو سلام کیا کرے اور راستہ



سے گزرنے اور چلنے والا بیٹھے ہوؤں کو سلام کیا کرے اور تھوڑے آدمی زیادہ  
آدمیوں کی جماعت کو سلام کیا کریں۔ (صحیح بخاری)

(۲۱)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی جگہ سے (کسی ضرورت  
کی بنا پر) اٹھا اور پھر واپس آگیا تو اس جگہ کا وہی شخص زیادہ حقدار ہے۔

(صحیح مسلم)

(۲۲)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو پہلے دلہنے  
پاؤں میں پہنے اور جب اتارنے لگے تو پہلے بائیں پاؤں سے اتارے گویا داہنا پاؤں  
جوتا پہننے میں مقدم اور اتارنے میں مؤخر ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۳)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ تم دوسروں کے بارے میں بدگمانی  
سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ  
رہا کرو اور جا سوسوں کی طرح خفیہ طور پر کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش  
بھی نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس کرو، نہ آپس میں حسد  
کرو، نہ بغض و کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو بلکہ اے اللہ کے  
بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۴)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں  
ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا قائل ہونا یعنی توحید  
کی شہادت دینا ہے اور ان میں سے ادنیٰ درجے کی شاخ اذیت اور تکلیف دینے  
والی چیزوں کا راستے سے ہٹانا ہے اور حیا ایما کی ایک اہم شاخ ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۵)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، نہیں زنا کرتا کوئی زنا کار جس وقت وہ زنا کرتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں چوری کرتا کوئی چور جبکہ وہ چوری کرتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں شراب پیتا کوئی شرابی جبکہ وہ شراب پیتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں لوٹتا لوٹ کا کوئی مال کہ لوگ اس کی طرف آنکھیں اٹھا اٹھا کر اس کی لوٹ مار کو دیکھتے ہوں جبکہ وہ لوٹتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں خیانت کرتا خیانت کرنے والا جبکہ وہ خیانت کرتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو۔ پس (ان خلاف ایمان باتوں سے) آپے کو بچاؤ بچاؤ۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۶)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری شفاعت سے وہی بہرہ مند ہوں گے جنہوں نے خلوص قلب سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہو۔  
(صحیح بخاری)

(۲۷)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔  
(صحیح مسلم)

(۲۸)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ: — بندہ کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ اس کے مال میں سے جو واقعی اس کا ہے وہ بس تین چیزیں ہیں ایک وہ جو اس نے کھا کے ختم کر دیا، دوسرے وہ جو پہن کر پرانا کر ڈالا اور تیسرے وہ جو اس نے الشک راہ میں دے دیا اور اپنی آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا اور ان کے سوا جو کچھ ہے وہ بندہ دوسروں کے لیے چھوڑ جانے والا ہے اور خود یہاں سے ایک دن رخصت ہو جانے والا ہے۔  
(صحیح مسلم)

(۲۹)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ بہت سے پرگندہ بالوں والے گردوغبار میں اٹے ہوئے جن کو دروازوں پر دھکے دیئے جائیں (اللہ کے نزدیک ان کا یہ مرتبہ ہوتا ہے کہ) اگر اللہ پر قسم کھا جائیں تو ان کی قسم کو اللہ ضرور پورا کرے گا۔  
(صحیح مسلم)

(۳۰)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:۔ جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو مال و دولت اور شکل و صورت میں اس سے بڑھ کر ہو (اور اس کی وجہ سے اس کے دل میں طمع اور حسد پیدا ہو) تو اس کو چاہیے کہ وہ کسی ایسے بندہ کو دیکھے جو ان چیزوں میں اس سے کمتر ہو (تاکہ بجائے طمع اور حسد کے شکر اور صبر پیدا ہو)۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳۱)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ارشاد ہے کہ تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے ان کو عطا فرماتا رہے گا)۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳۲)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو میری خوشی یہی ہوگی کہ مجھ پر تین راتیں بھی ایسی گزریں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی ہو سوائے اس کے کہ قرض کی ادائیگی کے لیے اس میں سے کچھ روک لوں۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳۳)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ:۔ اللہ کا جو بندہ بے شوہر والی

اور بے سہارا کسی عودت اور کسی مسکین حاجت مند آدمی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہو وہ اجر و ثواب میں اس مجاہد بندے کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرتا ہو۔۔۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس قائم القیل بندہ کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳۴)

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک شخص اپنے ایک بھائی سے، جو دوسری ایک بستی میں رہتا تھا ملاقات کے لیے چلا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو منتظر بنا کر بٹھا دیا۔ (جب وہ شخص اس کے پاس سے گزرا) تو فرشتے نے اس سے پوچھا، تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا، میں اس بستی کے رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا، کیا اس پر تمہارا کوئی احسان ہے اور کوئی سچی نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے جا رہے ہو۔

اس بندے نے کہا، نہیں میرے جانے کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے لیے مجھے اس بھائی سے محبت ہے۔ فرشتے نے کہا، میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس یہ بتانے کے لیے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے جیسا کہ تم اللہ کے لیے اس بندے سے محبت کرتے ہو۔  
(صحیح مسلم)

(۳۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے آپس میں اُلفت اور محبت رکھتے تھے؟ آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے میں اپنے بندوں کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ (صحیح مسلم)

(۳۶)

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا (یا رسول اللہ!) مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، غصہ مت کیا کرو۔ اس شخص نے پھر اپنی وہی بات کئی بار دہرائی۔ آپ نے اس کے جواب میں ہر بار یہی فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو۔  
(صحیح بخاری)

(۳۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: — پہلوان اور طاقت ور وہ نہیں ہے جو مد مقابل کو سچھاڑ دے بلکہ پہلوان اور شہ زور حقیقت میں وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھی اور عیسیٰ بات بھی ایک صدقہ ہے۔ (یعنی نیکی کا کام ہے جس پر بندہ اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے)  
(صحیح بخاری)

(۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم قیامت کے دن سب سے بُرے حال میں اس آدمی کو پاؤ گے جو دو زخا ہو گا کہ کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رُخ اور ہوتا ہے اور دوسروں کے پاس جاتا ہے تو اور (یعنی جس کے پاس جاتا ہے اس کی مرضی کے مطابق بات کرتا ہے)۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا:۔ کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، آپ نے فرمایا، تمہارا اپنے کسی بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جس سے اس کو ناگواری ہو (بس یہی غیبت ہے) ایک صاحب نے عرض کیا، اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی

برائی بیان کروں جو واقعی اس میں موجود ہو (تو کیا یہ بھی غیبت ہے؟)  
 آپ نے فرمایا، غیبت جب ہی ہوگی جبکہ وہ برائی اس میں موجود ہو اور اگر  
 وہ برائی اس میں موجود ہی نہیں تو پھر تو یہ بہتان ہوا (اور یہ غیبت سے بھی  
 بڑا گناہ ہے۔) (صحیح مسلم)

(۴۱)  
 رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ آدمی کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے  
 کہ جو کچھ سُنے اسے (بلا تحقیق) بیان کرتا پھرے۔ (صحیح مسلم)

(۴۲)  
 رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: — منافق کی تین نشانیاں  
 ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے اور  
 جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔  
 (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴۳)  
 رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ دولت مندی زیادہ مال و دولت  
 کا نام نہیں بلکہ دولت مندی تو دل کی دولت مندی (بے نیازی) ہے۔  
 (صحیح بخاری)

(۴۴)  
 رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں  
 کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔  
 (صحیح مسلم)

(۴۵)  
 رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں شرک اور  
 شرکت سے — سب سے زیادہ بے نیاز ہوں۔ پس جو شخص کوئی عمل (عبادت وغیرہ)

کرے جس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرے تو میں اس کو اور اس کے  
شُرک دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس سے بیزار  
اور بے تعلق ہوں کیونکہ وہ عمل (میرے لیے نہیں بلکہ) صرف اس دوسرے  
کے لیے ہے جس کے لیے اس نے کیا۔ (صحیح مسلم)

(۴۶)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جب نماز (جماعت) کھڑی ہو  
جائے تو تم لوگ دوڑ کر نہ آیا کرو بلکہ (عام رفتار سے) چل کر آیا کرو، اور دو  
سیکنت کو لازم پکڑو۔ جو حصہ نماز (جماعت) کا پالو وہ امام کے ساتھ پڑھ لو  
اور جو چھوٹ جائے وہ بعد میں پورا کر لو۔ (صحیح بخاری)

(۴۷)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین شخص ایسے  
ہیں کہ میں خصوصیت سے قیامت کے دن ان کو سزا دوں گا۔ ایک وہ جو میرے نام  
کا واسطہ دے کر کسی سے معاہدہ کرے اور پھر بد عہدی کرے۔ دوسرا وہ جو کسی  
آزاد کو غلام بنا کر فروخت کرے اور اس کی قیمت لے۔ تیسرے اس کو جو کسی  
مزدور کو مزدوری پر لگائے پھر کام تو اس سے پورا لے مگر مزدوری نہ دے۔  
(صحیح بخاری)

(۴۸)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا، یا رسول اللہ!  
اگر ایک شخص آکر میرا مال چھیننا چاہے تو میں کیا کروں۔ آپ نے فرمایا، اس کو اپنا  
مال نہ لینے دے۔ اس نے کہا، اگر وہ مجھ سے لڑائی کرے؟ آپ نے فرمایا، تو بھی  
مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس نے کہا، اگر وہ مجھے لڑائی میں قتل کر دے؟ آپ نے فرمایا،  
تو شہید ہوگا۔ اس نے کہا، اگر لڑتے لڑتے میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا،  
وہ جہنم میں جائے گا۔ (صحیح مسلم)

(۴۹)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جو عورت اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایک دن اور رات کا سفر بھی خاوند یا کسی محرم رشتہ دار کے بغیر کرے۔  
(صحیح بخاری)

(۵۰)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص کبھی موت کی آرزو نہ کرے کیونکہ اگر وہ شخص نیک ہے تو (زندہ رہنے کی صورت میں) امید ہے کہ اور زیادہ نیکیوں کی توفیق مل جائے اور اگر بُرا ہے تو ممکن ہے کہ توبہ کا موقع پیش آجائے۔  
(صحیح بخاری)

(۵۱)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: — جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا پھر اس نے اس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی تو وہ مال قیامت کے دن اس آدمی کے سامنے ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گا جس کے انتہائی زہریلے پن سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے ہوں اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں۔ پھر وہ سانپ (اس زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے) کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔ پھر وہ اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: —

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْغُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (آل عمران - ۱۸ ع)  
(صحیح بخاری)



(۵۲)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: - حقیقی مسکین وہ آدمی نہیں ہے جو (مانگنے کے لیے) لوگوں کے پاس آتا جاتا ہے اور ایک دو لقمے یا کھجوریں لے کر واپس لوٹ جاتا ہے بلکہ حقیقی مسکین وہ بندہ ہے جس کے پاس اپنی ضرورتیں پوری کرنے کا سامان بھی نہیں ہے (چونکہ وہ اپنا حال لوگوں سے چھپاتا ہے اس لیے) کسی کو اس کی حاجت مندی کا احساس بھی نہیں ہوتا تاکہ صدقہ سے اس کی مدد کی جائے اور نہ وہ چل پھر کر لوگوں سے سوال کرتا ہے۔  
(صحیح بخاری صحیح مسلم)

(۵۳)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جو کوئی (حاجت سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ) زیادہ مال حاصل کرنے کے لیے لوگوں سے مانگتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے لیے جہنم کا انگارہ مانگتا ہے۔ اب خواہ اس میں کمی کرے یا زیادتی کرے۔  
(صحیح مسلم)

(۵۴)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی اور تصور معاف کرنے سے آدمی نیچا نہیں ہوتا بلکہ اللہ اس کو سر بلند کر دیتا ہے اور اس کی عزت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جو بندہ اللہ کے لیے فریاد اور خاکساری اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو رفعت اور سر بلندی بخشے گا۔  
(صحیح مسلم)

(۵۵)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بیان فرمایا کہ: — ایک شخص کسی راستے پر چلا جا رہا ہے جس پر کسی درخت کی ایک شاخ تھی (جس سے راہگیروں کو تکلیف ہوتی تھی) اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ میں اس شاخ کو یہاں سے

ہٹا کر راستہ صاف کروں گا تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو (پھر اس نے ایسا ہی کیا) تو وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے جنت میں بھیج دیا گیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۵۶)

ایک شخص نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے عرض کیا، یا رسول اللہ! کس صدقہ کا ثواب زیادہ ہے؟ آپ نے فرمایا، زیادہ ثواب کی صورت یہ ہے کہ تم ایسی حالت میں صدقہ کرو جبکہ تمہاری تندرستی قائم ہو اور تمہارے دل میں دولت کی چاہت اور اس کو اپنے پاس رکھنے کی حرص ہو، اس حالت میں (راہِ خدا میں مال خرچ کرنے سے) تمہیں محتاجی کا خطرہ ہو اور دولت مندی کی دل میں آرزو ہو، (ایسے وقت میں اللہ کی رضا کے لیے اپنا مال خرچ کرنے یا صدقہ کرنے کا بڑا ثواب ہے) اور ایسا نہ ہونا چاہیے کہ جب موت کا وقت آجائے اور جان کھینچ کر حلق میں آجائے تو تم مال کے بارے میں وصیت کرنے لگو کہ اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو حالانکہ اب تو مال فلاں فلاں کا (یعنی وارثوں کا) ہو ہی جائے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۵۷)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیئے جلتے ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۵۸)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ روزہ اس عام قانون سے مستثنیٰ ہے وہ بندہ کی طرف سے میرے لیے ایک تحفہ ہے اور میں ہی اس کا (جس طرح چاہوں گا) اجر دوں گا۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہشِ نفس اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے (پس میں ہی اس کا صلہ دوں گا)

روزہ دار کے لیے دو سترتیں ہیں، ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے رتب کی بارگاہ میں مکتوبی کی اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بوا اللہ کے نزدیک مُشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے اور روزہ (دنیا میں شیطان کے حملوں سے بچاؤ اور آخرت میں آتش دوزخ سے حفاظت کے لیے) ڈھال ہے اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہیے کہ وہ بے ہودہ اور فحش باتیں نہ بکے اور شور و غل نہ مچائے اور اگر کوئی دوسرا اس سے جھگڑا کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۵۹)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جس نے روزہ کی حالت میں سہول کر کچھ کھاپی لیا تو اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا (اس لیے) وہ قاعدہ کے مطابق اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اس کو اللہ نے کھلایا پلایا ہے۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۶۰)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے منع فرمایا یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر میں روزہ رکھنے سے۔  
(صحیح مسلم)

(۶۱)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: — جس آدمی نے حج کیا اور اس میں نہ تو کسی شہوانی اور فحش بات کا ارتکاب کیا اور نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو کر واپس ہوگا جیسا اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۶۲)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: — میری اس مسجد (یعنی مینہ منورہ کی مسجد نبوی میں) ایک نماز دوسری تمام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔ سوآنے

مسجد حرام کے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۶۳)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۶۴)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: — اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدم کا بیٹا (یعنی انسان) زمانہ کو بُرا کہہ کر مجھ کو تکلیف دیتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہی ہوں، میرے ہی ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ میں ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہوں۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۶۵)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ میری اُمت کا ہر شخص جنت میں داخل ہوگا مگر وہ شخص نہیں جس نے میرا انکار کیا؟ آپ نے فرمایا، جس شخص نے میری پیروی کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے میرا انکار کیا۔

(صحیح بخاری)

(۶۶)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل (کے ثواب) کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے مگر تین باتوں کا ثواب برابر جاری رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ، علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (جیسے کسی کو علم پڑھایا یا کوئی دینی کتاب لکھی) اور اولادِ صالح جو مرنے کے بعد اس کے لیے دعا کرے۔ (صحیح مسلم)

(۶۷)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص سو کر اٹھے تو اپنے ہاتھ کو پانی کے برتن میں نہ ڈالے جب تک کہ اس کو تین مرتبہ دھو نہ لے کیونکہ اس کو نہیں معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۶۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: — لوگو! آپس میں حسد نہ کیا کرو اور آپس میں بغض نہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے قطع تعلق کرو اور اسے اللہ کے بند و بھائی بھائی ہو جاؤ۔ (صحیح مسلم)

(۶۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: — دو آدمیوں کے درمیان صلح کرا دو، یہ بھی ایک نیکی ہے تم کسی کو اپنی سواری پر بٹھالو، یا اس کا بوجھ اپنی سواری پر رکھ لو، یہ بھی نیکی ہے۔ اچھی بات کہنا بھی نیکی ہے۔  
تمہارا ہر قدم جو نماز کے لیے اٹھا ہے، نیکی ہے۔ راستے سے کانٹے پتھر مٹا دینا بھی نیکی ہے۔ (صحیح مسلم)

(۷۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ —  
جس نے کسی بات پر قسم کھالی اور پھر دوسری چیز کو پہلی سے بہتر خیال کیا تو وہ بہتر کو اختیار کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔ (صحیح مسلم)

(۷۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کو بُرا نہ کہا اور نہ بُرا سمجھا اگر خواہش ہوتی تو کھا لیتے اگر خواہش و رغبت نہ ہوتی تو چھوڑ دیتے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۷۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لیے کافی ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لیے کافی ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص تکبر اور ریا سے اپنی ازار (تہبند۔ پاجامہ) کو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر رحمت کی نظر نہ ڈالے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص ایک پاؤں میں جو تاپہن کرنے چلے۔ دونوں پاؤں کو ننگا رکھے یا دونوں پاؤں میں جوتے پہنے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے (حقیقت میں) مجھ ہی کو دیکھا اس لیے کہ شیطان میری صورت اختیاً نہیں کر سکتا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی بن ابی طالب کا بوسہ لیا۔ اس وقت آپ کے پاس اقرع بن حابس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا، میرے دس بیٹے ہیں میں نے ان میں سے کبھی کسی کا بوسہ نہ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا، جو شخص (اولاد یا مخلوق خدا پر) مہربانی اور شفقت نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ (یعنی اللہ اس پر رحم نہیں کرتا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔ (صحیح مسلم)

(۷۷)

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے پوچھا گیا کہ کون سا آدمی بزرگ و مکرم ہے۔ آپ نے فرمایا، اللہ کے نزدیک بزرگ و برتر وہ شخص ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے (یعنی متقی و پرہیزگار)۔ صحابہؓ نے عرض کیا، ہمارے سوال کا یہ مطلب نہیں (بلکہ ہم حسب نسب کے اعتبار سے انسان کی شرافت کو دریافت کرتے ہیں) آپ نے فرمایا، بزرگ و شریف تر انسانوں میں (حضرت) یوسف (علیہ السلام) ہیں جو اللہ کے نبی، اللہ کے نبی یعقوب (علیہ السلام) کے بیٹے، اللہ کے نبی اسحاق (علیہ السلام) کے پوتے اور اللہ کے نبی (ابراہیم) خلیل اللہ کے پڑپوتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا، ہمارے سوال کا یہ منشاء بھی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، تم عرب کے خاندانوں اور قبائل کی بابت مجھ سے دریافت کرتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا، ہاں۔ آپ نے فرمایا، جو شخص آیام جاہلیت میں تم میں سب سے بہتر تھا، وہی اسلام میں بہتر ہے جبکہ یہ فقیہ (یعنی عقلمند اور سمجھ دار) ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۷۸)

ایک شخص نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے قرابت دار ایسے ہیں کہ میں ان کے ساتھ (اچھا) سلوک کرتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ (اچھا) سلوک نہیں کرتے، میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ مجھ سے بُرائی کرتے ہیں۔ میں حلم و بردباری سے کام لیتا ہوں اور ان سے دو گزر کرتا ہوں اور وہ جہالت سے پیش آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اگر تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے بیان کیا تو گویا تو ان کو گرم راکھ پھنکواتا ہے اور تیرے ساتھ ہمیشہ اللہ کی مدد ہے۔ اللہ ان کی ایندڑوں اور شتر کو تجھ سے دفع کرنے والا ہے جب تک کہ تو اسی صفت پر رہے۔ (صحیح مسلم)

(۷۹)

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ مؤمن ایک سو راخ سے دو بار

نہیں ڈسا جاتا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۸۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن صحابہ سے مخاطب ہو کر) فرمایا، تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں تو مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ تو درہم (مال) ہو اور نہ سامان اسباب۔ آپ نے فرمایا، میری اُمت میں قیامت کے دن مفلس وہ شخص ہوگا جو دنیا سے نماز، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ ہر قسم کی عبادتیں لے کر آئے گا اور ساتھ ہی کسی کو گالی دینے، کسی پر تہمت لگانے، کسی کا مال کھا جانے، کسی کو ناحق قتل کرنے اور کسی کو ناحق مارنے پینے کے گناہ بھی لائے گا۔ پھر ایک مظلوم کو اس کی نیکیوں میں سے دیا جائے گا اور دوسرے مظلوم کو اس کی نیکیوں میں سے دیا جائے گا۔ جب اس کی یہ نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور لوگوں کے حق باقی رہ جائیں گے تو ان حقداروں کی بُرائیاں اور گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

(۸۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مؤمن قوی بہتر ہے مؤمن ضعیف سے، اور ہر مؤمن میں خواہ وہ قوی ہو یا ضعیف نیکی ہے۔ جو چیز تجھ کو نفع پہنچائے اس پر حرص کر اور اللہ کی مدد اور توفیق طلب کر اور طلب استعانت سے عاجز نہ ہو اور جب تجھ کو کوئی مصیبت پہنچے (یعنی کسی کام میں نقصان ہو جائے) تو یوں نہ کہہ کہ اگر میں اس طرح کرتا تو ایسا ہوتا بلکہ اس طرح کہہ کہ اللہ نے یہی مقدر کیا تھا اور اللہ جو کچھ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اس لیے کہ "اگر" کا لفظ شیطان کے کام کو کھولتا ہے اور دل میں دوسو سو پیدا کرتا ہے۔ (صحیح مسلم)

(۸۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اعمال (نیکی) میں جلد کرو۔



اُن قتنوں کے آنے سے پہلے جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے (کہ اس وقت) آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اٹھے گا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر ہو جائے گا کہ اپنے دین و مذہب کو دنیا کی تھوڑی سی متاع پر بیچ ڈالے گا۔ (صحیح مسلم)

(۸۳)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! کافروں کے حق میں بددعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا، مجھ کو لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ مجھ کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (صحیح مسلم)

(۸۴)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ مجھ پر جو شخص ایک مرتبہ درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا۔ (صحیح مسلم)

(۸۵)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ — جب تم میں کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھنے تو اس کو چاہیے کہ نماز کو ہلکا کرے (یعنی چھوٹی سورتیں پڑھے تاکہ نماز جلد ختم ہو) اس لیے کہ لوگوں میں بیمار بھی ہیں اور کمزور بھی اور بوڑھے بھی — اور جب کوئی شخص تنہا نماز ادا کرے تو جس قدر طویل ممکن ہو ادا کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۸۶)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ جنازہ کے لیے جانے میں جلدی کرو اس لیے کہ اگر وہ نیک آدمی کا جنازہ ہے تو اس کو نیکی (اس کی اچھی منزل) کی طرف جلد پہنچانا چاہیے اور اگر وہ بُرے آدمی کا جنازہ ہے تو جلد اس کو اپنی گردنوں سے اتار کر رکھ دو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۸۷)

(حضرت) ابو موسیٰؓ بے ہوش ہو گئے تو ان کی بیوی اُمّ عبد اللہ نے چلا چلا کر رونا شروع کر دیا۔ پھر جب ابو موسیٰؓ کو ہوش آ گیا تو انہوں نے (بیوی سے) کہا، کیا تجھے کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اس شخص سے بری الذمہ ہوں جو مصیبت میں سر کے بال منڈائے، چلا چلا کر روئے اور کپڑے پھاڑے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۸۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں جب کسی مومن بندے کی پیاری روح (یعنی اس بندے کے کسی پیارے عزیز۔ ماں، باپ، بہن بھائی بیٹے بیٹی وغیرہ کی روح) قبض کرتا ہوں اور وہ اس پر صبر کرتا اور ثواب کا طالب ہوتا ہے تو اس کے لیے میرے پاس جنت سے بہتر کوئی جزاء نہیں ہوتی۔ (صحیح بخاری)

(۸۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو اس نے کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے جی میں اس کی تجویزیں سوچیں اور تمنا کی تو وہ نفاق کی ایک صفت پر مرا۔ (صحیح مسلم)

(۹۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل کے بُرے خیالات اور دوسو سوں کو معاف فرما دیا ہے، اُن پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ جب تک ان پر عمل نہ ہو اور زبان سے نہ کہا جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۹۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں میں ہمیشہ فضول

سوالات اور چون و چرا کا سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ یہ احمقانہ سوال بھی کیا جائے گا کہ اللہ نے سب مخلوق کو پیدا کیا ہے تو پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس کو اس سے سابقہ پڑے وہ یہ کہہ کر بات ختم کر دے کہ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر میرا ایمان ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۹۲)

ایک شخص رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، میں بڑا دکھی فقیر ہوں (مجھے بھوک بہت ستا رہی ہے) آپ نے اپنی بعض ازواجِ مطہرات کے پاس کہلا بھیجا (کہ اگر کھانے کی کوئی چیز ہو تو ایک ایسے حاجت مند کے لیے بھیج دو) وہاں سے جواب ملا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ مبعوث کیا ہمارے ہاں اس وقت کھانے پینے کی کوئی چیز پانی کے سوا نہیں ہے۔ پھر آپ نے اپنے کسی دوسرے گھر میں کہلا بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب ملا پھر (اپنے دوسرے سب گھروں میں کہلا کے بھیجا اور) ان سب کی طرف سے بھی یہی جواب ملا۔ (اب) آپ نے صحابہ حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا، تم میں سے کون اس شخص کو اپنا مہمان بنا سکتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی۔

انصار میں سے ابو طلحہ نام کے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! اس کو میں اپنا مہمان بناتا ہوں۔ چنانچہ وہ اس شخص کو اپنے گھر لے گئے اور اپنی اہلیہ سے کہا (اس مہمان کے لیے) کیا تمہارے ہاں کچھ ہے؟ اہلیہ نے جواب دیا، بس اپنے بچوں کا کھانا ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ابو طلحہ نے کہا، تو پھر ایسا کرو کہ بچوں کو کسی طرح بہلا کر سلا دو اور جب ہمارا مہمان گھر میں آجائے تو اس پر یہ ظاہر کرنا کہ (اس کے ساتھ) ہم بھی کھائیں گے پھر جب وہ کھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو تم چرخ کی بتی ٹھیک کرنے کے بہانے چراغ کے پاس جانا اور اس کو بجھا دینا (تاکہ گھر میں اندھیرا ہو جائے اور مہمان

کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ہم کھانا کھا رہے ہیں یا نہیں (چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ پس بیٹھے تو سب لیکن کھانا صرف مہان ہی نے کھایا اور دونوں میاں بیوی نے مہوٹے رہ کر رات گزاری۔ صُبح کو ابو طلحہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کا اور ان کی بیوی کا نام لے کر ان کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے فلاں بندے اور فلاں بندی کا یہ عمل بہت ہی پسند آیا اور اللہ تعالیٰ بہت ہی خوش ہوا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۹۳)

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! محمدؐ کے متعلقین کی روزی بس بقدر کفایت ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۹۴)

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ایک دن ارشاد فرمایا، بتلاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر جاری ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچھیل باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا، بالکل یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے خطاؤں کو دھوتا اور مٹاتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۹۵)

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا، سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید بن ربیعہ (شاعر) کی یہ بات ہے اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللہَ بَاطِلٌ (آگاہی ہو کہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۹۶)

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے چاہیے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے اور اس کا جو بھائی (یا آپ نے فرمایا کہ

اس کا جو ساتھی اس کے پاس) ہو وہ کہے **يُوحَمُّكَ اللهُ** کہے تو چاہیے کہ چھینکنے والا (اس کے جواب میں یہ دعائیہ کلمہ) کہے  
**يَهْدِيْكُمْ اللهُ وَيُصَلِّمْ بِأَنْكُمُ**  
 (اللہ تمہیں ہدایت سے نوازے اور تمہارے حالات درست فرمادے)  
 (صحیح بخاری)

(۹۷)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ یہ پانچ چیزیں انسان کی فطرتِ سلیمہ کے تقاضے اور دینِ فطرت کے خاص احکام ہیں۔ — **خْتَنَةُ**۔ زیرِ ناف بالٹوں کی صفائی۔ مونچھیں تراشنا۔ ناخن لینا اور بغل کے بال لینا۔  
 (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۹۸)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا معاملہ بندے کے ساتھ اس کے یقین کے مطابق ہے اور میں اس کے بالکل ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں اس طرح یاد کرے کہ کسی اور کو خبر بھی نہ ہو تو میں بھی اس کو اسی طرح یاد کروں گا اور اگر وہ دوسرے لوگوں کے سامنے مجھے یاد کرے تو میں اس سے بہتر بندوں کی جماعت میں اس کا ذکر کروں گا۔ (یعنی بلائیکہ کی جماعت میں)۔  
 (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۹۹)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو اس طرح نہ کہے کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور تو چاہے تو مجھ پر رحمت فرما اور تو چاہے تو مجھے روزی دے بلکہ اپنی طرف سے عزم اور قطعیت کے ساتھ اللہ کے حضور میں اپنی مانگ رکھے۔ بیشک وہ کرے گا وہی

جو چاہے گا۔ کوئی ایسا نہیں جو زور ڈال کر اس سے کرا سکے۔ (صحیح بخاری)

(۱۰۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات آدمی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا جب کہ اس کے سوا اور کہیں سایہ موجود نہ ہوگا وہ سات آدمی یہ ہیں:

(۱) بادشاہِ عادل (یعنی انصاف کرنے والا بادشاہ یا خلیفہ)

(۲) وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت کرتے ہوئے پلا پڑھا۔

(۳) وہ آدمی جس کا دل مسجد میں لگا ہوا ہو۔

(۴) وہ آدمی جو اللہ ہی کے لیے محبت کریں اور اللہ ہی کے لیے ایک دوسرے سے جدا ہوں۔

(۵) وہ آدمی جس کو کوئی خوبصورت اور خاندانی عورت اپنی طرف بلائے مگر وہ یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (یعنی یہ کہہ کر اس کے پاس جانے سے انکار کر دے۔)

(۶) وہ آدمی جو اپنے صدقہ کو اس قدر پوشیدہ رکھے کہ بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے کہ دائیں نے کیا خرچ کیا۔

(۷) وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے رونے لگے۔

(صحیح بخاری صحیح مسلم)



## حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی چند اور مرویات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک سو مرویات، جو صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) سے لی گئی ہیں، پچھلے صفحات میں نقل کی جا چکی ہیں (اردو ترجمہ) یہاں ہم ان کی چند اور مرویات درج کرتے ہیں جن ان کتب حدیث سے لی گئی ہیں :

سنن ابی داؤد - جامع ترمذی - سنن نسائی - سنن ابن ماجہ -  
 مؤطا امام مالک - مسند احمد بن حنبل - سنن دارمی - سنن دارقطنی -  
 شعب الایمان بلہقی -

ان میں سے بیشتر احادیث ایسی ہیں جن کو آئمہ حدیث میں سے اکثر یا کئی نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ ان کو مرویات ابی ہریرہ کے ایسے نمونے سمجھے جو صحیحین کے علاوہ مختلف درجوں کی دوسری کتب حدیث میں موجود ہیں۔ ہر حدیث سے پہلے ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ“ کے الفاظ کا اضافہ کر لیجئے۔

### سنن ابی داؤد

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ مقتدی لوگ اس کی اقتدار اور اتباع کریں لہذا جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم جا موشی سے کان لگا کر سنو۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی رحمت اس بندے پر جو رات کو اٹھا اور اس نے نماز تہجد پڑھی اور اپنی بیوی کو بھی جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی اور اگر وہ نہیں جاگی تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کہ اس کو جگا دیا اور

اسی طرح اللہ کی رحمت اس عورت پر جو رات کو نماز تہجد کے لیے اٹھی اور اس نے نماز ادا کی اور اپنے شوہر کو بھی جگایا۔ پھر اس نے بھی اٹھ کر نماز پڑھی اور اگر وہ نہ اٹھا تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اس کو بیدار کر دیا۔

○ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو پورے خلوص سے اس کے لیے دعا کرو۔

○ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جو مسلمان کسی مسلمان کو عریانی کی حالت میں کپڑے پہنائے، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے سبز جوڑے عطا فرمائے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی پلائے اللہ تعالیٰ اس کو (جنت کی) شراب طہور پلائے گا جس پر ٹہرنگی ہوگی۔

○ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے اور ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا بھائی ہے۔ اس کے ضرر کو اس سے دفع کرتا ہے اور اس کے پیچھے سے اس کی پاسبانی اور نگرانی کرتا ہے۔

○ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص سایہ کی جگہ میں بیٹھا ہو پھر اس پر سے سایہ ہٹ جائے اور اس کے جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سائے میں ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس جگہ سے اٹھ جائے۔

## جامع ترمذی

○ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہو، اس کو چاہیے کہ وہ سورج نکلنے کے بعد ان کو پڑھے۔

○ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں۔ کبھی اس کی جان پر، کبھی اس کے مال پر، کبھی اس کی اولاد پر اور ان کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا۔



○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنوں میں سے کسی دن بھی بندے کا عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں جتنا کہ عشرہ ذی الحجہ میں محبوب ہے۔ اس عشرہ میں ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کے نوافل شب قدر کے نوافل کے برابر ہیں۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو کسی مخلوق کے سامنے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پیٹ کے بل اوندھا لیتا ہوا دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ لینے کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومنین میں کامل الایمان وہ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہیں اور رقم میں اچھے اور خیر کے زیادہ حامل وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہیں۔

## سنن نسائی

○ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے (اس کو کیسے خرچ کروں)

آپ نے فرمایا، اس کو اپنی ضرورتوں پر خرچ کرو۔

اس نے کہا، اس کے لیے میرے پاس اور ہے۔

آپ نے فرمایا، تو اس کو اپنی اولاد کی ضرورتوں پر خرچ کرو۔

اس نے کہا، اس کے لیے میرے پاس اور ہے۔

آپ نے فرمایا، تو اس کو اپنی بیوی کی ضروریات پر خرچ کرو۔

اس نے کہا، اس کے لیے میرے پاس اور ہے۔

آپ نے فرمایا، تو اس کو اپنے غلام اور خادم پر خرچ کرو۔

اس نے کہا، اس کے لیے میرے پاس اور ہے۔

آپ نے فرمایا، تم زیادہ واقف ہو (کہ تمہارے قرابت داروں میں کون

زیادہ حاجت مند اور مستحق ہے۔)

○ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ حرص و نخل اور ایمان کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

○ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے ضرر سے مسلمان محفوظ رہے اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے لوگوں کو اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں کوئی ڈر اور خطرہ نہ ہو۔

○ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ بوڑھوں کمزوروں ماور عورتوں کے لیے حج اور عمرہ کرنا ثواب میں جہاد کے برابر ہے۔

○ میں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تین شخص اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، جہاد کرنے والا، حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا۔

### سُنَنِ ابْنِ مَاجَةَ

○ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم لوگوں کے لیے مثل ایک باپ کے ہوں اپنی اولاد کے لیے (یعنی جس طرح اولاد کی تعلیم و تربیت ہر باپ کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح تمہاری تعلیم و تربیت میرا کام ہے) اس لیے میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب تم رفع حاجت کے لیے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کر کے بٹھو اور نہ اس کی طرف پشت کر کے اور آپ نے تین پتھروں (ڈھیلوں) کے استعمال کا حکم دیا اور منع فرمایا استنجے میں لید اور ہڈی استعمال کرنے سے اور منع فرمایا داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے سے۔

○ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ جسم کے ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر مقولہ ہے۔ اس لیے غسل جنابت میں بالوں کو اچھی طرح دھونا چاہیے اور جلد کا جو حصہ ظاہر ہے اس کی بھی اچھی طرح دھلانی کرنی چاہیے۔

○ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ جس بندے نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ تو مبارک اور عیادت کے لیے تیرا چلنا مبارک اور تو نے یہ عمل کر کے جنت میں اپنا گھر بنا لیا۔

○ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے گھروں میں بہت تین

وہ گھر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا جائے۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی رات کو اس حال میں سو جائے کہ اس کے ہاتھ میں کھانے کی لچکنائی کا اثر اور اس کی بو ہو اور اس کی وجہ سے اس کو کوئی گزند پہنچ جائے تو وہ بس اپنے ہی کو ملامت کرے۔

## موطأ امام مالک

○ (ایک دفعہ) جہری نماز (جس نماز میں قرأت اونچی آواز سے کی جاتی ہے) پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں (مقتدیوں) کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ ابھی ابھی نماز میں قرأت کی ہے؟ (یعنی بلند آواز سے قرآن پڑھا ہے) ایک شخص نے عرض کیا، ہاں یا رسول اللہ۔

آپ نے فرمایا، میں (دل میں) کہتا تھا کہ کیا بات ہے کہ میں قرآن سے جھگڑ رہا ہوں (یعنی قرآن پڑھنے میں مجھ کو دقت پیش آرہی ہے) ابوہریرہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جہری نمازوں میں لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے وقت آواز سے قرأت نہیں کرتے تھے۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص فخر (تکبر) سے چادر گھیٹتا ہوا چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمت کی نظر) سے نہیں دیکھتا

○ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! ہم دریا میں سوار ہوتے ہیں (یعنی کشتی میں) اور اپنے ساتھ تھوڑا سا پانی (پینے کے لیے) لے جاتے ہیں۔ اگر ہم دریا کے پانی سے دھو کر لیں

پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، پاک کرنے والا ہے پانی اس کا اور حلال ہے مردہ اس کا (یعنی مردہ پھلی)۔

## مسند احمد بن حنبل

○ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قسادت قلبی (سخت دلی) کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ یتیموں کے سر پر (شفقت کا) ہاتھ پھیرا کر اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کر۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مؤمن تو الفت اور محبت کا مرکز ہے اور اس آدمی میں کوئی مسہلانی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیا ایمان کی ایک شاخ ہے اور بے حیائی بے شرمی بدکاری کی ہے اور بدکاری کا مقام دوزخ ہے۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: —  
 ”دو آدمی کپڑا بیچ اور خرید رہے ہوں گے۔ کپڑا سٹے رکھا ہوگا کہ اتنے میں قیامت آجائے۔ وہ دونوں کپڑے کا معاملہ نہیں کر سکیں گے۔ یہاں تک کہ اس کو تہہ کر کے بھی نہیں رکھ سکیں گے۔ ایک شخص اپنی اذنی کا دودھ دودھ کر کھڑے گیا ہے۔ اتنے میں قیامت آجائے گی اور اسے وہ دودھ استعمال کرنے کی مہلت نہ ملے گی۔“

ایک آدمی کے لیے حوض تیار کر رہا ہوگا کہ اسی حالت میں قیامت آجائے گی اور اس کو اپنے حوض سے موشیوں کو پانی پلانے کا موقع نہ ملے گا۔

آدمی نے لقمہ اٹھایا ہوگا کہ قیامت برپا ہو جائے گی تو وہ لقمہ اس کے منہ تک نہیں جاسکے گا۔“

○ میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ رحم اور رحمت کسی شخص کے دل سے نہیں نکالی جاتی مگر بد بخت کے دل سے نکال لی جاتی ہے۔

○ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے کہ جب تم مسجد میں ہو اور اذان دی جائے تو نماز کے لیے تم میں سے کوئی اس وقت تک مسجد سے باہر نہ نکلے جب تک نماز نہ پڑھے۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے میری عبادت کے لیے اپنے دل کو اچھی طرح مطمئن اور فارغ کر لے میں تیرے دل میں غنا بھروں گا اور فقر و احتیاج کے کبے سوراخوں کو بند کر دوں گا اور فقر و افلاس کے سوراخوں کو بھی بند نہ کروں گا۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے احسان کرنے والے بندہ کا شکر یہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔

### سُنَن دَارِمِی

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی شرعی رخصت (بیماری وغیرہ جیسے عذر) کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑے وہ اگر اس کی جگہ عمر بھر بھی روزے رکھے تو جو چیز فوت ہوگئی وہ پوری ادا نہیں ہو سکتی۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اس طرح نہ کرے جس طرح اونٹ بیٹھتا ہے اور چاہیے کہ وہ سجدہ میں جلتے ہوئے گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھوں کو رکھے۔

○ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عید کے دن کسی راستہ سے تشریف لے

جاتے تو اس راستے سے واپس نہ آتے بلکہ دوسرے راستے سے آتے۔  
 ○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص پر روزہ کی حالت میں قے غلبہ کرے (یعنی خود قے آجائے) اس پر قضا واجب نہیں اور جو شخص قضا کرتے کرے اس پر قضا واجب ہے۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شہید قتل کی صورت اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی کہ تم حیوانی ٹیٹے کے کاٹنے کی تکلیف محسوس کرتے ہو۔

### سنن دارقطنی

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے جمعہ کی ایک رکعت پائی اس کو چاہیے کہ وہ دوسری رکعت اس میں ملائے اور جس شخص کی دونوں رکعتیں فوت ہو جائیں اس کو چاہیے کہ وہ چار رکعت پڑھے (یا آپ نے فرمایا کہ ظہر پڑھے)۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بندے کے لیے اس سے بڑھ کر فضیلت کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ وہ دین حاصل کرے۔ دین کی سمجھ رکھنے والا ایک عالم ہزاروں عابدوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے۔ ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور دین اسلام کی بنیاد ”دین کی سمجھ“ ہے۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے وضو کیا اور اللہ کا نام لیا پس اس نے اپنا تمام بدن پاک کیا اور جس نے وضو میں اللہ کا نام نہیں لیا اس نے صرف وضو کے اعضاء کو پاک کیا۔

(یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے)

### شعب الایمان للبیہقی

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت بلالؓ کی قیام گاہ پر پہنچے اور دیکھا کہ ان کے پاس چھوڑوں کا ایک ڈھیر ہے۔ آپ نے فرمایا، بلال یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کو میں اللہ کے لئے وقف کر رہا ہوں۔

بلال! کیا تمہیں اس کا ڈر نہیں کہ کل قیامت کے دن آتش دوزخ میں تم اس کی تپش اور سوزش دیکھو۔ اے بلال! جو ہاتھ پاس آئے اس کو اپنے اوپر اور دوسروں پر خرچ کرتے رہو اور عرشِ عظیم کے مالک سے قلت کا خوف نہ کرو۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا کی دولت حلال طریقے سے اس مقصد کے لیے حاصل کرتا ہے کہ اس کو دوسروں سے سوال نہ کرنا پڑے اور اپنے اہل و عیال کے لیے روزی اور سائش کا سامان فراہم کر سکے اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی احسان اور سلوک کر سکے تو قیامت کے دن وہ اللہ کے سامنے اس طرح پیش ہوگا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور چمکتا ہوگا اور جو شخص دنیا کی دولت حلال ہی ذریعہ سے اس غرض کے لیے حاصل کرنا چاہے کہ وہ بہت دولت مند ہو جائے اور اس دولت مندی کی وجہ سے وہ دوسروں کے مقابلے میں اپنی شان اونچی رکھ سکے اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بننے کے لیے داد و پیش کر سکے تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حال میں حاضر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضب ناک ہوگا۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو نجات دلانے والی ہیں اور تین ہی چیزیں ہیں جو ہلاک کر دینے والی ہیں۔

نجات دلانے والی چیزیں یہ ہیں — ایک اللہ کا خوف پوشیدگی میں بھی اور ظاہر میں بھی۔ دوسری حق بات کہنا خوشی میں بھی اور غصے میں بھی اور ننگدستی اور خوشحالی سر حالت میں اعتدال کی راہ پر چلنا۔ اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں، وہ خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے اور وہ سچل جس کی اطاعت کی جائے اور انسان کی خود پسندی کی خصلت اور یہ ان سب میں زیادہ سخت ہے۔



# کتابیات

اس کتاب کی تالیف و تدوین میں جن کتابوں سے براہِ راست یا بالواسطہ اخذ و استفادہ کیا گیا ہے، ان کے نام یہ ہیں :

- |      |                           |   |
|------|---------------------------|---|
| (۱)  | صحیح بخاری                | امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ                               |
| (۲)  | صحیح مسلم                 | امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ                                |
| (۳)  | سنن ابی داؤد              | امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ                            |
| (۴)  | سنن الترمذی               | امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ                     |
| (۵)  | سنن النسائی               | امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ                               |
| (۶)  | مسند احمد                 | امام احمد بن حنبل                                       |
| (۷)  | مشترک حاکم                | امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ                       |
| (۸)  | فتح الباری                | حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ                     |
| (۹)  | مشکوٰۃ شریف               | شیخ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب عمری |
| (۱۰) | البدایہ و النہایہ         | حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ                            |
| (۱۱) | تاریخ الامم و الملوک      | ابن جریر طبری   |
| (۱۲) | الطبقات الکبریٰ           | محمد ابن سعد کاتب الواقدی                               |
| (۱۳) | السیرۃ النبویہ            | ابن ہشام  |
| (۱۴) | زاد المعاد                | حافظ ابن قیم  |
| (۱۵) | الأصابع فی تسمیة الصحابہ  | حافظ ابن حجر عسقلانی                                    |
| (۱۶) | تہذیب التہذیب             | حافظ ابن حجر عسقلانی                                    |
| (۱۷) | الاستیعاب فی معرفۃ الصحاب | حافظ ابن عبد البر اندلسی                                |



- (۱۸) اُسْدُ الغَابَةِ فِي مَعْرِفَةِ الصَّحَابَةِ — علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ
- (۱۹) تَذْکِرَةُ الحَفَاطِ — حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ
- (۲۰) سیر اعلام النبلاء — حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ
- (۲۱) حلیۃ الاولیاء — حافظ ابو نعیم الاصبہانی رحمۃ اللہ علیہ
- (۲۲) تاریخ اسلام — شاہ معین الدین احمد ندوی
- (۲۳) دائرۃ معارف اسلامیہ (اردو) جلد اول — دانش گاہ پنجاب لاہور
- (۲۴) مہاجرین (جلد اول و دوم) — شاہ معین الدین احمد ندوی
- (۲۵) تابعین — مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی
- (۲۶) حضرت ابو ہریرہؓ — از محمد عجاج الخطیب اردو ترجمہ مولانا غلام احمد حریری مرحوم
- (۲۷) دفاع ابو ہریرہؓ — مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب
- (۲۸) حضرت ابو ہریرہؓ — حافظ قاری محمد قاسم قاسمی
- (۲۹) درس گاہ رسولؐ کے دو طالب علم — مولانا اعجاز الحق قدوسی مرحوم
- (۳۰) دفاع عن ابی ہریرہؓ — عبد المنعم صالح اعلیٰ
- (۳۱) تاریخ علم حدیث — علامہ اشفاق الرحمن کاندھلوی
- (۳۲) الکمال فی اسما الرجال — شیخ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب
- (۳۳) بذل القوة — علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھی
- (۳۴) رَحْمَةُ رَبِّنَا وَمِنْهُمْ (جلد سوم) — مولانا محمد نافع
- (۳۵) معارف الحدیث (جلد تالیف) — مولانا محمد منظور نعمانی
- (۳۶) سیرت حضرت عائشہؓ — مولانا سید سلیمان ندوی



